ایک حادثہ، ایک محبّت

از کنول اکرم

"کیا کر رہی ہو؟ "وہ کمرے میں بیٹھی اپنی اسائنمنٹ بنا رہی تھی جب اس کی چچا زاد بہن مرینہ نے وہاں آ کر اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں !اپنی اسائنمنٹ بنا رہی ہوں۔ "اس نے سادگی سے جواب دیا مگر ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

وہ ایف اے کر رہی تھی۔اُسے گھر سے باہر کسی دوسرے شہر میں جا کر پڑھنے کی اجازت نہیں تھی تبھی وہ علامہ اقبال یونیورسٹی کے ذریعے گھر بیٹھ کر ہی پڑھ رہی تھی۔وہ گھر پر ہی تیاری کرتی اور صرف پیپر دینے گھر سے باہر جاتی وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ کیوں کہ اُسے کہیں بھی اکیلے آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔میٹرک تک کی پڑھائی بھی اُس

نے اپنے گاؤں میں موجود ہائی سکول سے کی تھی اگر یہاں یہ سکول نہ ہوتا تو شاید وہ کبھی پڑھ ہی نہ پاتی۔

"کیا فائدہ اِتنا پڑھنے کا جب تمہیں پتا ہے کہ یہ پڑھائی کسی کام نہیں آنے والی؟" مرینہ نے تمسخر سے اُسے دیکھا۔

"پڑھائی شعور حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے کسی فائدے یا نفع کے لیے نہیں آپا!" وہ سادگی سے جواب دے کر پھر سے اپنا کام کرنے لگی تھی جب کہ مرینہ کلس کر رہ گئی۔ اُسے کہاں گوارا تھا کہ مُسفرہ پڑھے۔

"اِس کا مطلب تو یہی ہوا کہ تُم میں شعور اور عقل کی کمی ہے جِسے حاصل کرنے کے لیے تُم اِتنی محنت کرتی ہو؟" مرینہ نے طنز کیا۔

"آپ یہی سمجھ لیں۔" وہ مُسکرا کر بِنا اُس کی بات کا بُرا منائے بولی۔ مرینہ ہنکارا بھر کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"حمدان کہاں ہے؟ صُبح سے نظر نہیں آیا مجھے؟" مرینہ نے وہ سوال کیا جو کرنے وہ مُسفرِہ کے کمرے میں آئی تھی۔

"وہ کھیتوں تک گئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔" اپنے لالہ کے ذِکر پر مُسفرِہ کے لہجے میں چاشنی گھلی تھی جب کہ مرینہ کو مُسفرِہ سے نفرت سی محسوس ہوئی۔اِسی بات سے تو وہ خار کھاتی تھی کہ حمدان مُسفرِہ سے سب سے زیادہ محبّت کرتا ہے مرینہ سے نہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتی تھی کہ مُسفرِہ حمدان کی سگی بہن تھی جب کہ مرینہ اُس کی تایازاد! جِس کا وہ بے حد احترام کرتا تھا اور صِرف تایازاد کے طور پر ہی دیکھتا تھا۔ وہ اِس بات سے انجان تھا کہ اُس سے ایک سال بڑی مرینہ اُس سے محبّت کرتی ہے۔

"آئے تو اُسے میرے کمرے میں بھیجنا!" مرینہ کے حُکم پر مُسفرِہ نے چونک کر مرینہ کو دیکھا مگر وہ اب اُس کے کمرے سے باہر نِکل رہی تھی۔

مُسفرِہ کو حیرت اُس کے حُکم پر ہوئی تھی۔ مرینہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ حمدان مُسفرِہ کے کمرے میں بھی بہت کم آتا تھا۔ وہ پٹھان تھا اور اِس بات کو معیوب سمجھتا تھا کہ وہ کسی

لڑکی کے کمرے میں زیادہ دیر تک رہے چاہے پِھر وہ لڑکی اُس کی بہن ہی کیوں نہ ہو اور مرینہ کے کمرے میں تو وہ کبھی غلطی سے بھی نہ گیا تھا کہ وہ ایک لڑکی تھی اور اُس کی بہن بھی نہیں تھی۔

"د باجي خو جوړ مازغه خراب شوي دي (آپا کا شاید دِماغ خراب ہو گیا ہے)۔ پشتو میں بڑبڑاتی وہ سر جھٹک کر پِھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

مُسفِرہ پشتون خاندان سے تھی۔ وہ پاکستان کے صوبے خیبر پختونخوا سے تعلق رکھتی تھی اور وہ لوگ ضلع ہنگو کے ایک گاؤں نریاب میں رہتے تھے جو کافی پسماندہ علاقہ تھا۔ اس کے دادا پردادا لوگ بنگلہ دیش سے یہاں آئے تھے۔ ان کے آنے کا مقصد محض تجارت ہی تھا مگر پھر وہ لوگ یہیں بس گئے۔ یہاں آکر اُنہوں نے کچھ زمینیں خرید لی تھیں جِن پر وہ کاشت کاری کرتے تھے اور اُن سے حاصل ہونے والا غلہ شہر میں جا کر بیچ دیتے تھے۔ یہی اُن کا روزگار تھا۔ وہ لوگ بہت زیادہ امیر نہیں تھے تو بہت زیادہ غریب بھی

نہیں تھے۔اُس کے آغا جان یعنی کہ اُس کے دادا شیر افگن خان اکثر وہاں جاتے رہتے تھے کہ وہاں سے اُن کی جڑیں جُڑی تھیں جِن سے وہ کٹ کر نہیں رہ سکتے تھے۔ مُسفِرہ کی بی جان یعنی دادی کی قبر بھی وہیں پر تھی اور اُس کی دو شادی شُدہ پھوپھیاں بھی وہیں مُقیم تھیں جو کبھی اُن سے مِلنے نہیں آتی تھیں بلکہ مُسفِرہ کے تایا اور ابا ہی اُن سے مِلنے جاتے تھے۔

اُن کی شادیاں ولور لے کر کی گئی تھیں جِس کے بعد اُن کی زِندگیوں پر اُن کے شوہروں کا ہی حق سمجھا گیا تھا اور وہ اُن کے تابع ہو گئی تھیں کہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ مُسفِرہ کے تایا اور ابا اُنہیں کبھی وہاں لے کر نہیں گئے تھے ہاں مگر وہاں کے قصے وہ اکثر سناتے رہتے تھے وہ بھی تب جب وہ اپنی موج میں ہوتے تھے۔اس کے گھر کے سبھی مرد حضرات بہت سخت تھے۔عام باپ دادا والی محبت اُن میں ناپید تھی۔ وہ اپنے بچوں سے بالکل بھی بے تکلّف نہ تھے اور اُن کی موجودگی میں گھر کا ماحول بھی کافی سنجیدہ اور کشیدہ رہتا تھا یہی وجہ تھی اُن کی موجودگی میں پورے گھر میں سناٹا چھایا رہتا تھا۔

مُسفرِہ اور حمدان تین بہن بھائی تھے۔سب سے بڑا حمدان خان، جو بیس سال کا تھا اور باپ دادا کے ساتھ کھیتوں کو سنبھالتا تھا۔اُن کی کافی زمینیں تھیں جِنھیں وہ اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھتا تھا۔جن میں اُس کے دادا، تایا اور ابا شامل تھے۔ وہ دس جماعتوں تک پڑھا تھا۔اُسے پڑھائی میں کوئی خاص دِلچسپی نہیں تھی تبھی اُس نے آگے پڑھائی جاری نہ رکھی۔ اگر وہ پڑھنے کا کہتا تو کوئی اُسے نہ روکتا کیوں کہ وہ بیٹا تھا بیٹی نہیں!

حمدان سے چھوٹی مُسفرِہ خان تھی جو اٹھارہ سال کی تھی اور ایف اے کر رہی تھی۔وہ لڑکی تھی تبھی اُسے گھر سے بِلا ضرورت نکلنے کی اِجازت نہ تھی۔اُس سے چھوٹی مُسفرِہ کی بہن عبیرہ خان تھی جو ابھی آٹھ سال کی تھی اور گاؤں کے سکول میں تیسری جماعت میں پڑھتی تھی۔وہ بے حد شرارتی اور نٹ کھٹ تھی جب کہ حمدان اور مُسفرِہ سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔

مُسفرِہ کے تایا کی تین بیٹیاں تھیں جِن میں مرینہ سب سے بڑی تھی جِس کی عمُر اکیس سال تھی۔وہ بس پانچ جماعتیں ہی پڑھی تھی کیوں کہ اُسے بھی پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہ

تھی۔ مرینہ سے چھوٹی حسینہ تھی جو اٹھارہ سال کی اور مُسفرِہ کی ہم عمر تھی اور وہ بھی مُسفرِہ کے ساتھ ہی ایف اے کر رہی تھی۔ حسینہ سے تین سال چھوٹی روزینہ تھی جو دسویں کلاس میں گاوں کے ہی سکول میں پڑھتی تھی۔ اُن کی ماں شاہدہ خاتون ایک چالاک اور ہوشیار عورت تھی۔

اُنہیں بھی ولور کے بدلے بیاہ کر لایا گیا تھا۔ لیکن اِن سب کے علاوہ ایک اور وجود تھا جو اِسی گھر میں رہتا تھا اور وہ تھا زر نگار کا وجود! نذیر خان کی دوسری بیوی جِس سے چار سال پہلے ہی اُنہوں نے شادی کی تھی اور وجہ صِرف یہ تھی کہ اُنہیں بیٹا چاہیے تھا جو کہ شاہدہ خاتون سے اُنہیں نہیں مِلا تھا۔ روزینہ کی وِلادت کے بعد وہ دوبارہ کبھی ماں نہیں بن پائیں۔ نذیر خان نے اُن کا کافی علاج کروایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بیٹے کی چاہ میں وہ اپنی بیٹیوں کو وہ محبّت نہ دے پائے جو اُن کا حق تھی جو ایک باپ ہونے کی حیثیت سے اُنہیں اپنی بیٹیوں کو دینی چاہیے تھی۔

بیٹا نہیں تھا تو وہ آتے جاتے شاہدہ خاتون کو باتیں سُناتے رہتے جیسے اِس سب میں اُن کا ہی قصور ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کا مزاج بے حد تلخ ہو گیا تھا۔ صائمہ خانم کے ایک بیٹا تھا اور شاہدہ خاتون کا ایک بھی نہیں یہ چیز بھی شاہدہ خاتون کو صائمہ خانم سے جلنے پر مجبور کر گئی تھی۔ نذیر خان شاہدہ خاتون کو طنز کا نشانہ بناتے کہ کیسی عورت ہے وہ جو اُنہیں ایک بیٹا تک نہیں دے سکی جِس پر شاہدہ خاتون چُپ کر کے سہہ جاتیں کیوں کہ اِس کے علاوہ اُن کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا ہاں مگر اپنا غُصّہ وہ اپنی تینوں بیٹیوں پر ضرور اُتارتی تھیں کبھی اُن کو ذرا سی غلطی پر مار مار کر اور کبھی اُن پر بِلا وجہ چیخ چِلّا کر!

کئی سال رُک کر اور اِنتظار کرنے کے بعد نذیر خان نے زر نگار سے شادی کر لی تھی جو کافی غریب گھرانے سے تھی۔ وہ پنجابی تھی اور اُس کے گھر والوں کو اِس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اُس کا ہونے والا شوہر پہلے سے ایک بیوی رکھتا ہے اور تین بیٹیوں کا باپ ہے۔ جِس وقت زر نگار کی نذیر خان سے شادی ہوئی وہ اُنیس سال کی تھی جب کہ نذیر خان اُنتالیس سال کے اور اب وہ تئیس سال کی تھی جب کہ نذیر خان تینتالیس سال کے

تھے۔ اُن دونوں کا ایک بیٹا تھا زریاب خان جو ڈیڑھ سال کا تھا اور اُس میں نذیر خان کی جان بستی تھی۔

آج کل زرنگار اپنے مائیکے گئی ہوئی تھی جس پر شاہدہ خاتون نے شکر کیا تھا کیوں کہ اُنہیں زرنگار ایک آنکھ نہ بھاتی تھی آخر کو اُن کی سوتن تھی اور سوتن کس کو پسند ہوتی ہے وہ بھی تب جب وہ نذیر خان کی لاڈلی بیوی تھی جِن سے اُنہیں بیٹا مِلا تھا۔ بے شک یہ خُدا کے کام ہوتے ہیں مگر نذیر خان کو زرنگار سے زیادہ محبّت اِس لیے بھی تھی کہ وہ بیٹے کے باپ بن گئے تھے۔

زرنگار اِن چار سالوں میں پشتو بولنا سیکھ گئی تھی اور اب وہ اُن سب سے اُنہی کی زُبان میں بات کرتی تھی۔

مُسفِرہ کی ماں صائمہ خاتون ایک اچھی اور ملنسار عورت تھی۔ وہ بھی پٹھان تھیں اور اُن کی شادی بھی ولور کے بدلے کی گئی تھی۔ پٹھان قبائل میں ایک رسم ہوتی ہے کہ لڑکی کے والدین لڑکے والوں سے پیسے لیتے ہیں اور پھر اپنی لڑکی کی شادی اُس لڑکے سے کرتے

ہیں۔ لڑکی والے لڑکے والوں سے لاکھوں روپے بھی لے سکتے ہیں اور کروڑوں بھی اب یہ لڑکے پر مُنحصر ہے کہ وہ اُن کی ڈیمانڈ پر راضی ہوتا ہے یا نہیں اگر راضی ہو جائے تو شادی ہو جاتی ہے اور وہ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین کو اُن کی مطلوبہ رقم دے دیتا ہے جسِے ولور کہتے ہیں۔ عام زُبان میں ولور کا مطلب لڑکی کو پیسوں کے بدلے بیچنا ہی ہوتا ہے۔ خاص طور پر پنجابی لوگ اِس کا یہی مطلب لیتے ہیں۔ شادی کے بعد لڑکی مکمل طور پر شوہر کی مطیع ہو جاتی ہے کہ جو وہ کہے گا وہ وہی کرے گی۔ وہ چاہے اُس کے ساتھ جیسا مرضی سلوک کرے اُس لڑکی کے گھر والے اپنے داماد سے کچھ بھی پوچھنے کا حق نہیں رکھتے۔ اب یہ اُس پر ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے یا بُرا، اُسے اُس کے مائیکے لے کر جائے یا نہ!

سُننے میں یہ بھی آتا ہے کہ ولور اِس لیے لیا جاتا ہے تا کہ لڑکے کو لڑکی کی قدر ہو کہ اُس نے سخت محنت کر کے پیسہ جوڑ کر اِس پیسے کے بدلے لڑکی سے شادی کی ہے اب وہ اُس لڑکی کی قدر کرتا ہے یا نہیں یہ شادی کے بعد ہی پتا چلتا ہے۔

پٹھان لوگوں میں جس طرح ایک سے زائد شادیاں کرنا عام بات ہے وہیں ولور لینا بھی عام بات ہے۔ وہ اِس چیز کو معیوب نہیں سمجھتے بلکہ فخر سے بتاتے ہیں کہ اُنھوں نے اِتنا ولور لیا اور اِتنا لیا۔ کچھ لوگ اُن پیسوں کا جہیز بنا کر اپنی بیٹی کو دے دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو خالی ہاتھ رُخصت کر دیتے ہیں۔ مُسفِرہ کے خاندان میں بھی ولور لینا اور دینا عام بات سمجھی جاتی تھی مگر مُسفِرہ کو یہ رسم ناپسند تھی۔ وہ ولور کے بدلے شادی نہیں چاہتی تھی۔ وہ عزت سے بغیر بِکے رُخصت ہونا چاہتی تھی۔

"منیحہ کو اپنے ساتھ لے کر جانا امن "!وہ ابھی یونیورسٹی کے لیے نِکلنے ہی لگا تھا جب اُس کا سینڈوچ کھاتا ہاتھ رُک گیا۔ اپنے باپ کے حُکم پر اُس نے ناگواری سے منیحہ کو دیکھا جو اُس سے دو سال بڑی تھی۔

منیحہ حسن اُس کی پھوپھو کی بیٹی تھی جو اُسے بِالکل پسند نہیں تھی۔ درمیانی شکل وصورت اور گندمی رنگت کی حامل منیحہ سولہ سال کی تھی جب یتیم ہو گئی اور اپنی ماں کے ہمراہ

اپنے ماموں کے گھر آ گئی۔ پچھلے چھ سال سے وہ اپنی ماں کے ہمراہ سیال ہاؤس میں ہی رہ رہی تھی۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاوں گی ماموں جان!" منیحہ نے ایک نظر امن کو دیکھ کر کہا جِس کے چہرے پر چھائے ناگوار تاثرات منیحہ کو بھی ناگوار ہی گزر رہے تھے مگر پِھر بھی وہ نارمل لب و لہجے میں بولی تھی کہ سامنے اُس کے ماموں تھے جو اُس سے بے حد محبّت کرتے تھے۔

"امن کے راستے میں ہی تُمھاری یُونیورسٹی ہے منیحہ! وہ تُمھیں ڈراپ کر دے گا ویسے بھی میں اور تُمھاری ماں ڈرائیور کو لے کر جا رہے ہیں باہِر!" امن کی ماں سفینہ بیگم نے پہلے منیحہ اور پِھر منیحہ کی ماں سعدیہ بیگم کو دیکھ کر کہا۔

"جی ممانی جان!" نرم نِگاہوں سے سفینہ بیگم کو دیکھ کر اُس نے ایک نظر امن کو دیکھا جو اب بھی اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"منیحہ کو دھیان سے لے جانا امن!" عبید سیال نے امن کو تاکید کی تو اُس نے سر جھٹکا اور پِھر سر اثبات میں ہلا کر سب کو گُڈ بائے کہہ کر باہر نِکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد منیحہ نے سب کو خُدا حافظ کہا اور اپنا بیگ اُٹھا کر خُود بھی باہر نِکل گئی۔

ہلکا ہلکا لنگڑا کر چلتی منیحہ کو دیکھ کر سعدیہ بیگم نے اپنی آنکھوں کی نمی چھپائی تھی مگر اُن کا یہ عمل سفینہ بیگم اور عُبید سیال کی نظروں سے چھپا نہیں رہا تھا جِس پر اُنہوں نے تاسف سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"امن کے رویے سے آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا فیصلہ ٹھیک ہے عُبید؟" سفینہ بیگم نے اُن دونوں کے جاتے ہی عُبید صاحب سے پوچھا۔ امن کا منیحہ سے اکھڑ رویہ کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا اور وجہ سے سب ہی واقف تھے۔

"وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا وہ! ویسے بھی شادی کے بعد سب بدل جاتے ہیں۔"

عُبید صاحب نے پُر سوچ انداز میں کہا۔

"پر پِھر بھی آپ کو امن سے ایک بار پوچھ لینا چاہیے؟ ساری زِندگی کا سوال ہے۔ مانو تو منع نہیں کرے گی مگر میں نہیں چاہتی کہ امن کے ساتھ کسی قِسم کی زور زبردستی کی جائے۔" سعدیہ بیگم نے بھی اپنی رائے کا اِظہار کیا۔

"فکر مت کریں آپا! سب اِن شاءاللہ ٹھیک ہی ہو گا۔" عُبید صاحب نے اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑے ہوتے اُن کو تسلی دی۔

"جلدی نہیں چل سکتی تُم؟ تُمھاری وجہ سے میں یونیورسٹی سے لیٹ ہو گیا ہوں۔" امن نے اُس کو دیکھتے ہی غصے سے ٹوکا جو پِچھلی سیٹ کا دروازہ کھول رہی تھی۔

"میرے آہستہ چلنے کے ذِمہ دار بھی تُم ہی ہو تو اپنی چونچ ذرا بند رکھو۔ "منیحہ نے اُسے اُس سے بھی اونچی آواز میں گھرکا تھا جِس پر امن نے نخوت سے سر جھٹکا۔ اپنے سے دو سال بڑی منیحہ کی وہ بِالکل بھی عزِت نہیں کرتا تھا نہ ہی اُس کے لیے آپ جناب کا لفظ اِستعمال کرتا تھا۔ وہ اُسے اُس کے نام سے یا" تُم "کہہ کر ہی پُکارتا تھا۔

گھر کے اندر سب بڑوں کے سامنے شانت اور معصوم نظر آنے والی منیحہ اِس وقت اُسے چالاک بِلی لگی تھی۔ شلوار قمیض پہنے، دوپٹہ کندھے پر لٹکائے وہ غصیلی نظروں سے اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اُس کے بوب کٹ بال اُس کے گول فیس کٹ پر کافی اچھے لگ رہے تھے۔

"منافق لڑکی! آگے آکر بیٹھو۔ ڈرائیور نہیں ہوں میں تُمہارا" امن نے چیخ کر کہا تو وہ مزے سے کندھے اُچکا کر ٹھاہ کی آواز کے ساتھ پچھلا دروازہ بند کر کے فرنٹ سیٹ پر آن بیٹھی۔

امن کے منافق لڑکی کہنے پر اُس نے بالکل بھی بُرا نہیں منایا تھا کیوں کہ وہ اکثر اُس کے مُنہ پر اُسے یہی کہا کرتا تھا جِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ گھر کے بڑوں کے سامنے بے حد شریف، معصوم، کم گو اور حساس بن کر رہتی تھی۔ اُس کا یہ روپ صِرف امن کے سامنے ہی نظر آتا تھا۔

"جلدی چلو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" منیحہ نے ایک ادا سے اپنے بل پیچھے جھٹک کر کہا تو امن نے دانت پیس کر کار کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھا۔

"واؤ! اور تیز چلاؤ گاڑی!" ڈرنے کی بجائے منیحہ نے پُر جوش انداز میں کہا تو امن کا دِل کیا اُسے کار سے باہِر دھکّا دے دے۔

"اوہو!" منیحہ اب اونچی آواز میں نعرے لگا رہی تھی جِس پر امن نے تیزی سے گاڑی کی سپیڈ نارمل کی کہ وہ اپنی وجہ سے اُسے خُوش ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

کار کی سپیڈ لو ہوتے ہی منیحہ نے اپنا اٹکا ہوا سانس بحال کیا اور غیر محسوس انداز میں اپنے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ دِل ہی دِل میں وہ اِتنی تیز سپیڈ پر ڈر گئی تھی مگر امن کے سامنے ظاہِر نہیں کرنا چاہتی تھی تبھی خُوشی اور جوش کا اِظہار کیا جِس کا خاطر خواہ نتیجہ نِکلا تھا کہ اب گاڑی کی سپیڈ اُس کی منشا کے مطابِق ہو گئی تھی۔

"نِکلو میری گاڑی سے!" اُس کی میڈیکل یونیورسٹی آتے ہی امن نے گاڑی روک کر غصے سے کہا تو گاڑی سے اُتر گئی مگر باہر نِکل کر وہ اُسے زُبان چڑانا نہیں بھولی تھی جِس پر وہ زور سے سٹئیرنگ پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

وہ اُس کے پیچھے باہِر نہیں آیا کیوں کہ وہ یونیورسٹی کے اندر جا چُکی تھی۔ اگلے ہی پل وہ گاڑی کو وہاں سے بھگا لے گیا تھا۔

"یہ لو پانی!" وہ جو اپنا سانس بحال کرنے کو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی آواز پر سر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے اُس کی دوست مریم کھڑی تھی۔

"شُکریہ!" شُکریہ کہہ کر اُس نے پانی کی بوتل تھامی اور پانی پینے لگی۔

"وہ ہینڈسم کون تھا جس کے ساتھ تُم آج آئی ہو؟" مریم کے شرارت سے پوچھنے پر منیحہ نے اُسے گھورا۔

"شرم کرو ایک عدد منگیتر ہے تُمہارا اور تُم کسی غیر مرد کو ہینڈسم بول رہی ہو؟ بائی دا وے تُمہاری نظر شاید کمزور ہو گئی ہے جو وہ تُمہیں ہینڈسم لگ رہا ہے۔" منیحہ نے نخوت سے کہا۔

"میری نظر بہت تیز ہے تبھی پتا چل گیا کہ وہ لڑکا بہت ہینڈسم تھا مگر بتاؤ تو؟ تھا کون وہ؟" مریم نے پھر سے اِستفسار کیا۔

"میرا دشمنِ اول!" منیحہ کے لہجے میں امن کے لیے نفرت تھی۔

"وہ امن سیال تھا؟" مریم نے حیرت سے پوچھا تو منیحہ نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

مریم نے منیحہ سے امن کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا تبھی وہ زُبانی کلامی اُس کے بارے میں جانتی تھی مگر دیکھا آج پہلی بار ہی تھا۔ منیحہ یا تو ڈرائیور کے ساتھ یونیورسٹی آتی تھی یا کیب سے! امن کے ساتھ وہ پہلی بار ہی آئی تھی۔

"کافی ڈیشنگ دُشمن ہے تُمہارا!" مریم نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

"وہ دُشمن جِس سے میں اِس دُنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتی ہوں۔ جِس کی نفرت اور غُصّے کی وجہ سے میں آج عام لڑکیوں کی طرح نارملی نہیں چل سکتی۔ خُوب صورت میں پہلے بھی نہیں تھی کہ اُس نے جان بوجھ کر مُجھ میں ایک اور نُقص پیدا کر دیا۔" منیحہ کے لہجے میں اب کی بار درد تھا کم مائیگی کا درد!

"منیحہ۔۔۔۔۔" مریم نے کچھ کہنا چاہا جب منیحہ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روکا۔ اُس کی آنکھوں میں نمی تھی جِسے وہ گالوں پر بہنے سے روک گئی تھی۔

"مجھے اِس ٹاپک پر مزید بات نہیں کرنی۔ کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے چلو!" منیحہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو وہ گہرا سانس بھر کر اُس کے ساتھ ہو لی کہ وہ اِس ٹاپک پر بات کر کے منیحہ کو مزید دُکھی یا پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

منیحہ حسن اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اُس کی پیدائش کے وقت ہی سعدیہ بیگم کچھ پیچیدگیوں کا شکار ہو گئی تھیں کہ اُس کے بعد وہ ماں بننے سے قاصر ہو گئیں جس پر اُنہوں نے اور اُن کے شوہر محمد حسن وڑائچ نے خُدا سے کوئی شکوہ نہ کیا اور صبر کا دامن تھام لیا کہ اُن کے لیے منیحہ ہی بہت تھی۔ حسن وڑائچ کی جوتوں کی فیکٹری تھی۔ اُن کے والدین منیحہ کے بچپن میں ہی وفات پا چکے تھے۔ منیحہ کی ایک ہی پھوپھو تھی جو بیرونِ ملک مقیم تھیں۔ اُن کی دو بیٹیاں تھیں جو اِس وقت بارہ اور تیرہ سال کی تھیں۔ وہ پاکستان بہت کم آتی جاتی تھیں۔ منیحہ کے والدین کی آپس میں محبت بے حد مثالی تھی مگر قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ اُن کا ساتھ بہت کم رہا۔ منیحہ کے والد محمد حسن وڑائچ کو بزنس میں کافی

نُقصان ہوا کہ وہ بالکل دیوالیہ ہوگئے جس کی اُنہوں نے بے حد ٹینشن لی اور پھر اِس ٹینشن کا نتیجہ ہارٹ اٹیک کی صورت میں نِکلا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور منیحہ اور اُس کی ماں سعدیہ بیگم کو اِس دُنیا میں اکیلا چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اُن کی وفات کے بعد منیحہ کی پھوپھو نے منیحہ اور سعدیہ بیگم کو اپنے ساتھ بیرون ملک لے جانا چاہا مگر وہ نہیں مانیں اور یُوں وہ اپنے بھائی عُبید سیال کے گھر شِفٹ ہو گئیں۔ جِس وقت مُحمد حسن وڑائچ کی وفات ہوئی تب منیحہ سولہ سال کی تھی اور اب وہ بائیس سال کی ہو چُکی تھی۔

منیحہ بچپن سے ایک ٹانگ سے معذور نہیں تھی بلکہ وہ سترہ سال کی تھی جب اُس کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا اور وہ نارملی چلنے سے معذور ہو گئی۔ اب وہ ذرا سا لڑکھڑا کر چلتی تھی۔ درمیانے نین و نقوش کی حامل منیحہ بے حد ذہین تھی اور میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی۔

امن سیال بے حد اکھڑ مزاج لڑکا تھا اپنے آپ میں رہنے اور اپنے کام سے کام رکھنے والا! بِلا وجہ اُس کے معاملے میں ٹانگ اڑانے والے اور خُود سے بے تکلف ہونے والے لوگوں کو وہ بِالکل بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کے گِن چُن کر دو تین ہی دوست تھے جِن میں سے ایک تو اُس کا اپنا کزن حاطب سیال تھا جو اُس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ حاطب بِزنس پڑھ رہا تھا۔ ذہین امن بھی بہت تھا اور اُس نے میڈیکل میں ہی ایڈمیشن لے رکھا تھا مگر اُس کا میڈیکل کا ابھی دوسرا سال ہی شروع ہوا تھا۔ عُبید سیال کا اپنا کنسٹرکشن کا بِزنس تھا جِسے وہ اکیلے ہی سنبھالتے تھے کہ امن کو بِزنس میں کوئی خاص دِلچسپی نہیں تھی۔

عُبید سیال نے بھی امن کو بزنس کی پڑھائی پڑھنے پر مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی مرضی اپنے بچوں پر مسلط کرنے کے قائل نہیں تھے۔ حاطب کی طرح امن کا چھوٹا بھائی بھی آگے بزنس ہی پڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ ابھی آئی کام کر رہا تھا۔ بلا کا شرارتی اور ہنس مکھ لڑکا تھا اپنے بھائی کے بِالکل اُلٹ، ہر کسی سے جلد گُھل مل جانے والا اور بلا کا حاضر دِماغ!

حاطب سیال یوسف سیال کا بیٹا تھا۔ عُبید سیال اُس کے تایا تھے۔ اُس کی ماں امینہ یُوسف سیال کی خالہ زاد تھیں اور اُن دونوں نے لو میرج کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے مگر امینہ سیال حاطب کو جنم دیتے ہوئے وفات پا گئی تھیں۔ اُن کا غم یُوسف سیال کو توڑ گیا تھا اور وہ امینہ سیال کے بعد صِرف چھ ماہ زندہ رہے تھے۔ اِن چھ مہینوں میں وہ صدیوں کے بیمار نظر آتے تھے۔ ننھا حاطب بھی اُنہیں زِندگی کی طرف واپس نہیں لا پایا تھا اور وہ اپنی بیوی کی جدائی کے غم میں محض ستائیس سال کی عُمر میں اِس دُنیا کو چھوڑ گئے۔

حاطب کی پرورش بھی سفینہ بیگم نے ہی کی تھی کیوں کہ وہ اُن کے دیور اور اُن کی سگی بہن امینہ کا بیٹا تھا جو اُنہیں امن اور عدن کی طرح ہی عزیز تھا۔ اُن کے دادا حیات نہیں تھے مگر دادی تھیں جو آج کل اپنی بہن سے مِلنے کراچی گئی ہوئی تھیں۔ اُن کی تو حاطب میں جان بستی تھی جو اُن کے یوسف کی پرچھائی تھا۔ امن کی طرح حاطب سیال بھی بے حد سنجیدہ، کام سے کام رکھنے والا اِنسان تھا تبھی تو امن اور اُس کی آپس میں بہت بنتی تھی۔

"حمدان "!وہ ابھی کام سے واپس آیا ہی تھا جب اپنے پیچھے نسوانی آواز سُن کر رُکا اور پِھر پلٹا۔ سامنے سے ہی مرینہ چلی آ رہی تھی جِس نے پٹھانی کڑھائی والی پنڈلیوں تک آتی فراک پہنی ہوئی تھی۔ فراک میں جگہ جگہ شیشے لگے ہوئے تھے جب کہ اُسی فراک کے ہم رنگ دوپٹہ بھی اوڑھ رکھا تھا۔ گوری و سُرخ رنگت، تیکھے نقوش کی حامل مرینہ اِس وقت بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اُس نے ٹھوڑی پر تکون کی شکل میں تین مصنوعی تِل بنا رکھے تھے جو اُس کے چہرے پر کافی بَچ رہے تھے۔ بِلا شُبہ وہ بے حد حسین تھی مگر جتنی حسین تھی اُسی قدر نک چڑھی اور متکبر !اُسے اپنے حُسن پر بہت غرور تھا۔

"چرتہ یº؟ نن سبا ººر کم ºکارہ کاººº؟) کہاں ہوتے ہو؟ آج کل بہت کم نظر آتے ہو؟ "(مرینہ نے اُس کے پلٹتے ہی اُس کے کچھ بھی بولنے سے پہلے سوال کیا۔

"زہ بہ چرتہ یم آپا؟ بس لہ کرھºº نہ کور تہ، او لہ کورہ نہ بیا کرھºº تہ .ھمدا .º مصروفیت دی) میں نے کہاں ہونا ہے آپا؟ بس کھیتوں سے گھر اور گھر سے کھیتوں میں۔ یہی مصروفیت ہے بس "(!حمدان نے مُسکرا کر کہتے ہوئے اپنے بال سنوارے جو بار بار اُس کے ماتھے پر گر رہے تھے۔

مرینہ نے آہ بھر کر اُسے دیکھا۔ سُرخ و سپید رنگت، بھوری آنکھیں، کالے گھنے بال، نفاست سے سجی مُٹھی سے کم داڑھی اور خُوبصورت سے نقوش! وہ بے حد وجیہہ تھا کہ کوئی بھی لڑکی آسانی سے اُس پر دِل ہار جاتی۔ آج کل گھر میں حمدان کی شادی کی باتیں

چل رہی تھیں تبھی تو مرینہ کلس رہی تھی کیوں کہ حمدان کی شادی حسینہ سے کرنے کا سوچا جا رہا تھا۔

یہی نہیں بلکہ مرینہ کی بھی شادی کی باتیں چل رہی تھیں لیکن حمدان سے نہیں بلکہ باہِر کہیں۔ اُس کا کہیں سے رِشتہ آیا تھا اور اُس کا باپ ولور لے کر اُس کی شادی کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ لوگ ولور کی ڈیمانڈ بھی کر چکے تھے مگر ابھی تک لڑکے والوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا کہ وہ راضی ہیں یا نہیں۔

عام طور پر اُن میں شادیاں جلدی کر دیتے ہیں مگر مرینہ کی شادی کچھ لیٹ ہو گئی تھی۔

"تم نے سُنا کہ تُمہاری شادی ہونے جا رہی ہے؟" مرینہ نے کچھ سوچ کر پوچھا تو وہ مُسکرایا۔

"جی آپا! سُنا میں نے!" اُس کی آنکھوں کے سامنے حسینہ کا چہرہ لہرایا تھا۔ خُوب صورت اور من موہنا! وہ اُسے اچھی لگتی تھی۔ محبّت تو نہیں تھی مگر اچھی لگتی تھی۔

"یہ بھی پتا ہے کس سے؟" مرینہ اُس کے چہرے کی مُسکراہٹ پر تپ کر پوچھنے لگی۔

"آپ کی چھوٹی بہن سے!" حمدان نے ایک بار مُسکرا کر جواب دیا۔

یہ رِشتہ اُس کے گھر والے کر رہے تھے اگر وہ اُس کی شادی حسینہ کے بجائے کسی اور سے کرتے تب بھی وہ راضی ہوتا۔ اُسے حسینہ سے شادی نہ ہونے پر افسوس ضرور ہوتا مگر اِتنا نہیں کہ وہ اُس کا جوگ لے بیٹھتا۔

"تُمھیں کوئی اعتراض نہیں؟" مرینہ نے اپنا غُصّہ دبا کر پوچھا۔

اُسے حمدان کا اِطمینان بتا رہا تھا کہ اُسے کوئی اعتراض نہیں مگر پِھر بھی پوچھ لیا کہ شاید وہ غلط ہو۔

"اعتراض والی کوئی بات ہی نہیں آپا! حسینہ بہت اچھی ہے۔ میں خُوش قِسمت ہوں جو میری اُس سے شادی ہو رہی ہے۔" حمدان کی مُسکراہٹ مرینہ کو سُلگا کر رکھ گئی تھی۔

اُس کے خون میں شرارے سے دوڑنے لگے۔ وہ بدقت مُسکرائی ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ حسینہ کو چھڑی گُھما کر کہیں غائب کر دے۔ ہاں وہ حمدان کے لیے اپنی بہن سے بھی نفرت کرنا شروع ہو گئی تھی۔

"مجھے کام ہے میں جاتا ہوں۔" حمدان نے اُسے چُپ دیکھ کر مزید کہا اور اپنے کمرے کی جانِب بڑھ گیا۔

"آپا! لالہ کدھر ہیں؟" وہ نہ جانے کب تک وہاں بُت بنی کھڑی رہتی جب حسینہ کی آواز پر چونک کر ہوش میں آئی۔

مُسفِرہ کی طرح حسینہ اور روزینہ بھی حمدان کو لالہ ہی کہتی تھیں۔

"تُمھیں کیا کام ہے اُس سے؟" مرینہ نے کڑک انداز میں پوچھا۔

"امیں (ہمیں) شہر سے کچھ کتابیں منگوانا تھا اِس لیے پوچھا۔" وہ بہن کے اِس سخت انداز سے واقف تھی تبھی بُرا منائے بغیر بتانے لگی۔

مرینہ کا انداز ہمیشہ سے یہی تھا اکھڑ اور کچھ غصیل !

"تو وہ تُمہارا نوکر لگا ہوا ہے جو تُمہیں لا کر دے ؟ جا کر کسی اور سے کہو اور خبر دار اُس کے آس پاس بھی نظر آئی تو ! کتابونہ پکاردي دسپیر مخ° (کتابیں چاہیئیں منحوس ماری کو)" حسینہ کو گھور کر دیکھتی وہ تحکم بھرے لہجے میں بولی تو حسینہ نے آنکھیں گُھمائیں۔

"ھله رورد° ھغه °ما (ارے ! لالہ ہیں وہ امارے !) اُن سے نہ کہوں تو کیا آغا جان سے کہوں کہ جا کر امیں کتابیں لا کر دیں ؟" حسینہ نے بھی جواب اکھڑ انداز میں ہی دیا تھا جس پر مرینہ کے ماتھے پر بل پڑے۔

"تُمہیں تو میں پڑھاتی ہوں (زہ تاسوتہ درس درکوم)" مرینہ اُسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتی اُس پر جھپٹنے لگی جب اچانک اُس کے پیچھے سے آغا جان کو آتے دیکھ کر اپنی جگہ رُک گئی۔

وہ اُن دونوں پر ایک نظر ڈال کر بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئے تو اُنہوں نے بھی اپنا اٹکا ہوا سانس بحال کیا۔ آغا جان بہت سخت مزاج انسان تھے۔ اُن میں سے کسی کی بھی ہمّت نہیں تھی کہ آغا جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے یا اُن سے بے تکلّف ہونے کی!

"بزدلہ لوبہ°ہ (بُزدِل لومڑی)" اُسے زبان چڑا کر حسینہ وہاں رُکی نہیں بلکہ مُسفِرہ کے کمرے کی طرف بھاگ گئی جِس پر وہ کلس کر رہ گئی اور دِل ہی دِل میں پیچ وتاب کھاتی وہ کچن کی طرف چلی گئی کیوں کہ اُسے رات کے کھانے کی تیاری کرنی تھی جِس میں مُسفِرہ بھی اُس کا ساتھ دیتی۔ اُن کے گھر میں کوئی مُلازم نہیں تھے بلکہ وہ لوگ خود ہی گھر کا سارا کام کرتی تھیں۔

"مجھے تُم سب سے ضروری بات کرنی ہے۔" آغا جان نے اپنے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گھُماتے ہوئے کہا تو وہ سب جو اُن کے ہی کمرے میں کُرسیوں اور صوفوں پر براجمان تھے اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی آغا جان! ہم ہمہ تم گوش ہیں۔" مُسفِرہ کے تایا اور مرینہ کے باپ نذیر خان نے کہا تو مُسفِرہ کے باپ ضمیر خان نے بھی اُن کی تائید کی۔

"میں نے تُم لوگوں سے پہلے بھی ذِکر کیا تھا کہ اب حمدان کی شادی کر دی جائے وہ بھی مرینہ سے تاکہ گھر کی بات گھر ہی رہ جائے جِس پر صائمہ از°ور) بہو (نے کہا تھا کہ اُسے مرینہ کی جگہ حسینہ پسند ہے اور وہ اُسے اپنی از°ور بنانا چاہتی ہے۔" آغا جان نے صائمہ خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے تصدیق چاہی۔

"جی آغا جان! ایسا ہی ہے۔" صائمہ خانم نے اُن کی تائید کی تو مرینہ کی ماں شاہدہ خاتون نے ناگواری سے اپنا پہلو بدلا۔

وہ چاہتی تھیں کہ مرینہ کی شادی حمدان سے ہو جائے کیوں کہ وہ مرینہ کی اکھڑ طبیعت سے واقف تھیں اور اُنہیں ڈر تھا کہ کہیں اگلے گھر جا کر وہ اپنی زبان کی وجہ سے اپنی زِندگی نہ خراب کر لے۔

"نذیر کو اِس بات پر کوئی اعتراض نہیں تو اب حمدان اور حسینہ کی ہی شادی ہو گی۔" آغا جان نے کہا تو نذیر خان اور ضمیر خان نے خُوش اِخلاقی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"لیکن مرینہ بڑی ہے تو اصولاً اُس کی شادی پہلے ہونی چاہیے مگر اب جب کہ حمدان اور حسینہ کا رِشتہ بھی طے ہو گیا ہے تو اب مرینہ کی شادی بھی اُن کی شادی کے ساتھ ہی ہو گی۔" آغا جان نے مزید کہا تو سب حیران ہوئے۔

"مگر ابھی تو مرینہ کا رِشتہ بھی طے نہیں ہوا۔" سب کی حیرت کو زبان شاہدہ بیگم نے دی تھی۔

"رِشتہ طے ہو گیا ہے۔ مرینہ کے لیے ایک رِشتہ آیا ہے اور میں ہاں کر چُکا ہوں۔ لڑکا ہماری مرضی کا ولور دینے کے لیے تیار ہے اگر کسی کو کوئی اعتراض ہے تو بتا سکتا ہے؟"

آغا جان نے نیا اِنکشاف کیا تھا جِس پر سب چونکے تھے کیوں کہ یہ بات اُن سب کو ابھی ابھی پتا چلی تھی۔

"لڑکا کیا کرتا ہے؟ اُس کا خاندان، کوئی تصویر وغیرہ؟" شاہدہ خاتون نے تیزی سے کہا تو آغا جان نے ناگواری سے اُنہیں دیکھا۔

شیر افگن خان جب فیصلہ کر لیتا تھا تو کسی کا اُس فیصلے میں بولنا بے معنی ہی سمجھتا تھا تبھی اب بھی اُن کو شاہدہ خاتون کا یوُں تفتیش کرنا اچھا نہیں لگا تھا اور اُن کے چہرے کے تاثرات سے سب کو ہی پتا چل گیا تھا کہ اُنہیں بُرا لگا ہے۔

"اِس گھر کے سب فیصلے میں کرتا ہوں اور جو کرتا ہوں سب کے بھلے کے لیے ہی کرتا ہوں تو میرا نہیں خیال کہ کسی کا یوں تفتیش کرنا بنتا ہے پھِر بھی میں بتا دیتا ہوں کہ میں سب کچھ دیکھ چُکا ہوں اور مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شیر افگن خان نے سپاٹ انداز میں

کہاتو وہ اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئیں مگر پھِر اُن کی آنکھیں کسی اِحساس کے تحت چمک اُٹھیں۔

"حسینہ اور مُسفِرہ کی عمُر ایک جِتنی ہے۔ حسینہ کی طرح مُسفِرہ بھی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں تو پندرہ سولہ سال کی عمُر میں شادیاں کر دی جاتی ہیں تو پھِر مُسفِرہ کی کیوں نہیں؟" شاہدہ خاتون نے اگلے ہی پل کہا تو صائمہ خانم اور ضمیر خان نے چونک کر پہلے اُنہیں اور پھِر ایک دوسرے کو دیکھا۔

اُن کی بیٹی بڑی ہو گئی تھی اِس بات کا احساس اُنہیں شاہدہ خاتون کی بات سُن کر ابھی ہی ہوا تھا ورنہ ابھی تک اُنہوں نے مُسفِرہ کی شادی کے بارے میں سوچا نہیں تھا کہ ابھی تو وہ پڑھ رہی تھی۔ بے شک وہ پٹھان تھے اور اُن میں واقعی ہی شادیاں پندرہ سولہ سال کی عمُر میں کر دی جاتی تھیں مگر ابھی تک اُنہوں نے بِالکل بھی مُسفِرہ کی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

"زماد مشری از° ور سرہ د° ولو°° رزیات فکر دے (میری بڑی بہو کو سب کی بڑی فکر ہے۔)" شیر افگن خان شاہدہ خاتون کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں بڑبڑائے مگر اُن کی بات کی سمجھ کسی کو بھی نہیں آئی تھی۔

"مُسفِرہ میری پوتی ہے مگر اصول سب کے لیے ہی اصول ہیں۔ میں نے صرف مرینہ کا ہی نہیں مُسفِرہ کا بھی رِشتہ طے کر دیا ہے۔" شیر افگن خان نے ایک بار پِھر سب پر بم پھوڑا تھا۔

"آپ نے دیکھا ہے تو سب اچھا ہی ہو گا آغا جان! پِھر ہم تیاری شروع کریں؟" آغا جان کے اِنکشاف کے کچھ ہی پلوں بعد ضمیر خان نے خُود کو سنبھال کر پوچھا تو شیر افگن خان مُسکرائے۔

"ہاں ضرور! جلد ہی ولور کی رقم مل جائے گی تو تیاری شروع کر دینا۔ تُم دونوں رور (بھائی) یہیں رُکو اور تُم دونوں جاو۔" شیر افگن خان نے صائمہ خانم اور شاہدہ خاتون کو جانے کا کہا تو وہ دونوں سر ہلا کر اُٹھ گئیں۔

اُن کے جانے کے بعد شیر افگن خان ضمیر خان اور نذیر خان کو دونوں رِشتوں کی تفصیل بتانے لگے تاکہ اُن کے دِل میں کوئی شک نہ رہے بے شک اُنھوں نے شیر افگن خان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا مگر وہ دونوں باپ تھے اور یہ سب جاننا اُن کا حق تھا۔

"آدھی چپاتی میرے لیے بھی "! وہ ابھی ہی باہر سے فٹ بال کھیل کر آیا تھا اور گھر میں داخل ہوتے ہی پکتی روٹی کی مہک اُسے کِچن کی طرف کھینچ لائی تھی۔

"آدھی چپاتی کیسے پکتی ہے عدن؟ "منیحہ نے ابرو اُچکا کر اُسے دیکھا۔

"امم !عقل مند کے لیے اِشارہ ہی کافی ہوتا ہے مگر لگتا ہے یہ والا خانہ خالی ہے آپ کا لالی "!عدن نے آنکھیں گھُما کر اُس کے سر کی طرف اِشارہ کیا۔ انداز مزاحیہ تھا۔

"چپاتی چاہیے عدن سیال کو؟ "منیحہ نے ابرو اُچکا کر اِن ڈائریکٹلی اُسے دھمکی دی۔

"جی جی کیوں نہیں لالی !آپ بس چھوٹی سی گول مٹول سی روٹی بنا دیں بِالکل اپنے رُخِ روشن کی طرح "!عدن نے اُس کے کندھے پر لٹکے دوپٹے کا پلو تھام کا اُسے اپنی اُنگلی پر گھُماتے ہوئے ذرا لہجا کر کیا تو وہ اُس کے ڈرامائی انداز پر اُسے آنکھیں دِکھاتی چھوٹا سا پیڑہ لے کر روٹی بیلنے لگی۔

"رُخِ روشن؟ "روٹی بیل کر اُس نے توے پر ڈالی ہی تھی جب امن کی طنزیہ آواز پر وہ اپنی جگہ جمی رہ گئی۔ وہ یقیناً اُس کے گندمی رنگ پر طنز کر رہا تھا۔

"سیز فائر "! اگلے ہی پل خود کو سنبھال کر اُس کی طرف مڑتی اُسے جواب دینے ہی لگی تھی جب عدن نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے اُسے جوابی حملہ کرنے سے روکا۔

"اپنی جنگ بعد میں شروع کریے گا ابھی مجھے شدید بھوک لگی ہے لالی "! اُس نے گویا منیحہ سے اِلتجا کی تھی جِس پر وہ گہرا سانس بھر کر خود کو بہ مشکل روک کر روٹی سینکنے لگی جب کہ امن نے ابرو اُچکا کر اُس کے بوب کٹ بالوں کو دیکھا جو اُس کے جِسم کی حرکت کی وجہ سے مُتحرک تھے۔

امن اُسے نظرانداز کر کے اب فریج سے پانی پینے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی یُونیورسٹی سے آکر اپنے کمرے میں گیا تھا اور ابھی ہی کپڑے بدل کر کچھ کھانے کی غرض سے نیچے آیا تھا مگر منیحہ کو دیکھ کر اُس کا جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

"تھینکیو لالی! آپ کے ہاتھ میں جادو ہے۔" منیحہ نے چپاتی اور سالن کی پلیٹ عدن کی طرف بڑھائی تو وہ کریلے قیمے کو دیکھ کر تعریفی انداز میں بولا اور پھِر اگلے ہی پل پلیٹ تھام کر باہِر نِکل گیا۔

"جادو ہی ہے جو سب کو اپنے بس میں کر رکھا ہے تُم نے!" امن نے پھِر سے اُس پر طنز کیا۔

"کوئی مُنہ نہیں لگا رہا کیا جو مُجھ سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہو؟" منیحہ نے ابرو اُچکایا۔ لبوں پر زچ کرنے والی مُسکراہٹ تھی۔

"اِتنے بُرے دِن نہیں آئے میرے کہ میں تُم سے بات کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈوں۔ ویسے اپنی خُوش فہمیوں کے مینار ذرا نیچے ہی رکھو تو بہتر ہے تُمھارے لیے!"

امن کو تو اُس کی بات سُن کر آگ ہی لگ گئی تھی۔

"میرے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں میں اچھے سے جانتی ہوں امن سیال! تُمھیں میری فکر میں گُھلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" سر جھٹک کر کہتی وہ اپنی پلیٹ لے کر باہِر نکلنے لگی۔

"اِتنی تُم حور پری!" امن اب بھی باز نہیں آیا تھا مگر منیحہ جانتی تھی کہ وہ اُس سے بحث کرنے کھڑی ہوئی تو زِندگی ختم ہو سکتی تھی مگر بحث نہیں تبھی اُسے نظرانداز کر کے باہِر نِکل گئی۔

"میرا بس چلے تو اُٹھا کر گھر سے باہِر پھینک دوں۔" نفرت سے بڑبڑا کر وہ پھر سے پانی پینے لگا۔

"وہ اِس نفرت کی حق دار نہیں ہیں امن!" حاطب اُس کی بڑبڑاہٹ سُن چُکا تھا تبھی اُسے ٹوک گیا۔

"اوہ پلیز! مجھے اب اِس بات پر کوئی لیکچر نہیں سُننا!" امن جانتا تھا کہ اب حاطب اُسے سمجھانے بیٹھ جائے گا تبھی پہلے ہی اُسے روک دیا جِس پر حاطب نے گہرا سانس بھر کر امن کو دیکھا۔

"طلعت آپا!" اِس سے پہلے کہ حاطب مزید کچھ کہتا امن نے مُلازمہ کو آواز لگائی۔

"جی امن بیٹے؟" طلعت منٹ سے پہلے وہاں حاضر ہوئی تھی۔

وہ پینتیس سال کی عورت تھی جو پچھلے دو سال سے اُن کے گھر کام کر رہی تھی اور گھر کے چھوٹے بڑے سب اُسے طلعت آپا ہی کہہ کر پُکارتے تھے۔

"مجھے پاستا بنا دیں پلیز!" حکم دے کر وہ وہاں رُکا نہیں بلکہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"ڈِنر میں ایڈ کر لیں اور ہول ینگ جنریشن کے لیے بنا دیں طلعت آپا!" حاطب نے طلعت سے کہا اور پھر خُود بھی باہر آ گیا لاونج میں ایک طرف لکڑی کے جھولے پر منیحہ بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھی اور ساتھ ساتھ جھولا جھول رہی تھی جب کہ عدن ڈائینگ روم میں تھا۔ وہ طلعت آپا سے بہت کم کوئی کام کہتی تھی۔ جب بھی بھوک لگتی تو خُود ہی کچھ نہ کچھ بنا کر کھا لیتی۔ سفینہ بیگم نے اُسے کام کرنے سے منع کیا تھا مگر وہ باز نہیں آتی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" حاطب نے اُس سے ذرا فاصلہ رکھ کر اُس کے سامنے ہی جھولے پر براجمان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تُمھارے سامنے ہوں دیکھ لو کیسی نظر آ رہی ہوں؟" اُس نے سوال برائے سوال کیا تو حاطب نے بغور اُسے دیکھا جو نیم گلابی رنگ کے جوڑے میں اچھی لگ رہی تھی حاطب کو تو اچھی ہی لگی تھی کیوں کہ وہ اُسے ہمیشہ سے اچھی لگتی تھی ہر لباس میں، ہر حُلیے اور ہر حال میں!

"بہت خوب صورت!" حاطب بے اِختیار بول اُٹھا تو منیحہ نے چونک کر حاطب کو دیکھا جو بے خود سا اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جو منیحہ کو کھٹکا تھا۔ پانچ فٹ نو انچ قد کے مالک حاطب سیال کے سامنے بیٹھی وہ پانچ فٹ کی لڑکی ایسا کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی تبھی سر جھٹک گئی۔ حاطب اُس سے تین سال چھوٹا تھا جب کہ امن دو سال مگر حاطب اور امن دونوں ہی اُس سے بڑے لگتے تھے۔

"وہ تو میں ہوں مگر تُمھاری اِطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" منیحہ نے اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا اور پھر سے کھانا کھانے لگی۔ اُس کے جواب پر وہ ایک دم ہوش میں آیا اور پھر بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو کمپوز کر کے اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میڈیکل کے بعد کیا کریں گی آپ؟" حاطب نے اپنی عادت کے برخلاف پھر سے پوچھا۔

وہ زیادہ بولتا نہیں تھا مگر منیحہ کی بات الگ تھی۔ اُس سے تو وہ تھکے بغیر دن رات باتیں کر سکتا تھا بشر طیکہ منیحہ بھی ایسا ہی کرتی۔

"شادی کر کے بچّے پیدا کروں گی اور اُن کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کا گھر بھی سنبھالوں گی۔" منیحہ نے نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ کر حاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"مطلب آپ شادی کر لیں گی جاب نہیں کریں گی؟" حاطب بے حد حیران ہوا تھا۔

"میڈیکل کی پڑھائی کے بعد کون شادی کرتا ہے ڈفر؟ اگر شادی ہی کرنی ہوتی تو میں اِتنی مشکل پڑھائی کرتی؟" اُس کے سوال پر وہ تڑخ کر بولی تو حاطب کو سمجھ آیا کہ وہ طنز کر رہی تھی اور یہ بات محسوس ہوتے ہی وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کھانا کھائیں میں جاتا ہوں۔" حاطب نے قدم اپنے کمرے کی جانِب بڑھائے۔

"یہی تُمہارے لیے بہتر ہے احمق شخص کے احمق دوست!" منیحہ نے اُس کی پُشت کو دیکھ کر کہا تو حاطب نے فضا میں گہرا سانس خارِج کیا مگر کچھ کہے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگا۔

"وہ مجھے احمق سمجھتی ہیں کیا مُجھ سے شادی کرلیں گی؟ میں کس سے بات کروں؟" دِل ہی دِل میں سوچتا وہ ایک نام پر آکر رُکا اور پھِر مُطمئن سا مُسکراتا ہوا اپنے کمرے میں داخِل ہو گیا۔

"مورے؟ ستا نہ زما °ان قربان ما تہ بہ دي اواز راکا°° و) آپ پر میری جان قُربان! مجھے بُلا لیا ہوتا؟ "(صائمہ خانم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور آگے بڑھ کر اُن کا ہاتھ تھام کر اپنے بستر تک لائی۔

مرینہ اور روزینہ کا کمرہ مشترکہ تھا اور اِسی طرح مُسفِرہ اور حسینہ کا کمرہ مشترکہ تھا فرق بس یہ تھا کہ اُن کے ساتھ تیسرا وجود عبیرہ خان کا تھا۔ وہ بھی اِسی کمرے میں رہتی تھی۔ یہ دس مرلے کا کافی بڑا گھر تھا جس میں نو کمرے تھے۔ ایک کمرہ مُسفِرہ، عبیرہ اور حسینہ کے پاس، دوسرا مرینہ اور روزینہ کے پاس تھا۔ حمدان کا کمرہ الگ تھا اور وہ اپنے کمرے کا اکیلا ہی مالک تھا۔

ایک کمرہ آغا جان کا، ایک مُسفِرہ کے والدین اور ایک مرینہ کے والدین کا تھا۔ اِن کے علاوہ دو اضافی کمرے مہمان خانے کے طور پر بنائے گئے تھے جب کہ ایک کمرے کو بیٹھک کے طور پر اِستعمال کیا جاتا تھا جِس کا ایک دروازہ باہِر گلی کی طرف کُھلتا تھا۔ گھر کے پیچھے بھی ایک پرانا کمرہ تھا جِسے سٹور روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ پورے گھر میں چار باتھ روم تھے جِن میں سے ایک مردوں کا، ایک عورتوں کا اور تیسرا مہمانوں کا تھا جو بیٹھک میں ہی موجود تھا۔ آغا جان کا باتھ روم الگ تھا جو اُن کے کمرے میں ہی تھا۔

پانچ کمرے نیچے تھے جب کہ تین کمرے اوپر چھت پر تھے۔ سبھی لڑکیاں اور مُسفِرہ کے والدین اوپر والے کمروں میں مقیم تھے۔اٹیچ باتھ روم صِرف آغا جان کے کمرے میں تھا۔ کچن بھی اوپر ہی موجود تھا۔اوپر کمروں کے آگے ایک چھوٹا سا برآمدہ بنایا گیا تھا جِس کے بعد باقی پورا چھت کھلا تھاہاں مگر چھت کی چاردیواری سات فٹ تک کی گئی تھی تاکہ چھت پر چلتی پھِرتی لڑکیاں باہِر سے نظر نہ آئیں۔

"پڑھائی کر رہی تھی؟" صائمہ خانم نے اُس کے بیڈ پر رکھی کتابیں دیکھ کر پوچھا۔

"جی مورے!" اُس نے نرمی سے مُسکرا کر جواب دیا۔ کمرے میں تین سِنگل بیڈ، ایک بڑی الماری، اور ہر بیڈ کے ساتھ سائیڈ ٹیبل تھا۔اِس کے علاوہ کمرے میں دو لکڑی کی کُرسیاں رکھی ہوئی تھیں باقی پورا کمرہ خالی تھا۔

"تُمھیں پڑھنے کا بہت شوق ہے نا؟" اُنھوں نے نرم نِگاہوں سے مُسفِرہ کو دیکھا۔ وہ اُن کی بیٹی تھی اور اُنھیں عزیز تھی مگر اُس کا یہ شوق وہ مزید پورا نہیں کر سکتی تھیں کہ فیصلوں کا حق اِس گھر کے مردوں کو تھا۔

"جی مورے! بہت شوق ہے مگر کیا پلار (ابو) مجھے آگے پڑھنے دیں گے؟"مُسفِرہ نے اُن سے سوال کیا۔

"نہیں!"اُن کے دوٹوک جواب پر مُسفِرہ کی مُسکراہٹ ماند پڑی۔ صائمہ خانم نے تھکی تھکی سی سانس خارج کی۔اُن کی خُود کی عُمر محض سولہ سال تھی جب اُن کی شادی ہوئی جب کہ اب اُن کی عُمر اُنتالیس سال تھی۔

"پھِر میں سارادِن کیا کروں گی؟ کھانے بناوں گی کھاوں گی اور سوجاوں گی بس یہی اُکتایا ہوا معمول روز کا؟"مُسفِرہ نے بے دِلی سے کہا۔

"تُم کھانا بناو گی، خُود کھاو گی، باقی سب کو کھلاو گی اور پھِر سو جاو گی مگر اِس سب کے علاوہ بھی بہت سارے کام ہوں گے جو تُمہیں کرنے ہوں گے۔ تُمہاری مصروفیت پہلے سے بھی زیادہ بڑھنے والی ہے بچے!" صائمہ خانم نے کہا تو مُسفِرہ نے اُلجھ کر اُنہیں دیکھا۔

''وہ کیسے مورے؟ موزۂ پہ جبہ باند و ہ (ہم جنگ پر جانے والا ہے کیا؟)''اُس نے اُلجھن کو ایک طرف رکھ کر ہنس کر پوچھا۔

''جنگ ہی سمجھ لو پر اُس محاذ پر تُمہیں محض صبر کرنا ہے۔ صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے مت جانے دینا۔'' صائمہ خانم نے سنجیدگی سے کہا تو اب کی بار اُس نے بھی سنجیدہ ہو کر صائمہ خانم کو دیکھا۔

''تُمہارے آغا جان نے تُمہارا رِشتہ طے کر دیا ہے۔'' صائمہ خانم نے اُس کے سر پر بم پھوڑا۔

''مورے!'' شاک کی حالت میں وہ محض اُنہیں پُکار ہی سکی۔

''ہمم! خُود کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔ شادی جلدی ہو گی۔'' صائمہ خانم نے اُس کا گال تھپتھپا کر کہا اور باہِر کی جانِب جانے لگیں۔

"ولور بہ اخیستے کیگی؟ (ولور لیا جائے گا؟)" مُسفِرہ کی پتھرائی ہوئی آواز پر صائمہ خانم نے گہرا سانس بھرا اور پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا جِس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں مگر اُن آنکھوں میں نمی کے ساتھ آس تھی کہ وہ اُس کے سوال کے جواب میں "نہ" کہہ دیں۔

"ہاں!" مگر اُنہوں نے بے دردی سے اُس کی آس توڑ دی تھی جِس پر اُس کے آنسو آنکھوں سے نِکل کر گالوں پر بہہ گئے۔

"کِتنے میں بیچیں گے مجھے؟" مُسفِرہ نے بے دردی سے اپنے گال رگڑ کر پوچھا۔

"د عقل نہ کار واخلہ (ہوش کے ناخُن لو)۔ بیچنے کی بات کہاں سے آ گئی بیچ میں؟ ولور صدیوں پرانی رسم ہے جو آج بھی چلی آ رہی ہے اور اِس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ولور لیں گے تو وہ قدر کرے گا تُمہاری! یہ تو بس ایک حفاظتی تدبیر ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کی قدر کرے نہ کہ بے قدری! میں بھی تو ولور کے بدلے آئی تھی مگر دیکھو خُوش ہوں نا؟" صائمہ خانم نے غُصّے سے اُسے دیکھا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ وہ قدر کرے گا؟ ہو سکتا ہے وہ تذلیل کرے یہ جتا کر کہ اُس نے اِتنے پیسوں میں خریدا ہے مجھے! ہو سکتا ہے اپنے پیسے ضائع ہونے کا غُصّہ اُتارے مُجھ پر! اور کیا کہا آپ خُوش ہیں؟ ہوں گی مگر برابری نہیں ملی آپ کو! کوئی فیصلہ اکیلے نہیں کر سکتیں آپ! آپ کی رائے تک نہیں لی جاتی کسی معاملے میں!" مُسفِرہ چیخ اُٹھی تھی مگر آواز اِتنی بُلند نہیں تھی کہ کمرے سے باہِر جاتی۔

"آواز نیچی رکھو مُسفِرہ ورنہ دو کھاو گی مُجھ سے! ایسا پہلے ہوتا تھا کہ ولور لے کر لڑکی کے گھر والے لڑکی کو بھول جاتے تھے اور پلٹ کر نہ دیکھتے تھے کہ لڑکی کس حال میں ہے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے وہ اُف بھی نہ کہہ سکے گا تُمہیں! اور یہ کس برابری کی بات کر رہی ہو تُم؟ ولور نہ بھی لیا جائے اور ایسے ہی بغیر ولور کے شادی کی جائے تب بھی عورت کو یہ برابری کبھی نہیں ملتی چاہے وہ شوہر کی من پسند عورت ہو یا ان چاہی! مرد ہمیشہ سے حاکم رہا ہے۔ وہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے اور منوا بھی لیتا ہے۔ اُس کی غُصّے کی ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے عورت کے لیے اور وہ اُس کی ہاں میں ہاں ملا دیتی ہے۔ مرد جِتنے مرضی دعوے

کرے کہ اُس کی بیوی اُس کے برابر ہے مگر وہ عورت کو کبھی اپنے برابر لا کر کھڑا نہیں کرتا۔ وہ اُس کی رائے لے بھی لے تو کرتا فقط وہی ہے جو اُس کی اپنی منشا ہوتی ہے۔ یہ برابری عورت کو کبھی نہیں ملتی مُسفرہ! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ وہ عورت کو برابری کا لالچ دے کر بہلا لیتا ہے مگر برابری کبھی نہیں دیتا کیوں کہ اُس کہ فِطرت میں حاکمیت ہے۔" صائمہ خانم غُصّے سے بولنے پر آئیں تو بغیر رُکے بولتی چلی گئیں جِس پر مُسفِرہ بت بنی اُن کو سُنتی رہ گئی مگر مزید کچھ نہ بولی۔

"شادی کے لیے تیار رہنا۔" وہ ایک بار پھِر اُسے بتا کر کمرے سے نِکل گئیں تو وہ اپنے سِنگل بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ پڑھنا چاہتی تھی۔ کچھ بن کر دِکھانا چاہتی تھی۔ سائنس نہیں پڑھی تھی مگر آرٹس کے ساتھ ہی وہ کچھ نہ کچھ تو کر لیتی۔ شادی تو اُس کے پلانز میں بالکل بھی نہیں تھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہاتھوں میں پکڑی فراک دیکھ رہی تھی۔

شارٹ گھٹنوں تک آتی فراک جو اُس نے کچھ دِن پہلے ہی آنلائن آرڈر کی تھی۔ حیرانی کی وجہ فراک نہیں بلکہ اُس میں موجود چھوٹے چھوٹے گول سوراخ تھے جو کسی نے جان بوجھ کر خُود کیے تھے اور مقصد محض اُس کی فراک خراب کرنا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی یونیورسٹی سے آئی تھی اور سب کو سلام کر کے وہ اپنے کمرے میں ہی آگئی تھی۔

وہ جب کمرے میں آئی تھی تو سامنے ہی پیکٹ پڑا تھا مگر جب اُس نے پیکٹ اُٹھایا تو وہ کھلا ہوا تھا اور اُس سے یہ فراک نکلی تھی۔

فراک بے حد خوب صورت تھی جو اُس نے بڑے دِل سے منگوائی تھی مگر اب کسی کام کی نہ تھی اور وہ جانتی تھی کہ یہ کام کس کا تھا۔ اِس گھر میں صِرف ایک ہی شخص تھا جو اُس سے خار کھاتا تھا اور اُس کی کوئی نہ کوئی چیز خراب کرتا رہتا تھا اور وہ کوئی اور نہیں "امن سیال" تھا۔

"تمہیں میں چھوڑوں گی نہیں امن سیال!" غُصے سے بڑبڑاتی وہ پھٹی ہوئی فراک اُٹھا کر باہر نِکلی اور تن فن کرتی امن کے کمرے کی جانِب بڑھی جو اوپر تھا۔ اُس کا خود کا کمرہ نیچے تھا جو پہلے اوپر ہی ہوتا تھا مگر اُس کے ساتھ ہوئے حادثے کے بعد اُسے نیچے شِفٹ کر دیا گیا تاکہ اُسے چلنے پِھرنے میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔

سیال ہاوس دو منزلہ بنگلہ تھا جہاں نیچے وسیع و عریض لاونج تھا ایک سائیڈ پر اوپن کچن، اُس کے بِالکل سامنے سِٹنگ ایریا۔ کچن کے ساتھ ہی ڈائینگ روم تھا جب کہ لاونج کے دروازے کے دائیں طرف ڈرائینگ روم تھا۔ نیچے چار کمرے تھے جِن میں سے ایک منیحہ اور اُس کی ماں سعدیہ بیگم کا، ایک نسیمہ بیگم کا اور تیسرا اسفینہ بیگم اور عُبید سیال کا تھا اور چوتھا ڈرائینگ روم تھا۔ اوپر پانچ کمرے تھے جِن میں سے تین تو تینوں لڑکوں کی ملکیت تھے جب کہ باقی دو گیسٹس وغیرہ کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

لنگڑا کر چلتی وہ جِتنی تیزی سے اوپر آ سکتی تھی آئی اور بغیر ناک کیے امن کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ بڑا سا کمرہ جو اعلیٰ فرنیچر سے مزین تھا اِس وقت امن سیال کے وجود سے

خالی تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی یعنی وہ یہیں تھا۔ اُس کا بس نہ چلا کہ وہ امن کو بالوں سے پکڑ کر باتھ روم سے نِکالے اور اُس کو گنجا کر دے۔

اُسے اب صِرف امن کے باہِر آنے کا اِنتظار تھا تا کہ اُس سے باز پرس کر سکے۔

وہ غُصّے سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جب اچانک اُس کی نظر بیڈ پر رکھی شرٹ پر پڑی۔ امن کی پسندیدہ سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ جو وہ اکثر پہنتا تھا۔ منیحہ کاٹ دار انداز میں مُسکرائی تو اُس کی ٹھوڑی میں گڑھا پڑا۔

اُس نے بیڈ پر رکھی شرٹ اُٹھائی اور پھِر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس چلی آئی۔ جلد ہی اُسے اُس کی مطلوبہ چیز مِل گئی اور وہ اُس کی شرٹ کا وہی حال کرنے لگی جو اُس نے منیحہ کی فراک کا کیا تھا۔ ابھی اُس نے آدھی شرٹ ہی خراب کی تھی جب باتھ روم کا دروازہ کُھلنے کی آواز آئی۔ اُس نے جلدی سے شرٹ نیچے رکھی اور باہِر کی جانِب بڑھی مگر تب تک دیر ہو چُکی تھی۔

"میرے کمرے میں آنے کی ہمّت کیسے ہوئی تُمہاری؟" دروازے سے کچھ ہی دور منیحہ کو کھڑے دیکھ کر وہ زوردار آواز میں دھاڑا۔

"جاکر آؤں تاکہ پتا چلے کیسے ہمّت ہو۔۔۔۔۔۔ ہوئی؟" وہ تلخ آواز میں بولتی اُس کی جانِب پلٹی مگر امن کا حُلیہ دیکھ کر آخر میں اُس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

اُس کے جِسم پر صِرف ایک نیلی جینز تھا اور ایک تولیہ جو اُس کے کندھوں پر پڑا تھا۔ بالوں سے پانی ٹپ ٹپ گر رہا تھا جِس میں سے کچھ اُس کے کشادہ سینے پر لکیریں بناتا جا رہا تھا۔ ایسا پہلی بار تھا کہ اُس نے امن کو اِس طرح دیکھا تھا تبھی وہ ایک ہی پل میں گھبرا گئی تھی وہ پہلے کبھی اِس طرح اُس کے کمرے میں آئی بھی نہیں تھی نہ ہی امن کو گھر میں شرٹ لیس گھومنے کی عادت تھی۔

منیحہ نے تیزی سے رُخ موڑا جِس پر امن نے حیرانی سے اُسے دیکھا۔ وہ پلٹ کر جواب دینے والوں میں سے تھی نہ کہ کنی کترانے والوں میں سے۔ اُس کو گھبراتا دیکھ کر امن نے خود کو دیکھا تو پل بھر میں کہانی سمجھ میں آئی۔ تیزی سے شرٹ اُٹھا کر پہننے لگا مگر شرٹ

میں سوراخ دیکھ کر اُس کا دماغ گھوما۔ منٹ سے پہلے وہ منیحہ کی جانِب بڑھا جو لنگڑا کر تیز تیز قدم اُٹھا کر باہِر جا رہی تھی مگر اِس سے پہلے کہ وہ کمرے سے باہِر جاتی امن اُس کے سر پر پہنچا اور اُس کو زور سے دیوار کی طرف دھکیلا جِس پر منیحہ کی کمر بُری طرح دیوار سے لگی اور وہ کراہ کر رہ گئی۔

یہ سب اِتنی اچانک ہوا تھا کہ منیحہ کو سنبھلنے یا اپنا بچاو کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" منیحہ چیخی۔

وہ شرٹ لیس کھڑا اُس کے دونوں طرف دیوار پر ہاتھ جما چُکا تھا یُوں کہ اب وہ اُس کے گھیرے میں تھی۔ اُس کی طرف دیکھنا منیحہ کو معیوب لگ رہا تھا تبھی اُس نے چہرہ دائیں طرف موڑ دیا۔ اب تو اُسے پچھتاوا ہونے لگا تھا کہ وہ اُس کے کمرے میں آئی ہی کیوں؟

"بدتمیزی یہ نہیں وہ ہے جو تُم نے کی میری شرٹ خراب کر کے!" امن نے اُس کا چہرہ جبڑوں سے دبوچ کر اپنی طرف کیا تو وہ ایک بار پھِر کراہ اُٹھی۔ امن کی گرفت کافی سخت تھی کہ منیحہ کو اپنا جبڑا ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"وہ بدتمیزی نہیں بدلہ تھا جو میں نے لیا۔ تُم نے میری فراک خراب کی میں نے تُمہاری شرٹ۔ حساب برابر!" منیحہ نے اُس کا ہاتھ جھٹک کر اُس کی کالی آنکھوں میں جھانک کر تلخ انداز میں کہا تو امن زہریلے انداز میں مُسکرایا۔

"میں نے تُمہاری ٹانگ توڑ دی اُس کا بدلہ لینا بھول گئی؟" اُس کے طنزیہ انداز پر منیحہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

منیحہ کا سُرخ پڑھتا چہرہ دیکھ کر وہ آگ لگانے والے انداز میں مُسکرایا اور منیحہ کے چہرے پر زور سے پھونک ماری۔

"تُم ہو ہی لُچّے لفنگے!" منیحہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ جما کر اُسے دور دھکیلا چاہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"اِس لُچے لفنگے کے کمرے میں خُود آئی ہو تُم اِس لُچے لفنگے کا لفنگا پن دیکھنے!" امن بہکے ہوئے انداز میں کہتا ہوا اُس پر جُھکا کہ منیحہ بُری طرح گھبرائی۔ امن اُس کی حالت سے حِظ اُٹھا رہا تھا۔

وہ حاطب کی طرح لمبی قد و قامت کا مالک تھا کہ منیحہ اُس کے سینے تک ہی پہنچ پا رہی تھی۔

"امن!" حیرت و شاک میں ڈوبی آواز پر امن کرنٹ کھا کر منیحہ سے دور ہوا جب کہ منیحہ بھی شرمندگی کے مارے اپنی جگہ بُت بنی رہ گئی۔ اُن دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا جہاں سفینہ بیگم کھڑی تھیں اور اُن کے چہرے پر بے حد حیرانی تھی۔

"مماجانی! آئیں وہاں کیوں رُک گئیں؟" امن نے خُود کو سنبھال کر پُراعتمادی سے کہا تو وہ دونوں کے ہوائیاں اُڑتے چہرے دیکھتیں اُن تک آئیں۔

"میں۔۔۔ میں امن سے کچھ بُکس لینے آئی تھی ممانی جان! آپ۔۔۔ آپ بات کریں میں چلتی ہوں۔" شرمندگی کے مارے وہ اُن سے نظریں بھی نہ ملا پائی تبھی جِھجھک کر بولتی بغیر اُن کا جواب سُنے کمرے سے نِکل گئی۔

"منیحہ کیا کرنے آئی تھی یہاں؟ وہ تو کبھی تُمہارے کمرے میں نہیں آئی؟" سفینہ بیگم نے اُس کے جاتے ہی امن سے پوچھا۔

"اُس نے آپ کے سامنے ہی بتایا نا کہ وہ کتابیں لینے آئی تھی؟" امن نے سوال کے بدلے سوال داغا۔

"تو پِھر لے کر کیوں نہیں گئی وہ تو خالی ہاتھ تھی؟" آگے بھی امن کی ماں تھی۔

"کیوں کہ میں آج لائبریری سے لایا ہی نہیں! کل لاؤں گا تو دے دوں گا۔" وہ لاپرواہی سے کہہ کر الماری سے دوسری ٹی شرٹ نکال کر پہننے لگا تو سفینہ بیگم نے پُرسوچ انداز میں اُس کی پُشت کو دیکھا۔

امن نے شرٹ پہن کر خراب شرٹ اُٹھائی اور الماری میں پھینک دی۔ دِل ہی دِل میں وہ منیحہ کو سبق سکھانے کا طریقہ ڈھونڈ رہا تھا۔

"تُم اور منیحہ میں کب سے اِتنی دوستی ہوگئی کہ وہ تُم سے فرمائشیں کر کے بُکس منگوانے لگی؟" سفینہ بیگم کا انداز جانچتا ہوا تھا جِس پر وہ جھلا سا گیا۔

"کچھ دیر پہلے ہی جب آپ نے ہمیں ایک ساتھ دیکھا۔" بے دھیانی میں وہ ایسی بات کہہ گیا تھا جِسے اُنھوں نے کسی اور ہی رُخ میں لے لیا تھا۔ وہ دبا دبا سا مُسکرائیں اور مُطمئن ہو گئیں۔

"تُم نیچے آجاو۔ میں نے کھانا لگوادیا ہے۔" سفینہ بیگم نے اِس بارے میں مزید بات کرنے کا اِرادہ ملتوی کر کے کہا اور خُود باہِر نِکل گئیں۔

"مُجھ سے پنگا لے کر تُم نے اچھا نہیں کیا منیحہ وڑائچ! اب تُمہاری خیر نہیں لنگڑی بکری!" تنفر سے کہتا وہ سر جھٹک کر اپنے بال بنانے لگا تا کہ نیچے جا سکے۔

"مُسفِرہ! تا تہ پتہ دہ چی سہ چل وشو) تُم کو پتا ہے کیا ہوا؟ "(وہ بے دِلی سے اپنی کتابیں سیٹ کر رہی تھی جب حسینہ کمرے میں داخِل ہوئی اور پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔

مُسفِرہ صاف اُردو بولتی تھی لیکن اُس کا لہجہ پشتون تھا۔ اُس کے چہرے اور لہجے سے صاف پتا چلتا تھا کہ وہ پٹھانی ہے جب کہ حسینہ بھی اُردو بول لیتی تھی لیکن اُس کے لہجے کے ساتھ ساتھ لفظوں سے بھی پشتون پن جھلکتا تھا اور وہ مذکر مونث کا فرق بھول جاتی تھی۔

"اب ہو نے کورہ کیا گیا ہے؟" وہ غم زدہ سے لہجے میں بولی۔

"امارا شادی او (ہو) رہا ہے اور تُم جانتا ہے کس سے؟" حسینہ نے اُس کی بات ان سنی کر کے اپنی کہی تو مُسفرِہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُسے اپنی شادی کا تو پتا تھا مگر حسینہ کی نہیں۔

"تُمھاری شادی ہو رہی ہے؟ شادی تو میری ہو رہی ہے۔" مُسفرِہ نے بڑ بڑا کر کہا مگر حسینہ سمجھ چُکی تھی تبھی چونک کر اُس کے پاس آن بیٹھی۔

"تمارا ابھی شادی ہو را ہے مگر کس سے؟" حسینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"پتا نہیں! لیکن شادی طے ہو گئی ہے اور جلد ہی ہو جائے گی۔ تُم بتاو تُمھیں کس نے کہا کہ تُمھاری شادی ہو رہی ہے؟" مُسفرِہ نے تیزی سے پوچھا۔

"مورے نے بتایا۔" حسینہ نے آہ بھری۔

"مگر کس سے؟" مُسفرِہ کو بس یہی جاننے کی بے چینی تھی۔

"حمدان لالہ سے!" حسینہ نے مُنہ بنا کر کہا تو مُسفرِہ کو مزید حیرت نے آن گھیرا۔

"لالہ سے ؟" وہ بڑبڑائی۔

"ہاں ! ہے نہ عجیب بات ؟ امارا شادی امارے ای لالہ سے ہو رااے۔ وہ امارا لالہ لگتا اے۔ ام کیسے اُس سے شادی کرلے ؟" حسینہ نے اپنا دُکھڑا سُنایا تھا۔

" سگے لالہ نہیں ہیں وہ تُمہارے جو تُمہیں غم لگ گیا ہے۔ اچھا ہے نا؟ لالہ سے شادی کر کے تُم یہیں اپنے ہی گھر میں رہو گی میری طرح بِک کر کسی اِور گھر تو نہیں جانا پڑے گا؟"

مُسفِرہ اُداس ہوئی۔

"بِک کر؟ تُم کو بیچ دیا؟" حسینہ کی آنکھیں پھٹیں۔

"ہاں ! ولور لے رہے ہیں پِھر ہی شادی کریں گے۔" مُسفِرہ نے بوجھل سا سانس ہوا میں خارِج کیا۔

''اومارا! تویوں کھونا کہ ولور لے رہے ہیں۔ تُم نے توام کوڈرا ای دیا تھا۔ بیچ تھوڑی ہی رہا ہے تُم کوسب بلکہ یہ تو تمُارا اسیکیورٹی کے لیے ہے۔'' حسینہ نے مُسفرِہ کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''میری شادی کے بدلے پیسے لے رہے ہیں تو اِس کا یہی مطلب ہوا کہ بیچ رہے ہیں مجھے! '' وہ تڑخ کر بولی تو حسینہ نے جلدی سے اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھا۔

''آہستہ بولو! کسی نے سُن لیا نا تو امارا خیر نہیں اور تُم ایسا مت سوچو کہ تُم کو بیچ رے ہیں۔ ولور کی رسم تو صدیوں سے چلا آرا اے اِس میں کون سا کوئی نئی بات ہے؟ آغا جان جو کرتا اے امارے بھلے کے لیے کرتا اے! تُم اُن کی نیت پر شک مت کرو بس اچھا سوچو اچھا ای او(ہو) گا۔'' حسینہ نے اُسے تسلّی دی مگر یہ بات اُس کے ذہن سے نِکل ہی نہیں رہی تھی کہ اُسے بیچا جا رہا ہے۔ اُس کے ہونے والے شوہر کا کچھ اتہ پتہ نہیں تھا اُسے تو پھر کیسے وہ کسی اِجنبی سے شادی ہونے پر مطمئن ہو جاتی؟

"تُم زیادہ پریشان مت او! ام تُمارے واسطے دعا کرے گا۔ تم مُطمئن رہو ام ابھی آتا اے!" حسینہ اُس کا گال تھپتھپا کر اُٹھی اور اپنا دوپٹہ سنبھالتی تیزی سے باہِر کی جانِب بڑھی۔

ابھی وہ دروازے سے نِکل کر سیڑھیوں کی جانِب بڑھی ہی تھی کہ سامنے سے آتے حمدان سے ٹکرائی۔ حمدان نے تیزی سے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھیچا تو وہ سیدھی اُس کے سینے سے جا لگی۔ حسینہ نے خوف سے آنکھیں میچ لی تھیں جب کہ حمدان کا ایک ہاتھ اُس کے کندھے پر جب کہ ایک ہاتھ اُس کی کمر کے گِرد تھا اور نظریں حسینہ کے سُرخ و سپید تیکھے نقوش والے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

اب جب رِشتہ بدل رہا تھا تو دِل میں حسینہ کے لیے جذبات بھی بدل رہے تھے۔ وہ اِس رِشتے کے بننے پر خوش تھا کیوں کہ وہ حسینہ کو بچپن سے جانتا تھا۔ شوخ و چنچل سی یہ خُوب صورت لڑکی کسی بھی لڑکے کا خُواب ہو سکتی تھی۔

پل دو پل کی بات تھی کہ حسینہ نے کمر پر سخت ہاتھ محسوس کرتے پٹ سے آنکھیں کھولیں تو حمدان کو اپنے بے حد قریب خُود کو ٹکٹکی باندھ کر تکتا پایا۔ گھبرا کر اُس نے تیزی سے خُود کو اُس کی گرِفت سے نِکالا اور ذرا فاصلہ بنا کر کھڑی ہوتی اپنا سانس بحال کرنے لگی۔

"پہ مزہ اوس بہ خو° شوي وي نو (دھیان سے! ابھی لگ جاتی تو؟)" حمدان نے اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"°بہ° بہ خو°°دم تاسوئ ئنہ زماد حفاظت دپارہ (لگ کیسے جاتی آپ تھے نا سنبھالنے کے لیے؟)" اپنی بات کہہ کر وہ خُود ہی شرما گئی تھی جب کہ حمدان بھی گہرا مُسکرایا۔

"تُم اوپر کیا کرنے آیا؟" حسینہ نے اگلے ہی پل خُود کو سنبھال کر پوچھا۔

"تُمہیں دیکھنے آیا تھا کہ کیسی لگ رہی ہو؟" حمدان نے بے حد سنجیدگی سے کہا کہ وہ چاہ کر بھی مذاح کی رمق تک ڈھونڈ نہ پائی۔

"توبتاوِ پھر ام کیسالگ رہا ہے؟" حسینہ نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

"°°رہ زیاتہ °ایستہ لکہ بلکل زما ا°ی راتہ (بے حد حسین! میری میری لگ رہی ہو۔)" حمدان کے لہجے میں نہ جانے کس جذبے کی آنچ تھی کہ حسینہ کا دِل الگ ہی لے میں دھڑکا۔ چہرہ مزید سُرخ پڑا۔

"ام۔۔۔امیں کام ہے۔" وہ کنی کترا کر نکلنے لگی۔

"راضی تو ہونا؟ پسند ہوں نہ میں تُمھیں؟" وہ سیڑھیوں پر پہنچی تھی جب حمدان نے اُس سے اِستفسار کیا۔

"امیں کوئی اعتراض نئیں لالہ!" حسینہ نے پلٹے بغیر دھیمے لہجے میں کہا تو حمدان بے ساختہ مُسکرایا۔

"اب تو لالہ کا دُم چھلّہ ہٹادو؟" حمدان کے شرارتی انداز پر حسینہ نے اپنی بیوقوفی پر آنکھیں میچیں۔

"جی لالہ!" روانی سے کہتی وہ ایک بار زبان دانتوں تلے داب گئی اور پھر بغیر پیچھے دیکھے تیزی سے سیڑھیاں اُتر گئی۔ وہ بھی نفی میں سر ہلا کر مُسکراتا ہوا اپنے ماں باپ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا جنھوں نے اُسے بُلایا تھا۔

"دادو"! وہ ابھی یُونیورسٹی سے گھر واپس آیا ہی تھا جب لاونج میں موجود نسیمہ بیگم پر نِگاہ پڑتے ہی وہ خُوشی سے بولا اور پھر بھاگتا ہوا جا کر اُن سے لِپٹ گیا۔ نسیمہ بیگم نے بے حد محبّت سے اُس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر اُس کا ماتھا چوما۔ وہ اُن کے گرد بازو حمائل کر کے اُن کے کندھے پر سر رکھ چُکا تھا جب کہ باقی سب اُن کا یہ محبّت بھرا مظاہرہ محبّت سے دیکھ رہے تھے۔ عدن جو حاطب کے آنے سے پہلے تک اپنی دادو سے پیار بٹور رہا تھا اب نفی میں سر ہلا کر دوسرے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔

منیحہ سفیبہ بیگم کے پاس براجمان تھی جب کہ عُبید سیال ابھی آفس سے نہیں آئے تھے۔ امن بھی اپنی پھوپھو سعدیہ بیگم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ سب جانتے تھے کہ نسیمہ بیگم سب سے زیادہ پیار حاطب سے کرتی ہیں آخر کو وہ اُن کے مرحوم بیٹے یُوسف کا بیٹا تھا۔ اُن کے پاس یُوسف کی جیتی جاگتی اور سب سے انمول نِشانی حاطب ہی تو تھا۔

"آپ کب آئیں؟" حاطب نے نسیمہ بیگم سے پوچھا۔

" تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں۔ تُم کیسے ہو میرے بچے؟" اُنہوں نے نرمی سے اُس کا چہرہ چھوا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ میں نے تو کہا تھا کہ ایک دو دِن میں آجائیں آپ تو زیادہ ہی جلدی آ گئیں؟" حاطب حیران تھا۔

"تُم نے بُلایا تھا تو پھِر میں دیر کیسے کرتی؟" وہ محبّت سے بولیں تو وہ گہرا مُسکرایا۔

" تھینکیو دادو جان!" وہ ایک بار پھِر اُن کے گلے لگا۔

"تُم فریش ہو جاو میں کھانا لگواتی ہوں۔ تب تک تُمہارے تایا جان بھی آ جائیں گے۔"

سفینہ بیگم نے کہا تو وہ نسیمہ بیگم کا ماتھا چوم کر اُٹھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

نسیمہ بیگم اب عدن، امن اور منیحہ کی طرف متوجّہ ہو گئی تھیں جب کہ سفینہ بیگم کے ساتھ ساتھ سعدیہ بیگم بھی کِچن کی جانِب بڑھ گیئں تاکہ مُلازمہ سے کہہ کر اپنی نگرانی میں کھانا

لگوائیں۔

کھانا خُوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ امن اور منیحہ نے ایک دوسرے کو دِل کھول کر نظر انداز کیا مگر دوسروں سے گفتگو میں حِصّہ ضرور لیا تھا۔ سفینہ بیگم امن اور منیحہ دونوں پر نِگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ کل جو کچھ اُنہوں نے دیکھا تھا آج ویسی کوئی بے تکلّفی اُنہیں نظر نہیں آئی تھی جِس کا اُنہوں نے یہی نتیجہ نِکالا تھا کہ وہ اُن سب کے سامنے بنتے ہیں لیکن تنہائی میں

نہیں اور اِس نتیجے کے بعد وہ اپنے فیصلے پر مزید پُختہ ہو گئی تھیں اور آج ہی وہ سب سے اِس بارے میں بات کرنے والی تھیں کہ اب تو نسیمہ بیگم بھی واپس آ گئی تھیں۔

وقفے وقفے سے سبھی اُٹھ کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تو حاطب بھی نسیمہ بیگم کو لے کر اُن کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ اُنہیں کچھ بے چین سا لگا تھا تبھی وہ اُسے لے کر بیڈ پر آئیں۔ خُود بیڈ پر بیٹھیں اور اُسے بیڈ پر لیٹنے کا اِشارہ کیا۔ وہ بیڈ پر لیٹا تو اُنہوں نے نرمی سے اُس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اُس کا سر سہلانے لگیں۔

"کوئی بات پریشان کر رہی ہے کیا؟" نسیمہ بیگم نے اِستفسار کیا۔

"آپ اور دادا جان ایک دوسرے سے کِتنی محبّت کرتے تھے دادو؟" حاطب نے سوال گندم جواب چنا کے مصداق عمل کیا تھا۔

"محبّت؟ وہ میرے شوہر تھے اور شوہر سے محبّت عورت کی فِطرت میں ہوتی ہے۔ میں بھی اُن سے بے حد محبّت کرتی تھی بلکہ اب بھی کرتی ہوں۔ فرق بس یہ ہے کہ اب وہ

میرے پاس نہیں ہیں۔" اُنہوں نے اب بھی حلاوت سے جواب دیا تھا بغیر اُسے کھوجے کیوں کہ وہ جانتی تھیں وہ خُود ہی سب کچھ بتادے گا۔

"وہ بھی آپ سے محبّت کرتے تھے؟" حاطب نے ایک اور سوال کیا تو وہ کچھ دیر کو سوچ میں ڈوبیں جیسے ماضی میں پہنچ گئی ہوں۔ چہرے پر الوہی سی مُسکراہٹ تھی۔

"ہاں! وہ بھی مُجھ سے محبّت کرتے تھے مگر عورت کی محبّت اور مرد کی محبّت میں فرق ہوتا ہے وہ بھی تب جب رِشتہ میاں بیوی کا ہو۔ میاں بیوی میں کئی باتوں پر اِختلافات ہو جاتے ہیں لیکن ہر اِختلاف کے بعد رِشتہ پہلے جیسا ہو جائے اُس کو ہی اصل محبّت کہتے ہیں۔ میرے اور تُمہارے دادا کے بھی کئی بار اِختلافات ہو جاتے تھے، ہم میں پیار بھی بہت تھا، بحث بھی ہو جاتی تھی، ہم ایک دوسرے سے روٹھتے بھی تھے مگر روٹھنے کے بعد کبھی وہ مجھے منالیا کرتے تو کبھی میں اُنہیں! میاں بیوی کا رِشتہ ایسے ہی چلتا ہے اگر آپ ہر بار غلط نہیں ہوتے تو ہر بار صحیح ہوں یہ بھی ضروری نہیں۔ کبھی وہ اپنی بات منوالیا کرتے تو کبھی میں، کبھی وہ جُھک جاتے تو کبھی میں، شادی کے بعد بچے، اُن کا بچپن، اُن کی جوانی،

شادیاں یہاں تک ہمارا رِشتہ اِتنی مُخلصی سے چلا تو صِرف اِسی لیے کہ ہم نے کبھی انا کو بیچ میں نہیں آنے دیا اور نہ ہی ایک دوسرے کی عزتِ نفس کو زخمی کیا۔ ایک بات یاد رکھنا یُوسف! جِس رِشتے میں انا آجاتی ہے نا وہ رِشتہ ریت کے گھروندے جیسا ہوتا ہے جو کبھی بھی ٹوٹ کر بِکھر سکتا ہے۔" نسیمہ بیگم نے اُسے سمجھاتے ہوئے آخر میں یُوسف کہہ کر پُکارا تو وہ دِل سے مُسکرایا۔

وہ پیار سے اُسے یُوسف کہا کرتی تھیں بلکہ اُسے اُس کے نام سے کم اور اُس کے باپ کے نام سے زیادہ پُکارتی تھیں۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں دادو!" حاطب نے اُن کا چہرہ دیکھتے ہوئے فرمائش کی تو وہ چونکیں۔ یہ فرمائش کچھ عجیب تھی کیوں کہ ابھی وہ محض اُنیس سال کا تھا۔

"اہمم! تو یُونیورسٹی میں دِل لگی کر لی ہے؟" اُنہوں نے خُود کو سنبھال کر اُسے چھیڑا۔

"یُونیورسٹی میں نہیں دادو! آپ کے لاڈلے کی پسند اِسی گھر میں ہے۔" حاطب نے مُسکرا کر کہا تو وہ ایک بار پھِر چونکیں مگر جب اُس کی بات پر غور کیا تو دنگ رہ گئیں۔ اُن کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔

"تُم منیحہ کی بات کر رہے ہو؟" اُنہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

"جی! آپ کی نواسی منیحہ وڑائچ کی بات کر رہا ہوں۔ بتائیں! کیا آپ اپنی نواسی کا ہاتھ اپنے پوتے حاطب یُوسف سیال کے ہاتھ میں دیں گی؟" حاطب نے اُٹھ کر اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے بڑے دِلرُبا انداز میں کہا تو وہ اُس کے صدقے واری ہو گئیں۔

"کیوں نہیں میری جان! میں آج ہی سب سے بات کرتی ہوں۔ بہت جلد تُمھاری شادی کر دوں گی منیحہ سے!" اُنہوں نے ہر خیال کو جھٹک کر حاطب کو یقین دُہانی کروائی تو حاطب مُسکرا کر اُن سے لِپٹ گیا اور پھِر اپنی اور منیحہ کی شادی کے بارے میں اُن سے باتیں کرنے لگا۔

وہ چائے بنانے کی غرض سے اپنے کمرے سے نِکل کر کچن کی طرف جانے لگی تھی جب نسیمہ بیگم کے کمرے سے آتی آوازوں کو سُن کر دروازے کے پاس ہی رُک گئی۔ اُسے کان لگا کر باتیں سُننے کی عادت نہیں تھی لیکن گفتگو کے دوران اُس کا نام لیا گیا تھا اور نام لینے والا کوئی اور نہیں بلکہ حاطب یُوسف سیال تھا تبھی اُسے کچھ حیرت ہوئی تھی کہ وہ نسیمہ بیگم سے بھلا اُس کی کیا باتیں کر رہا تھا۔

سعدیہ بیگم کمرے میں ہی تھیں۔ جب منیحہ اور اُس کی ماں یہاں شِفٹ ہوئی تھیں تو عبید سیال نے اُن کو الگ کمرہ ہی دیا تھا جِس میں وہ اب رہائش پذیر تھیں جب کہ منیحہ کو اوپر والے پورشن میں ٹھہرایا تھا لیکن بعد میں منیحہ کو سعدیہ بیگم نے اپنے کمرے میں شِفٹ کر لیا تھا۔

"جب میری اور منیحہ کی شادی ہو گی تو منیحہ کو اپنی پسند کا لہنگا پہناوں گا وہ بھی گہرے سُرخ رنگ کا!" یہ حاطب ہی تھا مگر اُس کی بات سُن کر تو منیحہ اپنی جگہ پر ساکت ہی ہوئی تھی۔

شادی وہ بھی حاطب سے؟ وہ اُس سے تین سال چھوٹا تھا۔ وہ اُس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور حاطب اتنے اعتماد سے شادی کی پلاننگ کر رہا تھا وہ بھی نسیمہ بیگم سے یعنی وہ خُود بھی راضی تھیں۔ منیحہ نے ہمیشہ سے اُسے بچہ ہی سمجھا تھا۔ قد میں بڑا ہو گیا تھا تو اِس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ منیحہ کے بارے میں ایسے سوچے؟ غُصّے کی ایک تیز لہر تھی جو منیحہ کے رگ وپے میں اُٹھی تھی۔ اُس کا بس نہ چلا کہ وہ اندر گُھس کر حاطب سے بازپرس کرے۔ حاطب کی باتیں سُن کر ابھی ہی منیحہ کو احساس ہوا تھا کہ حاطب نے کبھی بھی اُسے آپی کہہ کر نہیں بُلایا تھا حالانکہ وہ حاطب سے تین سال بڑی تھی۔ عدن بھی اُسے پیار سے لالی کہتا تھا۔ خُود کو سنبھال کر وہ چائے بنانے کا اِرادہ ترک کر کے آہستہ آہستہ چلتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ حاطب کے کمرے میں پہنچ گئی تھی جو کہ لاک نہیں تھا۔ اِس گھر کا کوئی کمرہ لاک نہیں ہوتا تھا کیوں کہ سب ہی کسی کے کمرے میں بغیر پوچھے جانے سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ کچھ دیر بیٹھی کمرے کا جائزہ لیتی رہی جب کہ خُون غُصّے سے کھول رہا تھا۔

کمرہ کافی خُوبصورت تھا۔ کمرے میں گہرے نیلے اور ہلکے نیلے امتزاج کا پینٹ کیا گیا تھا۔ فرنیچر بھی بے حد نفیس اور اعلیٰ تھا بالکل تُرکش سیریز کے ڈراموں جیسا! زمین پر ہلکے نیلے رنگ کا کارپٹ بچھایا گیا تھا۔ امن کے برعکس حاطب کے کمرے میں حاطب کی کوئی تصویر نہیں تھی۔ امن کے کمرے کی تو ہر دیوار امن کی تصویروں سے بھری پڑی تھی۔ حاطب کی دائیں سائیڈ ٹیبل پر اُس کے والدین کی تصویر تھی۔ منیحہ ہمیشہ سے یہ تصویر یہاں ہی دیکھتی آئی تھی کیوں کہ حاطب اپنے والدین سے بے حد پیار کرتا تھا جن کا پیار وہ کبھی بھی محسوس نہیں کر پایا تھا۔

اُسے بیٹھے بیٹھے دس منٹ ہو گئے تھے کہ اب تو وہ حاطب کا انتظار کرتی اُکتانے لگی تھی۔ مزید پانچ منٹ گزرے تو اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ دروازے کی جانب بڑھی۔ ابھی وہ دروازے سے کچھ قدموں کے فاصلے پر تھی جب حاطب اپنی دُھن میں کمرے میں داخل ہوا۔

''آپ یہاں؟'' حاطب اُسے اپنے کمرے میں دیکھ کر چونک ہی تو گیا تھا۔

منیحہ بہت کم اوپر والے پورشن میں آتی تھی مگر آتی بھی تھی تو کبھی اُس کے کمرے میں نہیں آئی تھی تبھی اُسے منیحہ کی یہاں موجودگی پر اچھنبا ہوا تھا۔

"نانی جان سے کیا بات کر رہے تھے تُم میرے بارے میں ؟"منیحہ کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔اُس کے سوال پر حاطب ِکے چہرے پر سایہ سالہرایا۔تو کیا

وہ سب کچھ ُسن چُکی تھی ؟

"کیا۔۔۔کیا بات ؟"اُس نے خُود کو انجان ثابت کرنا چاہا۔

"بنو مت حاطب ِ! تُم سوچ بھی کیسے سکتے ہو میری اور تُمہاری شادی کے بارے میں ؟" منیحہ نے کڑے انداز میں پوچھا تو حاطب ِنے گہرا سانس بھر کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر خُود کو کمپوز کیا۔

"کیوں نہیں سوچ سکتا؟ آپ ایک لڑکی ہیں اور میں ایک لڑکا! اور ایک لڑکا ایک لڑکی سے شادی کے بارے میں سوچ سکتا ہے اور یہ اُس کا بُنیادی حق ہے۔" حاطب کے جو مُنہ میں آیا وہ بول گیا۔

"حق مائی فُٹ! میں تُم سے تین سال بڑی ہوں یہ کیسے بھول گئے تُم؟" منیحہ اُس کے اِطمینان پر حیران تھی۔

"یہ کوئی ایسی یاد رکھنے والی بات ہے بھی نہیں منیحہ! آپ دس سال بھی بڑی ہوتیں تب بھی میں آپ کے بارے میں یہی سوچتا جو اِس وقت سوچ رہا ہوں۔ ایج ڈِفرینس پر کوئی اعتراض نہیں بنتا۔ آپ بھول گئیں شاید کہ خُود سے بڑی عمُر کی عورت سے شادی کرنا ہمارے نبیؐ کی سُنت ہے۔" حاطب نے بِنا ڈرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جتایا تو وہ سُلگ کر رہ گئی۔

"میں تُم سے ہرگز بھی شادی نہیں کروں گی حاطب! ایج ڈِفرینس نہ بھی ہوتا تب بھی نہیں!" منیحہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو حاطب چلتا ہوا اُس کے قریب آنے لگا۔

"تُم میرے نزدیک کیوں آرہے ہو؟ دور رہو مُجھ سے!" اُسے مزید قریب آتا دیکھ کر وہ دبی دبی آواز میں چیخی مگر حاطب نہ رُکا تو وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہوتی دیوار سے جا لگی۔

"تب بھی کیوں نہیں منیحہ؟ تب بھی کیوں نہیں؟" اُس کے دائیں بائیں دیوار پر اپنے ہاتھ جما کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر حاطب نے سرد انداز میں پوچھا تو منیحہ کو لگا وہ کوئی اور ہی حاطب ہے جسے وہ جانتی تک نہیں۔

حاطب کا جبڑا تن چُکا تھا اور ماتھے پر بل گہرے ہو گئے تھے۔

"میں تُمہیں بتانے کی پابند نہیں ہوں۔ دور ہو جاو مُجھ سے!" منیحہ نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے دور دھکیلنا چاہا مگر حاطب نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں سختی سے دبوچ لیے۔

"کوئی اور پسند ہے آپ کو؟" حاطب کے لہجے میں تلخی کے ساتھ سنجیدگی بھی تھی۔

"ہاں!" منیحہ نے بے ساختہ ہی ہاں کہہ دیا تھا حالانکہ اُس کی زندگی میں کوئی بھی نہیں تھا جب کہ اُس کا جواب سُن کر حاطب نے بے ساختہ ہی اُس کے ہاتھ یُوں چھوڑے تھے جیسے اُسے کرنٹ لگا ہو۔

بے یقینی سے اُسے دیکھتا وہ دو قدم پیچھے ہوا اور پھر ہاتھ اُٹھا کر دروازے کی طرف اِشارہ کر دیا۔ گویا وہ اُسے جانے کا عندیہ دے رہا ہو۔ حاطب کے انداز سے وہ کچھ اخذ نہیں کر پائی تھی لیکن وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ کم از کم اب وہ اُس کے بارے میں ایسا ویسا کچھ نہیں سوچے گا۔

منیحہ نے ایک بار پھر اُس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا اور کندھے اُچکا کر کمرے سے باہر نِکل گئی جب کہ اُس کے جاتے ہی حاطب کا ہاتھ اُس کے پہلو میں گرا اور اُس نے آنکھیں میچ کر ایک لمبا اور گہرا سانس بھرا۔

منیحہ اُسے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھی۔ اُس کی سادگی اور پھر اُس کے ساتھ ہونے والا حادثہ حاطب کو اُس کے مزید قریب لے آیا تھا۔ اُس نے یہی سوچا تھا کہ ایج ڈِفرینس سے

کوئی فرق نہیں پڑتا مگر یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ اُس کو کوئی اور پسند بھی ہو سکتا ہے اور یہ بات جان کر اُس نے خُود سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ وہ منیحہ کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں سوچے گا کیوں کہ وہ اِس بات پر یقین رکھتا تھا کہ زبردستی نہ کسی کے دِل میں جگہ بنائی جاسکتی ہے نہ ہی کسی کو اپنی زِندگی میں داخِل کیا جا سکتا ہے۔

اور سب سے بڑی بات کہ وہ صِرف ایک بار ہی پوچھتا تھا اگر کسی کو اُس کے ساتھ سے تکلیف ہے تو وہ اُس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ کوئی اُس کی زِندگی میں رہنا چاہتا تھا تو اُس کی سر آنکھوں پر اور اگر نہیں تو وہ خود کبھی کسی کے پیچھے نہیں جاتا تھا۔ یہ اُس کا اصول تھا یا فِطرت اِس بارے میں وہ خُود بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ کیسے اُس لڑکی کے بارے میں سوچ سکتا تھا جِس کے دِل میں کوئی اور تھا؟

دوسری جانِب منیحہ اب مُطمئن تھی کہ حاطب اِب اُس سے شادی کے بارے میں نہیں سوچے گا مگر وہ انجان تھی کہ قِسمت ابھی ایک اور اِمتحان اُس کا لینے والی تھی۔

حاطب کے جانے کے بعد نسیمہ بیگم نے طلعت کو بُلوا کر اُسے سعدیہ بیگم، سفینہ بیگم اور عبید سیال کو بُلوانے کا کہا تھا اور پھِر اگر ٹھیک دس منٹ بعد وہ تینوں ہی اُن کی خدمت میں حاضِر ہو گئے تھے۔

"خیریت ہے اماں جان! آپ نے اِس وقت بُلوایا؟" عبید سیال نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا جو رات کے بارہ بجا رہی تھی۔

"ہمم! خیریت ہی ہے۔ مجھے تُم سب سے ضروری بات کرنی تھی۔" نسیمہ بیگم نے پُر سوچ انداز میں کہا تو وہ سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اُن کے آس پاس اور صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"جی کہیے اماں جان! ہم سُن رہے ہیں؟" سعدیہ بیگم نے محبّت سے ماں کو دیکھ کر کہا۔

"تُم نے منیحہ کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے سعدیہ؟" نسیمہ بیگم نے بِنا تمہید باندھے پوچھا۔

"منیحہ کی شادی کے بارے میں کیا سوچنا ہے اماں جان! سب کچھ تو آپ جانتی ہیں اب جب بھائی جان اور بھابھی کہیں تب بِسمِ اللہ کر دوں گی۔" سعدیہ بیگم نے سفینہ بیگم اور عُبید سیال کو دیکھ کر کہا۔

"اب تو بِسمِ اللہ کر ہی دو سعدیہ! میں اور عُبید بھی کچھ دیر پہلے یہی بات کر رہے تھے کہ اب منیحہ اور امن کی شادی ہو جانی چاہیے۔ ماشااللہ سے امن بھی بیس سال کا ہو گیا ہے اور پڑھائی کا کیا ہے وہ شادی کے بعد بھی کرتا رہے گا۔" سفینہ بیگم نے خُوش دِلی سے کیا تو نسیمہ بیگم نے پہلو بدلا۔

"ہاں! میں نے یہی سوچا تھا کہ صُبح آپ سب سے اِس بارے میں بات کروں گا مگر اب جب سب اکٹھے ہیں تو ابھی ہی شادی کی تاریخ فائنل کر دیتے ہیں؟" عُبید سیال نے بھی گفتگو میں حِصّہ لیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ منیحہ کی شادی حاطب سے ہو۔" نسیمہ بیگم نے اچانک کہا تو سب حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگا۔

"منیحہ کی شادی حاطب سے کیسے ہو سکتی ہے اماں جان؟"سفینہ بیگم نے اچھنبے سے پوچھا۔

"ویسے ہی جیسے امن سے ہو سکتی ہے۔"نسیمہ بیگم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن اماں جان! آپ جانتی ہیں کہ منیحہ اور امن کا رِشتہ کئی سالوں سے طے ہے پھِر حاطب سے کیسے؟"عُبید سیال نے کشمکش میں ڈوب کر کہا۔

"اور یہ رِشتہ میرے مرحوم شوہر حسن نے طے کیا تھا۔آپ جانتی ہیں ناں کہ حسن کی آخری خُواہش بھی یہی تھی کہ منیحہ عُبید بھائی کی بہو بنے؟"سعدیہ بیگم نے پریشانی سے نسیمہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ سب کچھ جانتی تھیں اور کیوں نہ جانتی یہ سب کچھ اُن کے سامنے ہی تو ہوا تھا اور حسن نے اُن ہی سے تو وعدہ لیا تھا کہ وہ ہر حال میں منیحہ کی شادی امن سے کروائیں گی اور اُنہوں نے وعدہ کر بھی لیا تھا کیوں تب وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اُن کے لاڈلے حاطب کے دِل میں بھی منیحہ کے لیے پسندیدگی جاگ اُٹھے گی۔

"جانتی ہوں میں! مگر حسن اب اِس دُنیا میں نہیں رہا۔ اُس کی خُواہش تھی مگر اُس کی خُواہش کو پورا کرنے سے پہلے یہ بھی تو دیکھو کہ منیحہ اور امن کی بالکل بھی نہیں بنتی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے تک کے روادار نہیں ہیں۔ ایک دوسرے کو مخاطب تک نہیں کرتے کر بھی لیں تو امن اُسے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اور منیحہ تو معصوم سی بچی ہے سب سہہ جاتی ہے۔ کیا گارنٹی ہے کہ کل کو امن بدل جائے گا اور منیحہ کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے گا؟ اِس دُنیا سے رُخصت ہو چکے شخص سے کیا وعدہ پورا کرنے کے چکر میں ہم ایک جیتے جاگتے وجود کو کیسے تکلیف دے سکتے ہیں؟" نسیمہ بیگم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے سب کے چہروں کو دیکھا تو سعدیہ بیگم اور عُبید سیال چُپ کر گئے کہ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔

امن سچ میں منیحہ سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ بچپن سے ایسا نہیں تھا۔ یہ سب تب شروع ہوا تھا جب وہ لوگ سیال ہاوس میں شِفٹ ہوئی تھیں۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا اُس کی منیحہ سے چِڑ بڑھی ہی تھی کم نہیں ہوئی تھی۔

"ایسا نہیں ہے اماں جان! وہ دونوں ہمارے سامنے ڈرامہ کرتے ہیں ایک دوسرے کو نظر انداز کرنے کا! سچ تو یہ ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" سفینہ بیگم چُپ نہیں رہی تھیں بلکہ جوش سے بول پڑیں۔

اُن کی بات پر سب نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔ اُنہوں نے ایک انہونی بات کہہ دی تھی جِس پر اُن میں سے کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"تُم سے ایسا کس نے کہا؟" نسیمہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔

"ماں ہوں میں امن کی! وہ سب سے کچھ بھی چھپا سکتا ہے مگر مُجھ سے نہیں! ماں اپنے بچے کی ہر رمز سے واقف ہوتی ہے اماں جان!" سفینہ بیگم نے مُسکرا کر کہا۔

"کیا امن نے آپ سے خُود یہ کہا ہے بھابھی؟" سعدیہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

"امم! میں بتانا تو نہیں چاہتی تھی مگر میں نے منیحہ اور امن کو ایک ساتھ دیکھا ہے۔" سفینہ بیگم نے کچھ جِھجھک کر کہا تو وہ سب گہرا سانس بھر کر رہ گئے۔

"سعدیہ! تُم منیحہ سے پوچھ لو اگر وہ امن سے شادی کرنے پر راضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اِس شادی میں اُس کی رضامندی ہونا ضروری ہے۔" نسیمہ بیگم نے سعدیہ بیگم سے کہا تو وہ سر ہلا گئیں۔

"آپ کے دِل میں حاطب کا خیال کیسے آیا اماں جان؟ کیا حاطب نے آپ سے ایسا کچھ کہا ہے؟" سفینہ بیگم نے پُرسوچ انداز میں پوچھا۔

"نہیں! اُس نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ تُم لوگ تو جانتے ہو کہ وہ مجھے کس قدر عزیز ہے اور اُس کی طرح منیحہ بھی مجھے عزیز ہے۔ امن کا اُس سے رویہ کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں تبھی سوچا کہ امن کے علاوہ باہر جو کہیں اُس کی شادی کرنی ہے تو حاطب سے کیوں نہیں؟" نسیمہ بیگم اصل بات دبا گئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کل کو حاطب کے بارے میں کوئی کچھ بھی غلط سوچے۔ اُن کی بات سُن کر سب مُطمئن ہوتے سر ہلا گئے۔

"سعدیہ! تُم منیحہ سے پوچھ کر ہمیں آگاہ کر دینا۔ ہو گا وہی جو منیحہ چاہتی ہے۔ ہمیں اِجازت دیجیے اماں جان! اور آپ بھی اب آرام کریں۔" عبید سیال بیک وقت دونوں

سے مخاطب ہوتے اُٹھ گئے تو سعدیہ بیگم بھی کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھ کر اُن سے باتیں کرتی اپنے کمرے میں چلی گئیں جب کہ اُن کے جانے کے بعد نسیمہ بیگم ملال میں گھر گئیں۔ حاطب نے بہت چاہ سے اُن سے فرمائش کی تھی اب وہ اُسے کیسے بتائیں گی کہ منیحہ اور امن ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں؟

صُبح کی سیر کے بعد ناشتہ کر کے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ آج اُسے شہر جانا تھا تاکہ کچھ اناج فروخت کر سکے ساتھ میں حسینہ نے اُس سے کچھ کتابیں بھی منگوائی تھیں تو اُسے شہر کے بازار بھی جانا تھا۔ کپڑے بدل کر اور بال بنا کر وہ کمرے سے نکلنے ہی لگا تھا جب ٹھک سے کوئی دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ چونک کر سامنے دیکھنے لگا مگر سامنے دیکھتے ہی ناگواری سے اُس نے مُنہ موڑ لیا کیوں کہ دروازے کے ساتھ مرینہ اپنی پُشت ٹکائے کھڑی تھی۔

اُس کا دوپٹہ زمین پر گر چُکا تھا جِس سے اُس کے جِسم کے خدوخال واضح ہو رہے تھے اور یہی دیکھ کر حمدان کو مزید غُصّہ آیا تھا۔

"تا سوزما کمرہ کی سہ کوئ۔ اَپا! زئ ددی زےنہ (آپ میرے کمرے میں کیا کر رہی ہیں آپا؟ جائیں یہاں سے!)" حمدان نے لہجے کی ناگواری چھپائی نہیں تھی۔

"بات کرنی ہے مجھے تُم سے!" مرینہ پشتو میں بولتی اُس کے قریب آئی۔ دوپٹہ اُٹھا کر گلے میں ڈال لیا تھا مگر خُود پر نہیں اوڑھا تھا۔

"آپ کو جو بھی بات کرنی ہے باہِر چل کر کریں۔ میں آتا ہوں۔" حمدان نے دوٹوک انداز میں کہتے قدم پیچھے لے کر اُس سے فاصلہ بڑھایا مگر مرینہ باز نہ آئی اور اُس کے قریب جا کر اُسے بازوؤں سے تھام کر اُس کا رُخ اپنی طرف کر لیا جِس پر حمدان کرنٹ کھا کر جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

"یہ کیا۔۔۔۔۔۔وہ کچھ بولنے ہی لگا تھا جب اچانک مرینہ نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھی۔

"حسینہ سے شادی سے اِنکار کر دو حمدان!" مرینہ نے کرخت لہجے میں کہا۔ نظریں حمدان کے وجیہہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا بکواس کر رہی ہیں آپ؟ اپنی حد میں رہیں ورنہ مُجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" حمدان نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے مرینہ کو زور سے دھکا دیا تو وہ زمین پر جا گری۔

"آپ کی شادی ہونے والی ہے تو جا کر اُس کی تیاری کریں۔ میری شادی میں روڑے مت اٹکائیں اور نہ ہی یہ بتائیں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔" حمدان نے گرج کہا اور پِھر باہر کی جانِب قدم بڑھائے۔

"میں تُم سے محبّت کرتی ہوں کسی اور سے نہیں جو جا کر خُوشی خُوشی اپنی شادی کی تیاری کروں۔" مرینہ تیزی سے اُٹھ کر ہذیانی انداز میں چیخی تو حمدان نفرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"اور میں حسینہ سے محبّت کرتا ہوں تو خُوشی خُوشی اُس سے شادی کی تیاری کروں گا۔" زہر خند لہجے میں اُسے جتا کر وہ ایک بار پھر اُسے بے دردی سے پیچھے کرتا باہر نِکل گیا تو مرینہ نے ڈبڈبائی نظروں سے دروازے کو دیکھا جہاں سے گزر کر وہ باہر گیا تھا۔

کیا محبّت کرنا گناہ تھا جو وہ یُوں بے دردی سے اُسے ٹُھکرا کر چلا گیا تھا یا مرینہ کے نصیب میں محبّت حاصل کرنا لکھا ہی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ حسین نہیں تھی۔ وہ بھی حسینہ کی طرح بے حد حسین تھی مگر سب گھر والوں کو حمدان کے لیے حسینہ ہی نظر آئی تھی اب اُس کا حسینہ سے محبّت کا اعتراف مرینہ کو سُلگا کر رکھ گیا تھا۔

"لالہ! رُکو ہمارا بات سُنو!" اپنے کمرے سے نِکل کر وہ ابھی گھر کے آنگن میں آیا ہی تھا جب پیچھے سے حسینہ کی زوردار پُکار پر وہ ٹھٹھک کر پلٹا۔

"عقل نہیں ہے تُمہیں ؟ منگ ہو تُم میری اور یُوں مجھے لالہ لالہ کہتی ہو ؟ خبر دار جو آج کے بعد مجھے لالہ کہا تو ! مُجھ سے جڑنے والے رِشتے کا مذاق مت بناو ورنہ مُجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا اور یہ چادر کدھر ہے تُمہاری ؟ سر پر اوڑھنے کے لیے ہے یا زمین کو سلامی دینے کے لیے ؟" حمدان نے مرینہ پر آیا سارا غُصّہ حسینہ پر نِکال دیا تھا جب کہ اِتنی بے عزّتی پر حسینہ کی زبان کو تالے لگ گئے اور وہ بد حواس سی حمدان کو دیکھے گئی جِس نے پہلی بار اُسے یوں ڈانٹا تھا۔

حمدان سے ڈر کر اُس نے جلدی سے زمین پر گرا آدھا دوپٹہ اُٹھا لیا۔ باقی آدھا دوپٹہ جو سر سے سرک رہا تھا اُسے بھی سیدھا کیا۔ وہ حمدان کو لِسٹ دینے آئی تھی جِس پر کتابوں کے نام لِکھے تھے۔

"اندر جاو اور گھر کے آنگن میں مت ٹہلا کرو ساتھ والوں کی نظر پڑتی ہے آنگن میں !" دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ اُس کے کچھ بھی بولنے سے پہلے ہی گھر سے باہر نِکل گیا۔

اُس کے جاتے ہی حسینہ نے حلق میں پھنسا سانس خارِج کیا۔ وہ اُس کے غُصّے سے خائف ہو گئی تھی۔

"آج کریلا تو نہیں پکا تھا تو کیا مرِچیں زیادہ تھا سالن میں؟" ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھتی وہ بڑبڑائی اور پِھر کفِ اِفسوس ملتی اندر چلی گئی مبادا وہ پھر سے واپس آکر اُسے جھاڑ نہ پلادے۔

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مُسفِرہ کو بعد میں پتا چلا تھا کہ جِس سے اُس کی شادی ہو رہی ہے اُس کی ماں اور بہن آکر اُسے دیکھ کر جا چُکی تھیں تبھی رِشتہ پکا ہوا تھا۔ مُسفِرہ کو یاد نہیں تھا کہ وہ کون تھیں کیوں کہ گھر میں اکثر گاؤں کی کوئی نہ کوئی عورت آتی ہی رہتی تھی۔

اُس کا جہیز بن رہا تھا۔ لڑکا کون تھا، کیسا تھا اُسے کچھ بھی خبر نہیں تھی نہ ہی اُس نے پوچھنے کی کوشش کی تھی کیوں کہ اُسے نہ لڑکے میں کوئی دِلچسپی تھی نہ ہی اِس شادی میں! ہاں البتہ وہ حسینہ کے لیے خُوش تھی کہ وہ اُس کی ورانداز (بھاوج) بننے جارہی تھی۔

آج کل اُس کی نانی اور ماموں صائمہ بیگم سے مِلنے آئے ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر اُن کے پاس وقت گزار لیتی تھی جو بہت کم یہاں آتے جاتے تھے۔ اپنی کتابیں سمیٹ کر اب بھی وہ اُن کے پاس جانے کا ہی قصد رکھتی تھی۔ مزید پانچ منٹ بعد وہ اپنے کمرے سے نِکل کر نیچے کی طرف گئی جہاں اُن کو ٹھہرایا گیا تھا۔ ابھی وہ دروازے کے قریب پہنچ کر اندر داخِل ہونے ہی لگی تھی جب اپنے ماموں کی بات سُن کر وہ دہل گئی۔

"لالہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ اپنے پلار کی بات مان کر اپنی بیٹی کی شادی ایک شادی شُدہ مرد اور تین بچوں کے باپ سے کر دیں؟ اِتنا ہی تھا تو اپنی بڑی پوتی مرینہ کی شادی کروا دیتے ایسے مرد سے؟ اُس کے لیے تو کنوارا لڑکا ڈھونڈا ہے اُنھوں نے؟" اُس کے ماموں کا لہجہ کافی سخت تھا۔

مُسفِرہ کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ شادی شُدہ؟ تین بچوں کا باپ؟ آغا جان اُس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے تھے؟ کیا وہ اِتنی بوجھ بن گئی تھی اُن پر کہ وہ اُسے کسی فالتو چیز کی طرح خُود سے دور کر دینا چاہتے تھے۔

"آغا جان نے زبان دی تھی کہ وہ مُسفِرہ کی شادی اُن کے بیٹے سے کریں گے۔ تب وہ شادی شُدہ نہیں تھا بلکہ بعد میں شادی کر لی۔ آغا جان کو نہیں معلوم تھا کہ وہ شادی کر چُکا ہے۔ پھِر اُس کی مورے اور پلار کے ساتھ اُس کی بہن آئی اور مُسفِرہ کو دیکھ گئی کہ وہ رشتہ لائی ہیں کیوں کہ آغا جان نے زبان دی تھی انہیں! اُس کے تین بچّے ہیں اور بیوی کا اِنتقال ہو گیا ہے۔ آغا جان کا کہنا ہے کہ اُنھوں نے زبان دی ہے اور وہ اپنی زبان سے نہیں پھِریں گے۔ اگر اُس کی بیوی زِندہ ہوتی تو بھی وہ مُسفِرہ کی شادی اُسی لڑکے سے کرتے۔" صائمہ خانم نے اپنے بھائی کو تفصیل بتائی تو مُسفِرہ نے خُود اذیتی سے آنکھیں میچیں۔

"ان کی زبان کیا مُسفرِہ کی زِندگی سے زیادہ ضروری ہے؟ کِتنی چاہ تھی مجھے کہ میں مُسفرِہ کو اپنے پوتے کی دُلہن بناوں؟ لیکن تُم اُس اٹھارہ سال کی بچی کو چھتیس سال کے آدمی سے بیاہنے جا رہی ہو۔" اب کی بار مُسفرہ کی نانی دردانہ خانم نے حسرت سے کہا۔

مُسفرِہ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ وہاں کھڑے ہو کر اُن کی مزید باتیں سُنتی۔ اذیت سے اُس کی ٹانگیں کپکپانے لگ گئی تھیں اور اُس کا اپنے قدموں پر کھڑے رہنا تک محال ہو گیا تھا۔

وہ کپکپاتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اُس کا ذہن ماوف ہو رہا تھا۔ اُسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خُود کو اِس سچوئیشن سے کیسے نِکالے۔ کیا کرے کہ وہ اِس شادی سے بچ جائے؟

"ایک منٹ !کیا کہا آپ نے؟ دوبارہ کہیے گا؟ مجھے لگا میں نے کچھ غلط سُنا ہے۔ "امن تو اُن کا سوال سُن کر ہی اُچھل پڑا تھا تبھی اپنے کان میں اُنگلی مارتے ہوئے اُس نے عُبید سیال سے کہا۔

"مجھے دوبارہ کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے امن !میں نے وہی کہا ہے جو تُم نے سُنا ہے۔ تُمھاری شادی منیحہ سے ہو رہی ہے۔ "عُبید سیال نے اُس کا رویہ دیکھتے کہا جو اُنہیں عجیب ہی لگا تھا۔

سفینہ بیگم نے کہا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔اگر ایسا تھا تو وہ منیحہ کے ساتھ شادی کی بات سُن کر چونک کیوں گیا تھا۔

"اور آپ سے کس نے کہا کہ میں راضی ہوں ؟"امن نے پُر سکون سے انداز میں ہاتھ سینے پر باندھ کر پوچھا۔

"میں تُمہارا باپ ہوں امن ! اور مجھے حق حاصل ہے کہ میں تمہاری زِندگی کا کوئی بھی فیصلہ کر سکوں۔" عُبید سیال نے اُسے گھورا۔

"لیکن میں دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں پاپا! جِس کی زِندگی کا ہر فیصلہ آپ کریں۔ میں بالغ ہوں اور میں یہ خُود ڈیسائیڈ کروں گا کہ مجھے کس سے شادی کرنی ہے۔" امن نے دو ٹوک انداز میں جتایا۔

"تُم اِنکار نہیں کر سکتے۔ تُمہارا اور منیحہ کا رِشتہ کئی سالوں سے طے ہے اور تُمہاری اور منیحہ کی شادی تُمہارے مرحوم پھوپھا کی بھی آخری خُواہش تھی۔" عبید سیال نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے منیحہ سے شادی نہیں کرنی۔ شی اِز ناٹ مائی ٹائپ (وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔)" امن کے انداز میں لاپرواہی تھی.

"امن! تُم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ سفینہ نے کہا تھا کہ وہ تُم سے خُود بات کرے گی مگر میں اِس بھرم میں تُم سے بات کرنے چلا آیا کہ تُم اپنے باپ کی بات نہیں موڑو گے۔" عُبید سیال نے بے بس انداز میں کہا تو امن کے چہرے کا تناو کچھ کم ہوا۔

"میں آپ کا بھرم توڑنا نہیں چاہتا پاپا؟ مگر میں منیحہ کو پسند نہیں کرتا اور وہ مُجھ سے بڑی بھی تو ہے۔" امن باپ کی وجہ سے کچھ دھیما پڑا اور نہ وہ تو یہ سوچ کر ہی حیران تھا کہ اُس کے گھر والوں نے ایسا سوچا بھی کیسے؟

"شادی کے بعد ناپسند پسند میں بدل جاتی ہے بیٹا! تُمھیں بھی وہ اچھی لگنے لگے گی اور دو سال کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔" عبید سیال نے اُسے سمجھانا چاہا۔

"میری نہیں بدلے گی۔" امن نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے جیسے تُمہاری مرضی! ہم منیحہ کو ہمیشہ سے اِسی گھر میں رکھنا چاہتے تھے۔ تُم نہیں مانتے تو ہم حاطب سے اُس کی شادی کروادیں گے بنے گی تو وہ اِس گھر کی ہی بہو!" عبید سیال نے اُس کو نہ مانتا دیکھ کر کہا تو امن بھونچکارہ گیا۔

حاطب کو وہ جو بھی کہتے وہ مان لیتا مگر امن نہیں چاہتا تھا کہ وہ مانے کیوں کہ حاطب نے اُسے خُود بتایا تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتا ہے۔کسے کرتا ہے یہ نہیں بتایا تھا مگر اب اگر عبید سیال اُس سے بات کرتے تو وہ کبھی بھی اِنکار نہیں کرتا چاہے اُسے اُس لڑکی سے دستبردار ہی ہونا پڑتا کیوں کہ وہ اُنہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتا تھا۔

"آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔" امن نے اُنہیں روکنا چاہا۔

"تو پھر تُم ہاں کردو لیکن یہ یاد رکھنا اگر تُم حاطب کو روکو گے تو عدن تو ہے ہی؟" عبید سیال پُرسکون تھے جب کہ امن کا بس نہ چلا کہ منیحہ کو کہیں غائب کردے۔

"اِتنی گئی گزری ہے آپ کی منیحہ کہ باہر سے اُس کا کوئی رِشتہ ہی نہیں آ رہا اور آپ زبردستی اُسے ہم تینوں میں سے کسی نہ کسی کے پلے باندھنا چاہ رہے ہیں؟" امن اب بھی طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"شٹ اپ امن! میں اب تُم سے کچھ نہیں کہوں گا جو کرنا ہے کرو۔ منیحہ کی شادی میں حاطب سے کروادوں گا آج ہی اماں جان سے بات کرتا ہوں میں!" وہ اُسے ڈپٹ کر اور اپنا فیصلہ سُنا کر تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھے۔

"مجھے منظور ہے۔ میں منیحہ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ابھی وہ کمرے کے دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ امن نے اپنا فیصلہ سُنایا۔

"اگر یہ تُم اِس لیے کہہ رہے ہو کہ شادی کے بعد اُس سے بُرا سلوک کر سکو تو کوئی ضرورت نہیں۔" عُبید سیال نے خشمگیں نِگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"وہ میری پھوپھو کی بیٹی ہے پاپا! میں خیال رکھوں گا اُس کا!" امن نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا کر اُس کی طرف آئے۔

"تُم میرے بہت اچھے بیٹے ہو امن! دیکھنا تُمہارا یہ فیصلہ درُست ثابت ہو گا اور تُم اِس فیصلے پر کبھی نہیں پچھتاؤ گے۔" عبید سیال نے اُس کی پُشت تھپتھپا کر کہا تو وہ سر ہلا گیا۔ عُبید سیال کمرے سے نِکل گئے تھے۔

"منیحہ وڑائچ!" امن کے چہرے پر عجیب سی مُسکراہٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیا کرنے کا سوچ رہا تھا۔

"میری بہنا! بنے گی دُلہنیا اور راجہ کی آئے گی بارات"! وہ لاونج میں بیٹھی کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی جب کہ عدن بُلند آواز میں گانے کی ٹانگیں توڑتا ہوا اُس کے سامنے کھڑا ہو کر ڈانڈیا جیسا ڈانس کرنے لگا۔

منیحہ نے اچھنبے سے اُسے دیکھا۔ وہ یہ گانا کیوں گا رہا تھا۔ عدن نے ڈانس روک کر اُسے دیکھا اور پھِر شرارت سے ہنستے ہوئے آگے بڑھ کر اُس نے منیحہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے آہستہ آہستہ گول گول گُھمانے لگا۔

"عدن! باز و آو۔ کیا کر رہے ہو؟" منیحہ نے اُسے روکنے کی کوشش کی کیوں کہ اُس سے صحیح سے گھوما نہیں جا رہا تھا۔

"ارے جشن منا رہا ہوں۔ میری بہن کی شادی ہونے والی ہے اِتنا سا جشن تو بنتا ہے نا؟" عدن نے شوخی سے کہا تو منیحہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ کیا حاطب؟ اِس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ حاطب کے رویے سے تو اُسے لگا تھا کہ وہ ایسا کوئی شوشہ نہیں چھوڑے گا مگر اب؟

"تُم سے کس نے کہا ایسا؟" منیحہ نے خُود کو چھڑوا کر پوچھا۔

"ارے ! پاپا نے کہا ہے۔ سب نے تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں۔" عدن نے مزے سے بتایا تو وہ ماتھے پر بل لیے اپنے کمرے کی جانِب بڑھی۔

"لگتا ہے کُڑی شرما گئی ؟" اپنے پیچھے عدن کی آواز سُن کر وہ مزید پریشان ہوئی مگر پلٹی نہیں۔

"ماما ! یہ میں کیا سُن رہی ہوں ؟" منیحہ نے کمرے میں داخِل ہوتے ہی سعدیہ بیگم کو مخاطب کیا جو الماری سے کچھ نِکال رہی تھیں۔

"کیا سُن رہی ہو ؟" اُنہوں نے مصروف سے انداز میں کہہ کر کچھ جیولری باکسز الماری سے نِکال کر بیڈ پر رکھے۔

"عدن کہہ رہا تھا کہ میری شادی ہو رہی ہے ؟" منیحہ بے چینی سے کہتی ہوئی اُن کے سامنے جا بیٹھی۔

''ہمم! صحیح کہہ رہا ہے عدن!''اُنہوں نے ایک ڈبے سے سونے کا ہار نِکال کر اُس کی گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟اِتنی جلدی کیوں ہے آپ کو میری شادی کی؟ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔'' منیحہ نے اُن کے چہرے کو دیکھا جہاں سنجیدہ تاثرات تھے۔

''تو پڑھو مانو! تُمہیں کوئی پڑھائی کرنے سے نہیں روک رہا۔''سعدیہ بیگم نے اُسے تسلی دی۔

''مگر مجھے اِبھی شادی نہیں کرنی اور خود سے تین سال چھوٹے لڑکے سے تو بِالکل نہیں!''منیحہ نے دل ہی دل میں حاطب کو کوستے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے تُمہاری شادی کرنی ہے اور وہ تُم سے تین نہیں دو سال چھوٹا ہے مانو!''سعدیہ بیگم نے اُس کی تصیح کی۔

''کیا ہو گیا ہے ماما! حاطب مُجھ سے تین سال چھوٹا ہے۔''منیحہ بے زار ہوئی۔

"حاطب کا کہاں سے ذِکر آگیا مانو! میں امن کی بات کر رہی ہوں۔" سعدیہ بیگم یکے بعد دیگرے دو سے تین ہار اُس کے گلے سے لگا کر دیکھ چکی تھیں۔ یہ وہ زیورات تھے جو حسن نے اُنہیں شادی کے تحفے کے طور پر دیئے تھے اور اب وہ یہ منیحہ کو دینے کا اِرادہ رکھتی تھیں۔

"ہاں امن تو مجھ سے دو سال ہی چھوٹا ہے مگر حاطب۔۔۔۔۔" منیحہ بات کرتی کرتی رُکی اور جب اُن کی بات پر غور کیا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"امن؟" وہ بڑبڑائی۔

"ہاں! امن سے ہی تو ہو رہی ہے تُمہاری شادی!" سعدیہ بیگم نے بتایا تو اُسے اپنے سر میں دھماکے ہوتے محسوس ہوئے۔

"امن سے کیسے شادی ہو سکتی ہے میری؟ وہ مُجھ سے نفرت کرتا ہے ماما!" منیحہ دبی دبی آواز میں چلا ہی تو پڑی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے مانو! وہ تُم سے محبّت کرتا ہے تبھی تو وہ خُود بھی شادی کے لیے مان گیا ہے۔" سعدیہ بیگم کی بات پر وہ ایک بارِ پھر چونک اُٹھی تھی۔

"امن مُجھ سے شادی کے لیے مان گیا؟" اُس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں! وہ راضی ہے اور تُم میرے سامنے ڈرامے نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تُم بھی اُسے پسند کرتی ہو۔" سعدیہ بیگم نے اب کی بار منیحہ کو ابرو اُچکا کر دیکھا۔

"میں اور امن کو پسند؟ ایسا کچھ نہیں ہے ماما! وہ مُجھ سے نفرت کرتا ہے اور میں بھی اُسے پسند نہیں کرتی۔" منیحہ نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"شدید نفرت شدید محبّت کا دوسرا رُخ ہوتی ہے بیٹا! جب ہمیں کوئی اعتراض نہیں تو کیوں اِنکار پر اِنکار کیے جا رہی ہو؟" سعدیہ بیگم نے سختی سے پوچھا۔

"ماما! میں امن۔۔۔۔۔۔۔۔۔" منیحہ نے کچھ بولنا چاہا۔

"جو بھی ہے منیحہ! تمہاری امن سے شادی تمہارے بابا کی آخری خواہش تھی اور میں چاہتی ہوں کہ اُن کی یہ خواہش پوری ہو۔ اگر تم نے اِنکار کیا تو تم میرا مرا ہوا مُنہ دیکھو گی۔" سعدیہ بیگم نے اُس کی بات کاٹ کر اُسے دھمکی دی تو وہ بے بسی سے اُن کو دیکھے گئی۔

"ہاں یا نا؟" سعدیہ بیگم نے دوٹوک انداز میں پوچھا تو وہ بے بسی سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

اُسے اپنی ماں بے حد عزیز تھی جن کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ باپ کو کھو چکی تھی اب ماں کو کچھ ہو یہ سوچ کر ہی اُس کی جان نکلنے لگتی تھی۔

"میری پیاری بیٹی! میں بھابھی کو یہ سب دِکھا کر آتی ہوں۔" وہ اُس کا ماتھا چوم کر سارے جیولری باکسز اُٹھا کر کمرے سے نِکل گئی تو منیحہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"یہ سب بھی امن کی کوئی چال ہو گی۔ یقیناوہ مجھے اذیّت پہنچانے کے لیے مُجھ سے شادی کر رہا ہے۔ یاخُدایا! تُو ہی میری مدد کر! میں اب مزید امن سیال نامی شخص کو اپنی زِندگی میں برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر خُدا سے اِلتجا کرنے لگی۔

امن اُس سے نفرت کرتا تھا تو یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ محبّت میں اُس سے شادی کرے۔ وہ اُسے تکلیف پہنچانے کے لیے ہی شادی کرنے پر مانا ہو گا اور نفرت تو وہ بھی کرتی تھی امن سیال سے وہ کیسے راضی خُوشی اُس سے شادی کے لیے مان جاتی مگر سعدیہ بیگم نے اُسے اِیموشنل بلیک میل کر کے ہاں کروالی تھی۔

امن کے دِل میں کیا تھا کوئی نہیں جان پایا تھا۔ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں اور وہ بڑھ چڑھ کر شادی کی تیاریوں میں حِصّہ لے رہا تھا۔ اُس کی خُوشی اور جوش دیکھ کر سب کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ واقعی منیحہ سے محبّت کرتا تھا تبھی اِتنا خُوش تھا جب کہ

منیحہ اب بُجھی بُجھی سی رہنے لگی تھی۔ماں کے مجبور کرنے پر وہ ہاں کر چُکی تھی مگر جوں جوں شادی کے دِن قریب آرہے تھے وہ مزید پریشان ہوتی جارہی تھی۔

حاطب نے جب منیحہ اور امن کی شادی کا سُنا تو وہ بے حد شاک ہوا تھا۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امن اور منیحہ ایک دوسرے سے شادی کے لیے مانیں گے لیکن امن کی خُوشی دیکھ کر اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ شادی امن کی مرضی سے ہو رہی تھی اور جب سے اُسے منیحہ کی مرضی معلوم ہوئی تھی تب سے اُسے اندازہ ہوا تھا کہ منیحہ جِس سے محبّت کرتی تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ امن سیال تھا وہ امن سیال جو سرِ عام منیحہ سے نفرت کا پرچار کرتا تھا۔

وہ جِس طرح حاطب کے سامنے منیحہ کا نفرت سے ذِکر کرتا تھا حاطب کو کبھی نہیں لگا تھا کہ امن دِل ہی دِل میں منیحہ سے پیار کرتا ہے۔منیحہ نے اُسے امن کے لیے ٹُھکرایا تھا یہ جان کر اُسے دُکھ ہوا تھا لیکن وہ زبردستی رِشتے بنانے کا قائل نہیں تھا تبھی وہ نہ صِرف چُپ کر گیا تھا بلکہ دِل سے منیحہ اور امن کی خُوش حال زِندگی کی دُعا بھی کی تھی۔

امن اور منیحہ باقاعدگی سے یُونیورسٹی جارہے تھے۔

امن شام کو گھر آتا تو سب کے ساتھ جا کر شاپنگ کرتا، سب کے سامنے منیحہ کے لیے چیزیں خریدتا اور ساتھ کہتا جاتا کہ منیحہ پر یہ اچھا لگے گا۔ یہ میں منیحہ کے لیے لوں گا جس پر سب مُطمئن ہو گئے تھے کہ وہ خُود سے بڑھ کر منیحہ کا خیال رکھے گا۔ منیحہ اور امن کی آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی نہ ہی اُنھوں نے ایک دوسرے سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابھی ابھی منیحہ اور امن ایک ساتھ یُونیورسٹی سے واپس آئے تھے۔ وہ دونوں اپنی اپنی گاڑی سے نکلے۔ منیحہ نے اُسے نظر انداز کر کے اندر جانا چاہا جب امن نے پورچ میں ہی منیحہ کا راستہ روکا۔

"بیٹھے بِٹھائے اِتنا ہینڈسم لڑکا مل رہا ہے تُمھیں! خُوش تو بہت ہو گی نا تُم؟" امن نے اُس کے سامنے رُک کر اُسے تلخی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! مجھے پچھتاوا اور نفرت محسوس ہو رہی ہے کہ یہ کالے دِل والا لڑکا میرا شوہر بننے جا رہا ہے۔" منیحہ نے بھی اُدھار نہیں رکھا تھا مگر امن بُرا ماننے کی بجائے ہنس دیا۔

"ویل! ظاہر نہ کرو تو الگ بات ہے مگر لاٹری نِکل آئی ہے تُمہاری کہ تُم امن سیال کی بیوی بننے جا رہی ہو۔ دِل میں لڈّو پھوٹ رہے ہیں نا؟" امن نے طنز کیا تو اب کی بار منیحہ بھی دِل کھول کر ہنسی۔

"اِتنی خُوش فہمی امن سیال کو ہی ہو سکتی ہے۔ ساری زِندگی روتی رہوں تب بھی تُم سے شادی کا غم ختم نہیں ہو سکے گا۔" منیحہ کے لہجے میں اُس کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

"رو ؤ گی تو تُم ساری زِندگی ہی! شادی ہو لینے دو وہ حشر کروں گا تُمہارا کہ خُود کو آئینے میں دیکھنے سے ڈرو گی۔" امن نے زہر خند لہجے میں کہا تو منیحہ نے بھی تلخ نِگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کون ڈرتا ہے اور کون روئے گا۔" منیحہ کا لہجہ بھی پُر عزم تھا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟" اِس سے پہلے کہ امن مزید زہر اُگلتا عدن نے شرارتی انداز میں پوچھا جو اندر سے باہر پورچ میں آیا تھا۔

"یہ ہم دونوں کی پرسنل بات ہے تُم ہم ہونے والے میاں بیوی کے معاملے سے دور رہو۔" امن نے اُسے ڈپٹا۔

"اِتنی محبّت! واللہ! کسی کی نظر نہ لگ جائے۔" عدن نے ڈرامائی انداز میں کہا تو منیحہ نے آنکھیں گُھمائیں۔

"اِسے چھوڑو! تُم اندر آجاو مانو اور ریسٹ کرو۔" وہ منیحہ کو پیار سے کہتا اندر کی جانِب بڑھ گیا تو منیحہ نے اُس کے ناٹک اور جھوٹے پیار بھرے لہجے پر دانت کچکچائے۔

"ہائے میں صدقے! مجھے تو یقین نہیں آتا کہ یہ وہی امن بھیا ہیں۔ ویسے لالی! کون سا منتر پڑھ کر پھونکا ہے بھیا پر جو وہ آپ کے اِتنے گرویدہ ہو گئے ہیں؟ مجھے بھی بتائیں تا کہ میں بھی کسی پر وہ منتر پھونکوں؟ ایمان سے کوئی لڑکی آپ کے اِس کیوٹ بھائی سے نہیں

پٹ رہی۔" عدن نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر پوچھا تو منیحہ نے اُس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"تُم یُونیورسٹی میں یہ کام کرنے جاتے ہو؟ پڑھائی پر دھیان دو ورنہ ماموں جان سے شکایت کروں گی تُمہاری!" وہ اُسے گھور کر دھمکی دیتی ہوئی آہستہ آہستہ چلتی اندر کی طرف بڑھی تو وہ بھی ہنستا ہوا اور اُسے چھیڑتا ہوا اُس کے ساتھ ہی ہو لیا۔

کرتے کرتے شادی کا دِن بھی آن پہنچا تھا۔ زرنگار بھی دو دِن پہلے ہی اپنے بیٹے کے ساتھ واپس آگئی تھی۔ حمدان نے مرینہ کی اُس دِن کی حرکت کے بعد اُس کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ پہلے جو اُسے وہ مخاطب کر لیتا تھا اب وہ بھی نہ کرتا بلکہ بِالکل نظر انداز کر دیتا جیسے وہ اپنا وجود ہی نہ رکھتی ہو۔ اُس کی بے نیازی پر مرینہ کھول کر رہ جاتی مگر کچھ بھی کر نہ پاتی کہ سب ہی آس پاس موجود ہوتے۔ اب تو اُسے حمدان کے کمرے میں جانے کا بھی کبھی موقع نہیں ملتا تھا کیوں کہ گھر میں مہمان آنے لگے تھے۔

جہاں مُسفِرہ بُجھی بُجھی سی رہنے لگی تھی وہیں حسینہ تو ہر سو چہکتی پھِرتی تھی اور رہی بات مرینہ کی تو وہ جل ککڑی بنی جلتی کڑھتی رہتی۔ اپنی بہن کو خُوش دیکھ کر اُسے اور بھی جلن ہوتی۔ وہ حمدان کو اپنا نصیب بنانا چاہتی تھی مگر وہ حسینہ کا نصیب بننے جا رہا تھا۔ اُسے حسینہ کی خُوشی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لیکن خُود بھی مجبور تھی کہ اُسے اپنی شادی روکنے کا کوئی چارہ نظر نہ آ رہا تھا حالانکہ اُس کی ماں نے کہا تھا کہ اُس کا دُلہا پیارا ہے مگر اُسے حمدان سے شادی کرنی تھی حمدان کی بیوی بننا تھا۔

اب بھی وہ جلتی کڑھتی پلنگ پر بیٹھی ہوئی سب کو دیکھ رہی تھی۔ سب ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ مُسفِرہ تو باورچی خانے میں مہمانوں کے لیے قہوہ تیار کر رہی تھی جب کہ حسینہ قہوے کی پیالیاں لا لا کر مہمانوں کو پیش کر رہی تھی۔ شرمائی لجائی سی حسینہ سُرخ پڑتی مزید حسین لگ رہی تھی۔

مرینہ اُسے دیکھ کر مزید جل کڑھ رہی تھی۔ اچانک زریاب خان اپنے ننھے ننھے قدم اُٹھاتا ہوا مرینہ کے پاس آیا۔

"آپا! آپا" آپا کو لمبا کر کے کہتا وہ مرینہ کی ٹانگ کو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا تو مرینہ نے غُصّے سے ٹانگ کو زور سے جھٹکا۔

"کیا تکلیف ہے تُمہیں حرام خور!" مرینہ نے کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا جب کہ اُس کی بات سُن کر پورے برآمدے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہاں بس زریاب خان کے رونے کی آواز گونج رہی تھی جِس کا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔

"خبردار! جو میرے بیٹے کو گالی دی تو!" زرنگار زریاب خان کی آواز سُنتی تیزی سے اُس کو گود میں اُٹھا کر اُس کا سر سہلاتی مرینہ کی طرف دیکھ کر دھاڑی۔

"کیا کرلیں گی آپ؟ حرام خور ہی ہے یہ! ہمارے حق پر ڈاکا ڈالنے والا۔۔۔۔" مرینہ زریاب کو دیکھتی زہر خند لہجے میں بول ہی رہی تھی جب اچانک کسی نے اُسے اپنی طرف پلٹا اور پھر پورے گھر میں زوردار ٹھاہ کی آواز گونجی۔

مرینہ کو لگا اُس کا سر چکرا گیا ہے۔ کچھ دیر کو تو اُس کا دِماغ ہی سُن ہو گیا اِتنا بھاری تھپڑ تھا مگر چند پل بعد خُود کو سنبھالا تو مُنہ میں خُون کا ذائقہ گُھلتا محسوس ہوا۔ گال پر ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھا تو وہ لرز کر رہ گئی۔ سامنے ہی نذیر خان کھڑے اُسے سُرخ آنکھوں سے گھور رہے تھے۔

"تُمہاری ہمّت کیسے ہوئی زریاب کو گالی دینے کی؟" نذیر خان دھاڑے تو وہ اُچھل پڑی۔

"پپ۔۔۔ پلارر (بابا) وہ۔۔۔ وہ۔۔۔۔" کچھ کہنے کی چاہ میں اُس کے لب لرز کر رہ گئے تھے۔

"بکواس بند! اِس بدلحاظ عورت نے یہ تربیت کی ہے تُمہاری کہ تُم اپنے ہی بھائی کو حرام خور کہو؟" نذیر خان پِھر سے دھاڑ اُٹھے جب کہ مرینہ کا پورا جِسم خوف سے کپکپا رہا تھا۔ زرنگار زریاب خان کو چُپ کرواتی اپنے کمرے میں لے کر چلی گئی تھی۔

سبھی مہمان اور گھر والے برآمدے میں جمع ہو گئے تھے جب کہ شرمندگی کے مارے مرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہیں چھپ جائے۔

"بس کرو خاناں! تُم اندر جاو۔" ضمیر خان نے آگے بڑھ کر نذیر خان کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ شاہدہ خاتون بھی سہمی سی ایک طرف کھڑی تھیں۔ آغا جان البتہ وہاں موجود نہیں تھے۔

"رُکو اِدھر! شاہدہ! شاہدہ!" نذیر خان نے مرینہ کو روکا جو چھت کی طرف جانے لگی تھی۔

شاہدہ خاتون تیزی سے اُن کے سامنے حاضِر ہو گئیں مبادا وہ اُن پر نہ پھٹ پڑیں۔

"یہ تربیت ہے تُمہاری؟ یہ سِکھایا ہے تُم نے اِسے کہ خُود سے چھوٹوں کو گالیاں دو؟ میرے بیٹے کو حرام خور کہہ رہی ہے یہ! اپنے باپ کی اولاد کو تو پوچھو اِس سے یہ بھی حرام خور ہے؟" نذیر خان نے تیکھے چتونوں سے شاہدہ بیگم کو گھورا۔

"معاف کر دیں خاناں! آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گی۔" شاہدہ خاتون نے دھیمے لہجے میں کہا۔ مرینہ اب دبی آواز میں رونے لگی تھی۔

کیا کہتیں؟ کہ بچوں کی تربیت صِرف ماں کے ذِمہ ہی نہیں ہوتی بلکہ باپ کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ماں اپنی جان مار دے پِھر بھی باپ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں حِصّہ لے۔ بچّے اچھا کام کر جائیں تو یہی باپ فخر سے کہتے ہیں کہ میرے بچے نے اِتنا اچھا کام کیا اِتنی اچھی تربیت کی ہے میں نے اپنی اولاد کی اور اگر اولاد کوئی غلط کام کر جائے تو وہ پِھر ماں کی ہی اولاد رہ جاتی ہے اور پِھر اُس ماں کو لعن طعن کیا جاتا ہے۔

اُس کی کی ہوئی تربیت پر سوال اور اُنگلیاں اُٹھائی جاتی ہیں۔ مرد تو بڑے آرام سے کہہ دیتا ہے کہ مرد کا کام صِرف کمانا اور کفالت کرنا ہے تربیت ماں کی ذِمہ داری ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اگر وہ باہر کے کام کرتا ہے تو عورت بھی پورا گھر سنبھالتی ہے جو اِتنا بھی آسان نہیں ہوتا اور گھر سنبھالنے کے ساتھ ساتھ بچّوں کو سنبھالنا اور اُن کی تربیت بھی کرنا ایک کٹھن کام ہے۔

"اچھے سے سمجھالو اِسے! آج معاف کر رہا ہوں آئندہ ایسی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ عزّت سے رُخصت ہو کر اپنے گھر کی ہو یہی بہتر ہے اِس کے لیے! ایک بیٹا تک دے نہیں پائی اور جو پیدا کی ہیں اُن کی بھی تربیت نہیں ہو سکی اِس عورت سے!" سر جھٹک کر وہ ایک بار پھر اُن کو سُنا گئے تو اِس بے عزّتی پر اُن کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اُس نے کبھی ضمیر خان کو صائمہ خانم پر چِلاتے ہوئے یا اُن کو ڈانٹتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ صائمہ خانم کی طرح وہ بھی حسین تھیں، وہ دونوں ولور دے کر لائی گئی تھیں فرق بس یہ تھا کہ ضمیر خان کو اپنی بیوی سے محبّت تھی مگر نذیر خان کو نہیں! اور ایک فرق تو یہ بھی تھا کہ صائمہ خانم نے ضمیر خان کو اُس کا وارث دیا تھا جب کہ شاہدہ خاتون کی قِسمت میں بیٹا تھا ہی نہیں لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں اگر صائمہ خانم بیٹا نہ بھی پیدا کرتیں تب بھی ضمیر خان اُنہیں کبھی سرِ محفِل بے عزّت نہ کرتے۔

"ایک ہی بیٹا ہے میرا اُسے بھی خُوش نہیں رہنے دے سکتیں یہ ماں بیٹیاں!" غُصّے سے کہہ کر وہ زر نگار کے کمرے میں چل دیئے جب کہ شاہدہ خاتون جُھکے سر کے ساتھ مرینہ

کا بازو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئیں۔ اُن میں اِتنی ہمّت نہیں تھی کہ وہ سر اُٹھا کر سب کی نظروں کا سامنا کر سکتیں۔

اُن کے جانے کے بعد حسینہ اور روزینہ نے بھی گہرا سانس بھر کر ایک دوسرے کو دیکھا جو ایک ستون کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں ہی جانتی تھیں کہ اب مرینہ کو شاہدہ خاتون سے بہت مار پڑے گی۔ شاہدہ خاتون کا غُصّہ ایسے ہی کم ہونا تھا۔ دوسری طرف مُسفِرہ دوبارہ سے اُداسی کا پیکر بنی کِچن میں چلی گئی تھی۔ باقی سب اب اِس واقعے کے بارے میں دبی دبی سرگوشیاں کر رہے تھے۔

دِن اِتنی تیزی سے گزرے تھے کسی کو علم ہی نہ ہو سکا تھا۔ وقت یُوں ہی تھا جیسے پر لگا کر اُڑ گیا ہو اور پھِر شادی کا دِن بھی آن پہنچا تھا۔ مہندی کا فنکشن گھر میں ہی کیا گیا تھا جِس کا اِنتظام گھر کے لاونج میں کیا تھا۔ منیحہ کی پھوپھو بھی اپنے بچوں کے ساتھ آ گئی تھیں البتہ اُن کے شوہر نہیں آ پائے تھے۔ امن اور حاطب کے مشترکہ ننھیالی رِشتے دار بھی آ چکے

تھے جِن کے رہنے کا گھر میں ہی اِنتظام تھا البتہ آس پڑوس کے مہمان مہندی کا فنکنشن اٹینڈ کر کے واپس چلے گئے تھے۔ عبید سیال کے بِزنس کو لیگز بارات اور ولیمہ اٹینڈ کرنے والے تھے۔

مہندی پر منیحہ نے مسٹرڈ رنگ کا نفیس اور خوب صورت سا شرارہ زیب تن کیا تھا جب کہ امن نے سفید شلوار قمیض کے ساتھ مسٹرڈ رنگ کی واسکٹ پہنی تھی۔ ہلکے پُھلکے میک اپ کے ساتھ منیحہ کافی خُوب صورت لگ رہی تھی۔

عدن اور حاطب نے آف وائٹ کلر کی شلوار قمیض پہنی تھی۔ وہ دونوں بھی بے حد ہینڈسم لگ رہے تھے جہاں عدن چہک رہا تھا وہیں حاطب کچھ اُداس بھی تھا کہ منیحہ نے اُسے کیوں نہیں چُنا تھا؟ وہ بار بار اپنی اُداسی جھٹک کر پِھر منیحہ اور امن کے خُوش رہنے کی دُعا بھی کرتا۔ نسیمہ بیگم اپنے لاڈلے پوتے کو اُداس دیکھ کر خود بھی اُداس ہو رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ امن سب کے ساتھ تصویریں کِھنچوا تا بے حد خُوش

نظر آرہا تھا اور اُسے خُوش دیکھ کر سب ہی خُوش ہو رہے تھے جب کہ منیحہ کی اُداسی اور چُھپی اُس کی حیا سمجھی جا رہی تھی۔

منیحہ نے صرف مریم کو اپنی شادی پر بُلایا تھا مگر وہ آج آ نہیں سکی تھی۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُس کی بارات اور ولیمہ ضرور اٹینڈ کرے گی۔ وہ ہوتی تو منیحہ اپنا غم اُس کے ساتھ بانٹ لیتی اب یہاں وہ کسی کو اپنے دِل کا حال اور امن کے اِرادے بتا بھی نہیں سکتی تھی۔

اگلا دِن چڑھ آیا تھا۔ بارات کا اِنتظام میرج ہال میں کیا گیا تھا۔ وہ سب لوگ ایک ساتھ وہاں پہنچنے والے تھے کیوں کہ لڑکی اور لڑکے والے ایک ہی گھر سے تھے۔ میرج ہال کی ٹائمنگ چھ بجے سے تھی۔ عدن منیحہ کو چار بجے ہی پارلر میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس کا لہنگا، اُس کی جیولری، جو تا سب کچھ امن کی پسند کا تھا اور امن نے خُود جا کر اُس کی شاپنگ کی تھی۔ منیحہ نے اُسے کہا تھا کہ وہ تیار ہو جائے گی تو عدن کو فون کر دے گی پھِر وہ اُسے لینے آ جائے۔

وہ سب لوگ پانچ بجے بالکل تیار ہو کر میرج ہال کو نکلے تھے۔ عدن کے ساتھ گاڑی میں حاطب، اور منیحہ کی پھوپھو حمدہ تھی جو ابھی ستائیس سال کی تھی۔ اُن کی دونوں بیٹیاں سعدیہ بیگم کے ساتھ میرج ہال کو نکل گئی تھیں اور اب وہ لوگ منیحہ کو پک کر کے میرج ہال جانے والے تھے۔ پندرہ منٹ میں وہ لوگ پارلر کے سامنے کھڑے تھے۔ منیحہ نے کہا تھا کہ وہ تیار ہو گئی تو میسج کر دے گی مگر اُس نے ابھی تک عدن کو میسج نہیں کیا تھا۔ چھ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔

عدن نے حمدہ سے کہا کہ وہ اندر جا کر چیک کرے جس پر وہ پارلر کے اندر آئی اور سیدھا ریسیپشنسٹ کے پاس پہنچیں۔

"السلامُ علیکم! منیحہ وڑائچ۔۔۔۔" حمدہ منیحہ کے بارے میں پوچھنے ہی لگی تھی جب ریسیپشنسٹ نے اُن کی بات کاٹی۔

"آ گئیں وہ؟اُن کی اپائنٹمینٹ تھی مگر وہ ابھی تک آئیں ہی نہیں! اُن کو جِن بیوٹیشن نے تیار کرنا تھا وہ کئی بار پوچھ چُکی ہیں کیوں کہ اُنہیں ایمرجنسی میں کہیں جانا ہے۔"

ریسیپشنسٹ کی بات سُن کر حمدہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب ہے کہ آئی ہی نہیں! اُسے تو چار بجے ہی یہاں ڈراپ کر دیا گیا تھا۔" حمدہ نے کہا تو رسیپشنسٹ نے اچھنبے سے اُسے دیکھا۔

"میں صُبح سے یہیں موجود ہوں۔ منیحہ نامی کوئی لڑکی میرے پاس نہیں آئی۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا تو حمدہ پریشان ہو گئی۔

عدن نے خود منیحہ کو یہاں ڈراپ کیا تھا پِھر وہ کہاں جا سکتی ہے؟

وہ تیزی سے واپس باہِر آئی اور جا کر عدن اور حاطبِ کو یہ سب بتایا تو وہ بھی حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان ہو گئے۔

"یہ ناممکن ہے۔ لالی میرے سامنے ہی پارلر کے اندر گئی تھیں۔ میں نے خُود اُنہیں اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" عدن نے پریشانی سے کہا۔ وہ سب پریشان ہوتے بھی کیوں نہ دُلہن غائب تھی اور وہ دُلہن جو اُن کے گھر کی عزّت تھی جِس کا سب میرج ہال میں اِنتظار کر رہے تھے۔

"آپ سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کر لیں کیا پتا وہ ریسیپشنسٹ جھوٹ بول رہی ہو؟ آج کل پارلرز کے کیس بھی بہت رپورٹ ہو رہے ہیں کہ پارلر والے لڑکیاں اسمگل کر رہے ہیں۔" حاطب نے کہا تو حمدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ایسا کچھ بھی وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی تبھی تیزی سے اندر کی جانِب بڑھی۔

حاطب اور عدن پریشان سے وہاں کھڑے اب گھر والوں کو فون کر کے یہاں کی سچویشن کے بارے میں بتا رہے تھے۔

حمدہ نے اندر آ کر پارلر کی مینیجر کو بُلوایا اور اُسے ساری بات بتائی اور پِھر سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کرنے کی ڈیمانڈ کی جِس پر وہاں کی مینیجر نے آج شام چار بجے کی سی سی ٹی وی فوٹیج

چیک کی۔ چار بج کر پانچ منٹ پر شلوار قمیض میں ملبوس منیحہ بڑی سی چادر اوڑھے اور ہاتھ میں بڑا سا شاپنگ بیگ پکڑے پارلر کے اندر آئی۔ وہ ریسیپشن تک نہیں آئی بلکہ وہیں کھڑے ہو کر کسی اِسے فون پر بات کرنے لگی۔ ایک دو منٹ بات کر کے اُس نے فون بند کیا اور اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر جیسے آئی تھی ویسے ہی باہر نِکل گئی۔ مینیجر نے باہر کی سی سی ٹی وی فوٹیج نکالی تو منیحہ سفید رنگ کی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی اور پھر اگلے دو منٹوں میں وہ گاڑی وہاں سے جا چکی تھی۔

حمدہ یہ سب دیکھتی دنگ رہ گئی تھی کیوں کہ صاف ظاہر تھا کہ منیحہ اپنی مرضی سے اُس سفید گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے۔ مگر کیوں گئی ہے یہ سوال حمدہ کو پریشان کر گیا تھا۔ مینجر کے ہونٹوں پر دبی دبی سی طنزیہ مُسکراہٹ تھی۔ اُس کی کی نظریں حمدہ کو خُود کا مذاق اُڑاتی محسوس ہوئی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ لڑکی بھاگ گئی ہے۔

"آپ اِس کی ریکارڈنگ میرے نمبر پر سینڈ کر دیں۔" حمدہ نے مرے مرے لہجے میں کہا تو مینجر نے اُس کا نمبر لے کر اگلے پانچ منٹس میں وہ ریکارڈنگ اُس کے نمبر پر سینڈ کر دی۔

حمدہ بوجھل دِل اور بھاری ہوتے قدم لیے باہر کی جانب بڑھی۔ وہ منیحہ کے بارے میں ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ منیحہ نے ایسا قدم کیوں اُٹھایا یہ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ منیحہ کو وہ اچھے سے جانتی تھی کہ وہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جِس سے اُن کی عزت پر حرف آئے مگر وہ ریکارڈنگ اِس بات کو جھٹلا کر کہہ رہی تھی کہ منیحہ ایسا کر چکی ہے۔

حمدہ کو آتے دیکھ کر حاطب اور عدن دونوں اُس کی جانب آئے۔

"منیحہ کے بارے میں کچھ پتا چلا؟" حاطب نے بے چینی سے پوچھا تو حمدہ نے خالی خالی نِگاہوں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے بغیر کچھ کہے فون کھول کر حاطب کو دیا تو حاطب اور عدن دونوں ناسمجھی سے فون میں چلتی ریکارڈنگ دیکھنے لگے مگر پوری ریکارڈنگ دیکھ کر اُن دونوں کو سانپ سونگھ گیا۔

"میرج ہال چلو۔" حمدہ نے بھیگے لہجے میں کہا اور فون لے کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ دونوں بھی بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھتے گاڑی میں بیٹھے اور میرج ہال کی طرف روانہ ہو گئے۔

دِن پر لگا کر اُڑے اور شادی کا دِن آ گیا۔ مرینہ، حسینہ اور مُسفِرہ اِن تینوں کی شادی تھی اور پورے گھر میں چہل پہل تھی۔ سبھی مہمان آ چُکے تھے جِن میں مُسفِرہ اور حسینہ لوگوں کے ننھیال والے بھی شامل تھے۔ تینوں دُلہنیں ایک ہی کمرے میں تھیں اور کچھ لڑکیاں اُن کو تیار کر رہی تھیں جب کہ روزینہ مہمانوں کو دیکھتی، اُن کی خاطرِ تواضع کرتی ہلکان ہو رہی تھی۔ اُن کے یہاں شادیاں بے حد سادگی سے کی جاتی تھیں۔ روزینہ کم گو سی، کچھ شرمیلی مگر بے حد پیاری لڑکی تھی۔ وہ اِتنی جلدی کسی سے گُھلتی مِلتی نہیں تھی۔

مرینہ کا کلیجہ چھلنی تھا اُس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ سب کے چہروں سے مُسکراہٹ نوچ لے اور یہ کام کرنے کا اُس نے اِنتظام بھی کر رکھا تھا۔ اُسے حمدان سے نفرت ہونے لگی تھی اگر وہ حسینہ کی بجائے اُس سے شادی کرتا تو وہ بھی آج کِتنی خُوش ہوتی لیکن حمدان نے اُس کی محبّت کو اُس کے چہرے پر ٹُھکرا کر نہ صِرف اُسے ذلیل کیا تھا بلکہ مرینہ کے دِل میں بدلے کی چنگاری بھی لگا گیا تھا۔ جتنی توہین اُس نے مرینہ کی کی تھی اِتنی ذلالت وہ حمدان کے چہرے پر مل دینا چاہتی تھی اور واحد راستہ اُسے مُسفِرہ کی شکل میں نظر آیا تھا۔ وہ حمدان کو ہی نہیں بلکہ مُسفِرہ کو اِستعمال کر کے پورے خاندان کو ذلیل کرنے والی تھی۔

وہ اپنے باپ نذیر خان سے، آغا جان سے سب سے بدلہ لینے والی تھی اُس کی ماں کو ذلیل کرنے اور اُسے لعن طعن کرنے کا بدلہ! کوئی اولاد نہیں چاہتی کہ اُس کی ماں کو ذرا سا بھی بے عزّت کیا جائے، اُس کی ماں کی تذلیل کی جائے، اولاد یا کسی غیر کے سامنے کچھ کہا جائے لیکن یہ سب شاہدہ خاتون کے ساتھ ہوتا آیا تھا۔ وہ بیٹا پیدا نہیں کر پائی تھیں تو اِس

میں اُن کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن پھر بھی بیٹا پیدا نہ کرنے کا ذِمہ دار اُنہیں ٹھہرا کر اُن کو سب کے سامنے باتیں سُنائی جاتی تھیں، ڈی گریڈ کیا جاتا تھا، اُنہیں ذلیل کیا جاتا تھا اور اب وہ سب کو ذلیل کر دینا چاہتی تھی۔ اُس دِن شاہدہ خاتون نے اُسے بہت مارا تھا وہ بھی صِرف نذیر خان اور زر نگار کی وجہ سے تو وہ اب نذیر خان اور زر نگار سے بھی بدلہ چاہتی تھی۔

اُس نے مُسفِرہ کو دیکھا جو سوگوار سا حُسن لیے چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ مرینہ کو معلوم تھا کہ وہ اِس شادی سے خُوش نہیں ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ مُسفِرہ کی شادی ایک تین بچوں کے باپ سے ہو رہی ہے۔ مرینہ نے زہر خند انداز میں ہنکارا بھرا۔ وہ تینوں اِس وقت سُرخ رنگ کے بھاری کام دار شلوار قمیض میں ملبوس تھیں جِس کے اوپر بڑا سا لال دوپٹہ لیا ہوا تھا جو موتیوں اور گوٹے کے کام سے بھرا ہوا تھا۔

اِس دوپٹے کا گھونگھٹ بھی نِکالا گیا تھا جو اُن تینوں نے اوپر کیا ہوا تھا۔

"مُسفِرہ! حسینہ غُسل خانے میں گئی تھی جب مرینہ نے رازدارانہ انداز میں مُسفِرہ کو پُکارا۔

"جی آپا؟"مُسفِرہ نے سوالیہ انداز میں اُسے دیکھا۔

"تُمھیں پتا ہے جِس سے تُمھاری شادی ہو رہی ہے اُس کی بیوی زِندہ ہے۔"مرینہ نے کہا تو مُسفِرہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"مورے نے بتایا تھا مجھے کہ اُس آدمی نے اپنی پہلی بیوی سے پسند کی شادی کی تھی۔ کچھ دیر کے لیے الگ ہو گئے تھے اور اُس بیچ تُمھارا رِشتہ طے ہو گیا اُس کے ساتھ! مگر اب وہ واپس آ گئی ہے۔ شہر کی پڑھی لکھی لڑکی ہے اور شہر کی لڑکیاں بہت تیز ہوتی ہیں۔ وہ تُم سے شادی نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ اُس کی بیوی اُس کی دوسری شادی کا سُن کر پھِر سے اُسے چھوڑنے کی دھمکی دے رہی ہے مگر وہ اپنے پلار (بابا) کے سامنے بے بس ہے۔ اُسے تو تُمھاری شکل میں مفت کی نوکرانی مل جائے گی اور اُس کے بچوں کی آیا بھی!"

مرینہ نے افسوس کا اِظہار کرتے ہوئے کہا تو مُسفِرہ بے چین ہو گئی۔ اُسے سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔

"آغا جان نے پتا نہیں کون سی دُشمنی نِکالی ہے تُم سے جو تُمہاری شادی تُم سے دوگنی عمر کے مرد سے کر رہے ہیں۔ پتا ہے نا پٹھان کتنے سخت ہوتے ہیں؟ تُم اپنے حق کے لیے کچھ بولو گی تو مار کھاؤ گی بِالکل ویسے جیسے پلار (بابا) مجھے مارتے ہیں یہ سوچ بنا کہ میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔" مرینہ نے اُس کے چہرے پر خوف پھیلتے دیکھ کر کہا۔

"میں اب کیا کروں آپا؟ مجھے وہاں شادی نہیں کرنی۔" مُسفِرہ بے بسی کے مارے رونے لگی تھی۔

"ارے! رومت! تُم میری بہن ہو میں تُمہارا بُرا کبھی نہیں چاہوں گی یہ شادی رُک سکتی ہے اگر تُم ہمّت کرو تو؟" مرینہ نے اُسے تسلّی دی۔

"مگر کیسے؟ بارات خالی ہاتھ واپس گئی تو ہمارے خاندان کی بہت بے عزّتی ہو جائے گی۔" مُسفِرہ نے آنسو پونچھتے ہوئے سوال کیا۔

"تُمہاری اور میری بارات ہمارے گھر کے باہِر آگئی ہے۔اِتنے مہمانوں میں سے ایک بارات خالی ہاتھ چلی بھی جائے گی تو کچھ نہیں ہو گا۔ تُم جا کر اُس کی پہلی بیوی سے بات کرو۔" مرینہ نے مشورہ دیا۔

"مگر سب کے سامنے میں کیسے جا کر اُس سے بات کروں؟ آغا جان مجھے باہِر دیکھیں گے تو بہت غُصّہ ہوں گے۔ "مُسفِرہ نے پریشانی سے کہا۔

"ارے کچھ نہیں ہو گا۔ تُم گھر کے پِچھلے حِصّے میں جاو میں اُسے تُمہارے پاس بھیجتی ہوں۔ چچازاد ہو مگر ہو تو بہن ہی نا؟ می تُمہاری مدد نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟ اُٹھو یہ دوپٹہ اُتار کر کوئی چادر لے لو اور منہ ڈھانپ کر باہر جاو۔ سب باراتیوں کا اِستقبال کر رہے ہوں گے تُمہیں کوئی نہیں دیکھے گا۔ تُمہاری ہونے والی سوتن کو میں جا کر بھیجتی ہوں وہاں!" مرینہ نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا تو مُسفِرہ اُس پر یقین کرتی تیزی سے اُٹھی

اور الماری سے چادر نِکال کر خُود پر اوڑھتی باہر نِکل گئی۔ چہرہ اچھی طرح چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔ اُس کے جانے کے بعد مرینہ قہقہہ لگا کر پاگلوں کی طرح ہنسی۔

"مُسفِرہ کہاں گیا؟" حسینہ باتھ روم سے ہو کر آئی تو مُسفِرہ کو کمرے میں نہ پا کر پوچھا۔

"کہہ رہی تھی کہ چچا چچی کے کمرے میں جا رہی ہے ابھی آ جائے گی۔" مرینہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ سر ہلاتی اپنا دوپٹہ ٹھیک کرنے لگی۔ مرینہ نے ایک تلخ نظر اُس پر ڈال کر ہٹا لی تھی۔

میرج ہال میں ہر طرف چہل پہل کا سماں تھا۔ مہمان رنگ برنگے لِباسوں میں ملبوس، خُوشبوؤں میں نہائے ایک دوسرے سے گپ شپ میں مصروف تھے۔ کہیں کوئی باتیں کر رہا تھا تو کہیں کوئی فوٹو سیشن جاری رکھے ہوئے تھا۔ عبید سیال وہاں آ کر امن کے ساتھ سبھی مہمانوں سے مِلنے لگے اور امن کو سب سے ملوانے لگے۔ سب اِس بات پر حیران

تھے کہ اِتنی جلدی شادی کیوں ابھی تو امن محض بیس سال کا تھا جِس پر وہ سب کو خُوشی سے ٹال رہے تھے۔

امن بھی خُوش دِلی سے سب سے ملتا سب کے ساتھ فوٹوز بنوا رہا تھا۔ مُسکراہٹ تھی کہ اُس کے لبوں سے چِپک کر رہ گئی تھی۔

سیاہ رنگ کے فور پیس میں ملبوس امن سیال نظر لگ جانے کی حد تک پیارا اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ نسیمہ بیگم اور سفینہ بیگم اُس کی بلائیں لیتی نہ تھک رہی تھیں جب کہ سعدیہ بیگم تو اپنی بیٹی کے اِتنے اچھے نصیب پر ہر لمحہ خُدا کا شُکر ادا کر رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں نہ صِرف مہمان بلکہ مولوی صاحب بھی آ گئے تھے۔ اب بس اِنتظار تھا تو دُلہن کا! جب کافی دیر گزر گئی تو سعدیہ بیگم نے امن کو حاطب کو فون کرنے کا کہا تھا مگر اِس سے پہلے کہ امن فون کرتا عدن کا فون امن کے نمبر پر اور حاطب کا فون عبید سیال کے فون پر آنے لگا تھا۔

اور جو خبر آگے سُننے کو ملِی تھی وہ اُن سب کے دماغوں کی چولیں ہلا گئی تھی۔ منیحہ غائب تھی یہ بات جان کر سب پریشان ہو گئے تھے۔ عبید سیال نے عدن اور حاطب کو منیحہ کو ڈھونڈنے کو کہا تھا مگر آگے سے اُنہوں نے پارلر کی ریکارڈنگ سینڈ کر کے اُنہیں بتا دیا تھا کہ منیحہ خُود اپنی مرضی سے کہیں گئی ہے۔

وہ ریکارڈنگ دیکھ کر جہاں سب دنگ رہ گئے تھے وہیں سعدیہ بیگم ڈھے سی گئی تھیں۔ اُنہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ منیحہ ایسا کچھ کر سکتی ہے۔ نسیمہ بیگم کا تو دِل ہی ڈوب گیا تھا نہ جانے اب وہ کہاں تھی اور کس حال میں تھی۔ اُن میں سے کوئی بھی اِس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ منیحہ خُود اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہے حالانکہ اُس ریکارڈنگ کو جُھٹلایا نہیں جا سکتا

تھا۔

سفینہ بیگم سعدیہ بیگم کو سنبھال رہی تھیں جِن کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔

"اگر منیحہ کو مُجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو آپ کو بتانا چاہیے تھا پھوپھو! آپ نے اُسے فورس کیا تھا کیا اِس شادی کے لیے؟" امن لال بھبھوکا ہوتا اُن کے سامنے آن رُکا۔

"اُس نے ہاں کہی تھی امن! وہ راضی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ شادی والے دِن کہیں چلی جائے گی۔" سعدیہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"تُم نے منیحہ کو مجبور تو نہیں کیا تھا سعدیہ؟" نسیمہ بیگم نے پریشانی سے پوچھا۔

"ضرور مجبور کیا ہو گا۔ ورنہ وہ تو مجھے پسند بھی نہیں کرتی تھی کُجا مُجھ سے شادی کرنا لیکن اگر ایسا کچھ تھا بھی تو وہ اِنکار کر دیتی مُجھ سے شادی سے! یُوں سب کے سامنے میرا تماشا تو نہ بناتی؟ کیا سوچیں گے سب میرے بارے میں کہ میری دُلہن بھاگ گئی؟" امن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔

"بی ہیو یُور سیلف امن! یہ وقت اِن باتوں کا نہیں ہے۔ تُم جاو اور حاطب کے ساتھ مِل کر منیحہ کو ڈھونڈو۔ میں تُمھاری پھوپھو کو ہسپتال لے جاتا ہوں اِس کی طبیعت مجھے کچھ ٹھیک

نہیں لگ رہی۔"عبید سیال نے سعدیہ بیگم کے زرد پڑتے رنگ اور اکھڑتے سانسوں کو دیکھ کر کہا۔

سبھی مہمان شاید صورتِ حال کا اندازہ لگا چُکے تھے تبھی چہ مگوئیاں شروع کر چُکے تھے۔

"ڈھونڈا اُن کو جاتا ہے پاپا جو گُم ہوئے ہوں جب کہ منیحہ خُود کہیں چلی گئی ہے اور ہمیں کیا پتا وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟"امن تلخ ہوا تو عبید سیال نے اُسے گھورا۔

سفینہ بیگم امن کو کھینچتی ہوئی ایک طرف لے جا کر سمجھانے لگیں جب کہ عبید سیال ڈرائیور کو گاڑی نِکالنے کا کہہ کر مہمانوں سے معذرت کرنے لگے۔تب تک حاطب اور عدن بھی حمدہ کے ساتھ وہاں پہنچ چُکے تھے۔میرج ہال کی ساری پیمنٹ ایڈوانس ہی کی گئی تھی تبھی وہ لوگ مہمانوں سے معذرت کر کے سعدیہ بیگم کو لے کر ہسپتال چلے گئے تھے۔ہسپتال پہنچنے تک سعدیہ بیگم بے ہوش ہو چُکی تھیں جِس پر سب کی جان پر بن آئی تھی۔ہسپتال پہنچتے ہی اُن کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا جب کہ عبید سیال پولیس اسٹیشن

روانہ ہو چُکے تھے تاکہ منیحہ کی گُم شُدگی کی رپورٹ درج کروا سکیں۔ بھلے ہی وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی تھی مگر وہ اُسے ڈھونڈ کر گھر واپس لانا چاہتے تھے۔

مرینہ کچھ دیر پہلے ہی شاہدہ خاتون کے ساتھ باہِر گئی تھی۔ نذیر خان نے مرینہ کو بُلایا تھا۔ حسینہ نے کھڑکی کا پردہ ہٹایا تاکہ دیکھ سکے باہِر کیا ہو رہا ہے جب اُس کی نظر چادر میں لِپٹی مُسفِرہ پر پڑی۔ وہ اُسے اُس کے شادی کے جوڑے سے پہچان پائی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتی گھر کے پِچھلی طرف جا رہی تھی۔ حسینہ کو تعجب نے آن گھیرا۔ مرینہ کے مطابِق مُسفِرہ تو چچا چچی کے کمرے میں گئی تھی تو وہ باہِر کیا کر رہی تھی۔

کوئی مُسفِرہ کی طرف متوجہ بھی نہیں تھا کیوں کہ سب ہی دُلہوں کے گِرد جُھرمٹ بنائے کھڑے تھے۔ مُسفِرہ اور مرینہ دونوں کی ہی بارات آ چُکی تھی۔ وہ کمرے سے باہِر دروازے تک آئی تاکہ کسی کو بُلا سکے کہ جا کر مُسفِرہ کو واپس لائے لیکن چھت پر کوئی بھی نہیں تھا جِس سے حسینہ کہتی۔ حسینہ واپس کمرے میں آئی اور کھڑکی سے ایک نظر سب پر

ڈالی اور پھر کچھ سوچ کر خُود پر چادر لپیٹ کر نیچے کی جانِب بڑھی۔ اُسے مُسفِرہ کا یُوں جانا کچھ عجیب سا لگ رہا تھا تبھی وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے اُس کے پیچھے جا کر اُس سے پوچھنے والی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ سب باراتیوں میں اِتنا مگن تھے کہ حسینہ کی طرف بھی کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔

وہ گھر کی پچھلی سائیڈ پر پہنچی جہاں کچھ پودے اُگے ہوئے تھے۔ یہ جگہ زیادہ چوڑائی میں نہیں تھی مگر پھر بھی اچھی خاصی کُھلی جگہ تھی۔ اُسے مُسفِرہ کے ساتھ کسی اور کا سایہ بھی نظر آیا تھا۔ وہ حیران ہوتی تیزی سے اُس کی طرف بڑھی مگر اُس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے ہی ایک آدمی مُسفِرہ کے مُنہ پر ہاتھ رکھے اُسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ مُسفِرہ بن پانی کے مچھلی کی طرح تڑپتی ہاتھ پاوں چلا رہی تھی۔

اُس آدمی کے ساتھ ایک بیس بائیس سالہ لڑکا بھی تھا جو اپنی جیب سے کوئی کپڑا نِکال رہا تھا۔

"سوک ئ تہ! پریدہ زماخور (کون ہو تُم! چھوڑو میری بہن کو!)" حسینہ نے غُصّے سے چیختے ہوئے کہا تو وہ دونوں اُس کی طرف متوجّہ ہوئے۔

"زے تہ ئ ور سوہ (ٹھکانے لگاوِ اسے!)" اُس آدمی نے لڑکے کو ہدایت کی تو اُس نے ہاتھ میں پکڑا پٹی نما کپڑا اُس آدمی کی طرف بڑھایا اور خُود حسینہ کی طرف بڑھا۔

"بچاو! مورے! لالہ!" حسینہ اُس لڑکے کو خود کی طرف بڑھتے دیکھ کر بُری طرح چیخی اور بھاگنے لگی مگر تب تک وہ لڑکا اُسے پکڑ چُکا تھا۔ مُسفِرہ مزاحمت کرتی اب نڈھال ہو چُکی تھی۔ اُس آدمی نے سختی سے وہ کپڑا اُس کے مُنہ پر باندھ دیا تھا۔ کہاں وہ اٹھارہ سال کی نازُک سی لڑکی اور کہاں وہ بھاری جسامت کا ہٹا کٹا مرد! وہ جِتنا خود کو چھڑوانے کی کوشش کر سکتی تھی کر چکی تھی مگر اب اُس میں ذرا سی بھی ہمّت نہیں بچی تھی۔ حسینہ کو دیکھ کر جہاں اُسے اُمید ملی تھی وہیں اب اُسے بھی قابو آتا دیکھ کر وہ ساری ہمّت ہار گئی تھی۔ اُس آدمی نے اُس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے اور اب وہ اُسے دیوار کے پاس لے آیا تھا۔ حسینہ اب بھی مزاحمت کر رہی تھی مگر بے سود!

گھر کی چار دیواری چھوٹی چھوٹی تھی تبھی اُس آدمی نے مُسفِرہ کو اُٹھا کر دیوار پر رکھا اور پھر دوسری طرف لڑھکا دیا۔ پٹی بندھی ہونے کی وجہ سے مُسفِرہ کی چیخ اُس کے مُنہ میں ہی دبی رہ گئی جب کہ حسینہ بُلند آواز میں چیخی۔ وہ آدمی اُس لڑکے کو اِشارہ کر کے خُود بھی دیوار پھلانگ کر گھر سے باہر نِکل گیا تھا۔ اُس لڑکے نے ایک زوردار تھپڑ حسینہ کے مُنہ پر مارا تو حسینہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اِس سے پہلے کہ وہ گرتی اُس لڑکے نے اُسے بازوؤں سے دبوچ کر زوردار جھٹکا دیا تو وہ اُس کے کندھے سے ٹکراتی اُس کے سینے سے جا لگی۔

"حسینہ!" اِس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی یا سنبھلتی ایک پاٹ دار آواز ہواؤں کو چیرتی اُس کی سماعت سے ٹکرائی تو اُس کا جِسم پتھر بن گیا۔

وہ آواز شیر افگن خان کی تھی۔ اُس کے آغا جان کی! وہ آواز سُنتے ہی اُس لڑکے نے زور سے اُسے دھکا دیا اور تیزی سے بھاگتا ہوا دیوار پھلانگ گیا۔ حسینہ نے چکراتے سر کو

سنبھال کر دیکھا تو حمدان اور خاندان کے کچھ اور لڑکے دیوار پھلانگ کر اُس لڑکے کے پیچھے بھاگے تھے تاکہ اُسے پکڑ سکیں۔

حسینہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سامنے دیکھنا چاہا مگر اچانک کسی نے اُسے بالوں سے دبوچا اور پھر گھسیٹتا ہوا گھر کے اندرونی حِصّے کی طرف لے جانے لگا۔ حسینہ کے حلق سے ایک بُلند چیخ نِکلتی پورے گھر میں گونج گئی۔ اُس نے روتے ہوئے سر اُٹھا کر دیکھا تو بال دبوچنے والا کوئی اور نہیں اُس کا باپ تھا۔

"پلار! ام کو چھوڑو۔" اُس نے بال چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے اِردگرد دیکھا۔ سب ہی گھر والے اور مہمان اُن کے ساتھ ساتھ گھر کے اندرونی حِصے کی طرف جارہے تھے۔ اُس کی ماں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جب کہ مرینہ وہاں اُن کے ساتھ نہیں تھی۔ زرنگار اور صائمہ خانم بھی کچھ بے یقینی اور کچھ ترحم سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔
حسینہ کو سمجھ نہیں آیا کہ اُس کا باپ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ وہ سب کو بتانا چاہتی تھی مُسفرِہ

کے ساتھ جو ہوا مگر اُسے بولنے ہی نہیں دیا جا رہا تھا۔ اوپر سے اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے سر کے بال جڑ سے اُکھڑ جائیں گے۔

گھر کے اندرونی حِصّے میں پہنچتے ہی اُس کے باپ نے ایک جھٹکے سے اُسے صحن میں دھکیلا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی صحن کے وسط میں جا گری۔ اُس کا مُنہ بُری طرح زمین سے ٹکرایا تو تکلیف کے مارے ایک بار پھر وہ چیخ اُٹھی۔ اپنے دُلہے کے ساتھ بیٹھی مرینہ صحن کے وسط میں گری حسینہ کو دیکھ کر ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی جیسے اُسے توقع نہ ہو کہ وہاں حسینہ ہو گی اور اُسے واقعی توقع نہیں تھی کیوں وہ وہاں مُسفرِہ کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس کے منصوبے کے تحت وہاں مُسفرِہ کو ہی ہونا چاہیے تھا۔

"کون تھا وہ؟ بتاؤ کون تھا وہ لڑکا؟" نذیر خان نے اُسے اپنے سامنے کر کے پے در پے اُس کے چہرے پر تھپڑ برساتے ہوئے پوچھا۔ حسینہ کو سانس لینا مشکل لگنے لگا۔ چہرہ جیسے یک دم ہی انگارے برسانے لگا تھا۔

غُصّے اور اہانت سے اُن کا چہرہ بے حد سُرخ پڑ گیا تھا۔ وہاں آئے سبھی مہمان اُن کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ اُن کا مذاق بنا رہے تھے۔ اُن کی تربیت پر سوال اُٹھا رہے تھے۔ بیٹیاں قابو نہیں کر سکے بیٹیاں ہونی ہی نہیں چاہیئیں۔ سب باتیں سُن سُن کر نذیر خان کا اِشتعال مزید بڑھ رہا تھا اور اپنا سارا اِشتعال وہ حسینہ پر اُتار رہے تھے۔ حسینہ کی نتھ اُس کے ناک اور گالوں پر بار بار کُھب کر زخم بنا رہی تھی۔ گلے میں پہنا چاندی کا زیور بھی اُسے چُبھ رہا تھا۔ چادر تو نہ جانے کہاں گر گئی تھی جب کہ ناک اور مُنہ سے اب خُون نکلنے لگا تھا۔ اب وہ ننگے سر مار کھا رہی تھی جب کہ مرینہ دم سادھے کھڑی یُوں جیسے گونگی ہو گئی تھی۔

حسینہ پر لاکھ غُصّہ، اُس سے لاکھ جلن سہی مگر وہ حسینہ کے لیے اِتنا بُرا نہیں سوچ سکتی تھی کہ یہ سب ہو۔ اُس نے تو یہ سب مُسفِرہ کے لیے سوچا تھا۔ دونوں دُلہے بھی حیرت و پریشانی سے سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔ مجمعے میں سے کسی نے بھی آگے بڑھ کر حسینہ کو چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آغا جان ایک طرف کُرسی پر بیٹھے غضب ناک

نِگاہوں سے حسینہ کو دیکھ رہے تھے۔ زرنگار، صائمہ خانم اور ضمیر خان بھی پریشانی و غم سے حسینہ کو پِٹتے دیکھ رہے تھے۔ صائمہ بار بار ضمیر خان کو نذیر خان کو روکنے کا کہہ رہی تھیں مگر وہ کیسے روکتے کہ وہ بڑے تھے اور معاملہ اُن کی عزّت اُن کی بیٹی کا تھا۔

"چھوڑ دیں سائیں! میری بچی کو معاف کر دیں۔ میری بچی کو چھوڑ دیں۔" شاہدہ خاتون سے مزید نہ دیکھا گیا تو وہ آگے بڑھ کر نذیر خان سے اُسے چھُڑوانے لگیں۔ حسینہ چکراتے سر اور جلتا چہرہ لیے اُن کو دیکھنے لگی۔ وہ اِس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ سب کو مُسفِرہ کے بارے میں بتانا چاہتی تھی مگر زبان تھی کہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔ اُس کی حالت قابلِ رحم لگ رہی تھی۔

"خبردار! خبردار جو اُس کی طرف داری کی۔ یہ تُمھاری ہی ڈھیل کا نتیجہ ہے جو آج اِس لڑکی نے اپنے عاشق کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کی ہے۔ بیٹیاں پیدا کر کے احسان کر دیا میرے سر پر! اُن کی تربیت کس نے کرنی تھی؟" نذیر خان نے شاہدہ خاتون پر چِلاتے ہوئے کہا اور واپس حسینہ کی طرف پلٹے جو اُن کی بات سُنتی بُت بن گئی تھی۔

وہ بھاگ تو نہیں رہی تھی؟ وہ تو مُسفرہ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ لوگ ایسا کیوں سمجھ رہے تھے۔ اُس کا باپ اِس غلط فہمی میں اُسے مار رہا تھا کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔

"بول بدذات! کون تھا وہ لڑکا؟ بتا ورنہ آج تیری جان لے لوں گا۔" ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اُنہوں نے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھائے اور پھر وہاں سے ایک چھڑی لے کر آئے۔ یہ چھڑی وہ اکثر رات کو جب باہر نکلتے تھے تو پکڑتے تھے تاکہ کوئی کتا وغیرہ نہ پاس آئے۔

شاہدہ خاتون حسینہ کو خود میں بھینچتی اُس کے چہرے پر بہا خون صاف کر رہی تھیں۔ جا بجا اُس کے ماتھے کو چومتی وہ اُسے اُس کے باپ کے عتاب سے بچا لینا چاہتی تھیں۔ کسی اور کو یقین ہوتا یا نہ ہوتا مگر اُنہیں یقین تھا کہ اُن کی بیٹی ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ حسینہ تکلیف و خوف سے کراہتی ہوئی مسلسل کانپ رہی تھی۔ عبیرہ تو زرنگار کے پیچھے چھپ

کر زار و قطار رو رہی تھی۔ یہ سب اُس نے پہلی بار دیکھا تھا اوپر سے حسینہ کی حالت اُسے ڈرا رہی تھی۔

اُنہیں چھڑی سمیت آتا دیکھ کر ضمیر خان نے آگے بڑھ کر اُنہیں کندھوں سے تھاما۔

"چھوڑ دیں اُسے! وہ مر جائے گی لالہ!" ضمیر خان نے نرمی سے اُنہیں سمجھانا چاہا۔

"مرتی ہے تو مر جائے۔ ایسی ذلیل اولاد ہونے سے بہتر ہے کہ اولاد ہی نہ ہو۔ اِس نے جو حرکت کر کے کالک میرے مُنہ پر مل دی ہے اِس کے بعد اِس کا مر جانا بہتر ہے۔" نذیر خان اُنہیں غُصّے سے پیچھے کرتے جارحانہ انداز میں حسینہ کی طرف بڑھے۔

"اُنہیں روکیں آغا جان! وہ حسینہ کو جان سے مار دیں گے۔" ضمیر خان آغا جان کی طرف بڑھے جو چہرے پر پتھریلے تاثرات لیے حسینہ کو دیکھ رہے تھے۔

"مارنے دو اُسے! تُم مرینہ کا نِکاح پڑھواؤ اور مُسفِرہ کو بُلاؤ۔" آغا جان نے کٹھور پن اور بے حسی سے کہا تو ضمیر خان نے بے یقینی سے اُنہیں دیکھا پھر کوئی چارہ نہ پا کر صائمہ خانم کے پاس آئے۔

"پیچھے ہٹو!" نذیر خان نے شاہدہ خاتون کو پیچھے دھکیلا۔

"ام۔۔۔نے کچھ۔۔۔۔کچھ نہیں کیا۔ مم۔۔۔مُسفِر۔۔۔مُسفِرہ کو وہ۔۔۔۔

وہ۔۔۔۔" حسینہ اٹک اٹک کر بولنے لگی مگر وہ جُملہ بھی مکمل نہیں کر پائی تھی جب ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی جب کہ اُس کے مُنہ سے مُسفِرہ کا نام سُن کر سب چونکے۔ صائمہ خانم جو مُسفِرہ کو بُلانے جانے والی تھیں حیران ہو کر رُکیں مگر ضمیر خان کے اِشارے پر اوپر کی جانِب بڑھ گئیں۔

"مولوی صاحب نِکاح شُروع کریں۔" شیر افگن خان نے مولوی سے کہا جو مجمعے میں کھڑا سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

پسینہ پسینہ ہوئی مرینہ خان حسینہ کے دِفاع میں کچھ بھی نہیں بول سکی نہ اُس کی بے گناہی کی گواہی دے سکی کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ پھِر سب کے دِلوں میں یہ سوال اُٹھے گا کہ وہ یہ سب کیسے جانتی ہے؟ پھِر سب کا شک اُس کی طرف جائے گا۔ یہ سب تو اُس نے مُسفِرہ کے لیے سوچا تھا اور اُس کی جھوٹی کہانی پر یقین کر کے مُسفِرہ وہاں گئی بھی تھی تو وہ کہاں گئی اور اُس کی جگہ حسینہ کیسے پہنچی؟

یہ وہ سوال تھا جِس کا اُسے جواب نہیں مل رہا تھا۔ مُسفِرہ بھی بے وقوف ہی تھی جِس نے مرینہ کی باتوں پر یقین کر لیا تھا حالانکہ اُس نے خُود اپنے کانوں سے اپنی ماں کی زبانی سُنا تھا کہ اُس کے ہونے والے شوہر کی پہلی بیوی کا اِنتقال ہو چُکا ہے۔ مرینہ نے اپنی کسی سہیلی سے مل کر منصوبہ بنایا تھا کہ وہ کسی لڑکے سے کہے کہ وہ اُن کے گھر کے پِچھلے حِصّے میں آئے اور جب مُسفِرہ وہاں ہو تو یہی ظاہِر کرے جیسے وہ اُس کا عاشق ہے اور مُسفِرہ اُس کے ساتھ بھاگ رہی ہے۔ مرینہ کے وہم و گُمان میں بھی نہیں تھا کہ مُسفِرہ اغواہ ہو چُکی ہے۔

"دفع کرواِسے میری نظروں کے سامنے سے!" نذیر خان حسینہ کے بے ہوش اور بے حِس و حرکت پڑے وجود کو دیکھتے ہوئے دھاڑے تو شاہدہ خاتون جلدی سے روزینہ کے ساتھ مل کر حسینہ کو بہ مشکل اُٹھا کر کندھے سے سہارا دیتیں اپنے کمرے کی طرف لے جانے لگیں جب آغا جان نے اُنہیں روکا۔

تبھی حمدان اپنے دو تین کزنز کے ساتھ ہانپتا کانپتا گھر میں داخِل ہوا اور سانس بحال کر کے سنجیدہ تاثرات چہرے پر لیے اُن سب کے قریب آیا۔

"وہ لڑکا ہمیں کہیں نہیں مِلا!" حمدان نے سب کو دیکھ کر بتایا تو نذیر خان کا خُون کھول اُٹھا۔ اُن کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اُس لڑکے کے سو ٹکڑے کر ڈالتے۔ حمدان کی نِگاہ حسینہ پر پڑی تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ حسینہ کا خُوب صورت سا چہرہ اِس وقت خُون اور نیلوں سے بھرا پڑا تھا۔ بایاں گال بھی کافی سوجھ گیا تھا جب کہ شاہدہ خاتون کے کندھے پر جھولتی وہ خُود ہوش و حواس سے بے گانہ تھی۔ حمدان کو اُس پر رحم اور غُصّہ ایک ساتھ آیا۔ دِل میں حسینہ کے لیے پسندیدگی تو اُسی وقت ختم ہو گئی تھی جب اُس نے حسینہ کو کسی غیر لڑکے

کے گلے سے لگے دیکھا تھا۔پٹھان خون تھا، غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔وہ کسی ایسی لڑکی سے مر کر بھی شادی نہیں کر سکتا تھا جِس کے دِل میں کسی دوسرے مرد کی محبّت تھی۔اُس نے حسینہ کے چہرے پر سے نظریں ہٹالی تھیں۔

"حمدان! وہاں چل کر بیٹھو۔ابھی تُمہارا اور حسینہ کا نِکاح ہو گا۔"آغا جان کے حُکم پر اُس نے چونک کر پہلے آغا جان اور پِھر اپنے باپ ضمیر خان کو دیکھا۔

"معاف کیجیے گا آغا جان! مگر مُجھ میں اِتنا ظرف نہیں کہ میں حسینہ سے شادی کر سکوں۔مجھے یہ رِشتہ منظور نہیں۔"حمدان نے نرم مگر دوٹوک انداز میں کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو برخُوردار؟ بھولو مت کہ وہ تُمہاری منگ ہے اور اُس کی شادی تُم سے ہی ہو گی یہ ہمارا فیصلہ ہے۔"آغا جان نے بھڑک کر کہا۔

"تو پِھر آپ کو حسینہ سے اُس کی مرضی پوچھ لینی چاہیے تھی آغا جان! میری منگ ہو کر وہ کسی اور کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کر چُکی ہے اور میں اِس غلطی کو کبھی معاف نہیں کر

سکتا۔ نہ آج نہ کل! میں کبھی بھی حسینہ سے شادی نہیں کروں گا۔" حمدان نے چیخ کر کہا تو آغا جان کا چہرہ غُصّے سے مزید سُرخ ہوا۔

"حمدان! تمیز کا مظاہرہ کرو اور چُپ چاپ آغا جان کی بات مانو۔" ضمیر خان نے حمدان کو ڈپٹ کر کہا۔

"معاف کیجیے گا پلار! مگر میں راضی نہیں ہوں۔" وہ دوٹوک لہجے میں کہہ کر گھر سے ہی باہر نِکل گیا تھا۔ شاہدہ خاتون روتی ہوئیں حسینہ کو کمرے میں لے گئی تھیں۔

آغا جان غُصّے سے لال پیلے ہوتے مرینہ کے نِکاح میں شریک ہوئے۔ مہمانوں کو تو مفت کا تماشا دیکھنے کو مِل گیا تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ اب یہ بات چھپی نہیں رہے گی بلکہ ہر طرف پھیل جائے گی اور اُن کی بے تحاشا بدنامی ہو گی۔ حسینہ کا نہ جانے کیا حشر ہونے والا تھا۔ گھر کا لڑکا اُس سے شادی کرنے کو راضی نہیں تھا تو غیروں سے کیا اُمید کی جاتی؟

مرینہ کے دُلہے نے کوئی بھی اعتراض یا بات کیے بغیر مرینہ سے نِکاح پڑھوالیا تھا جب کہ مُسفرِہ کا دُلہا بھی اب مُسفرِہ کے آنے کا اِنتظار کر رہا تھا۔ یہاں ہوئے تماشوں سے اُن دونوں کو ہی فرق نہیں پڑا تھا۔ اُنہوں نے اپنی اپنی دُلہنوں کا ولور دیا تھا شاید اِس لیے ؟ وہ اپنی رقم ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"مُسفرِہ اپنے کمرے میں نہیں ہے خاناں !" صائمہ ہانپتی کانپتی ضمیر خان کے قریب آکر بولیں تو وہ چونکے۔

"اپنے کمرے میں نہیں ہے تو کہیں اور ہو گی۔ پورے گھر میں دیکھو اُسے ؟" ضمیر خان نے اچھنبے سے اُنہیں دیکھا۔

"وہ اوپر نیچے کسی کمرے میں نہیں ہے۔ وہ پورے گھر میں کہیں نہیں ہے۔" صائمہ خانم نے کہا تو ضمیر خان چونک اُٹھے۔ اُنہوں نے سب کو دیکھا جو اب مُسفرِہ کا اِنتظار کر رہے تھے۔ وہ وہاں سے خُود جا کر مُسفرِہ کو دیکھنے لگے جب آغا جان کے کہنے پر رُکے اور پھِر

اُنہیں مجبوراً آغا جان کو سب بتانا پڑا۔ زرنگار، صائمہ خانم اور عبیرہ سب اب مُسفرِہ کو پورے گھر میں ڈھونڈ رہی تھیں مگر مُسفرِہ وہاں ہوتی تو مِلتی نا؟

"کہاں ہے میری دُلہن؟ اب تک آئی کیوں نہیں وہ؟" مُسفرِہ کا ہونے والا دُلہا سدیس خان اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولا۔ گھر والوں کے چہروں پر چھائی ہڑبڑاہٹ وہ صاف دیکھ چُکا تھا۔

"مُفسرِہ نہیں مل رہی آغا جان!" ضمیر خان صائمہ خانم کے ساتھ پورا گھر دیکھ کر واپس آ گئے تھے مگر مُسفرِہ کہیں نہیں تھی۔ مرینہ کو نہ جانے کیوں ایک کمینی سی خُوش ہوئی تھی لیکن ساتھ میں حیرت بھی کہ مُسفرِہ گئی کہاں؟

"اوہ! تو وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ لگتا ہے دونوں بہنوں نے ایک ساتھ منصوبہ بنایا تھا بھاگنے کا؟" سدیس خان نے تلخ انداز میں کہا۔ ضمیر خان کا چہرہ غُصّے سے تمتما اُٹھا۔ نذیر خان تو یہ سُن کر ڈھے ہی گئے تھے حسینہ کے ساتھ مُسفرِہ بھی؟

"میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔" صائمہ خانم نے سدیس خان کو غُصّے سے دیکھا۔

"یہ بھی یہی کہہ رہے تھے اِنہوں نے تو رنگے ہاتھوں پکڑی ہے فرق بس یہ ہے کہ آپ لوگ پکڑ نہیں سکے۔" سدیس خان نے طنزیہ انداز میں کہا۔

شیر افگن خان کا سر شرمندگی کے مارے جُھک سا گیا۔اُنہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ اُن کی دو پوتیاں ایسی کوئی حرکت کر سکتی تھیں۔ دونوں ہی بے حد سُلجھی ہوئی اور نیک تھیں۔

"ہم نے تو بڑی عزّت و مقام سُنا تھا مگر یہ ہے آپ لوگوں کی عزّت کہ دو دو بیٹیاں گھر سے بھاگ رہی تھیں؟" سدیس خان کی بہن نے چمک کر کہا۔

"دِکھنے میں تو دونوں ہی بڑی شریف تھیں مگر دونوں نے ہی کیا رنگ دِکھایا ہے؟" محلے کی ایک عورت نے کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر کہا۔

"ارے! پڑھ لکھ رہی تھیں۔ لڑکیاں جب پڑھ لکھ جاتی ہیں تو اُنہیں زمانے کی ہوا لگ جاتی ہے دیکھا لگ گئی نہ ہوا؟ نہ ماں باپ کی عزّت کا خیال کیا نہ دادا کی پگڑی کا!" ایک دوسری عورت نے بھی طعنہ مارا تو صائمہ خانم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"ارے شُکر ہے کہ ہم بچ گئے۔ ہم ایسی لڑکی بیاہ کر لے جاتے تو کیا اثر پڑتا ہمارے چھوٹے معصوم بچوں پر!" سدیس خان کی ماں نے کہا۔

"ہم نے بھی اِس خاندان میں شادی کرلی ہے پتا نہیں یہ لڑکی کیسی ہے؟" مرینہ کی ساس نے مرینہ کو گھور کر کہا تو مرینہ گھبرائی۔

"میں ایسی نہیں ہوں میں تو اپنے باپ دادا کی خُوشی میں خُوش ہوں۔" مرینہ نے معصوم سا چہرہ بنا کر کہا۔

"ہو تو اُن کی ہی بہن نا؟ تُمہارے رنگ ڈھنگ بھی دِکھ ہی جائیں گے کیسے ہیں؟" مرینہ کے شوہر کمال خان نے سر جھٹک کر کہا تو مرینہ کا دِل ڈوب کر اُبھرا۔ نہ جانے وہ کیسے لوگ تھے اور اب اِس سب کے بعد اُس کے ساتھ کیسا رویہ رکھتے۔

"اب ہم نے یہاں کیا کرنا ہے چلو واپس!" سدیس کی ماں نے اِتنا کہہ کر سدیس خان کا بازو پکڑا اور پھِر اپنے ساتھ آئے لوگوں کو لے کر واپس چل دی۔ جاتے جاتے سدیس خان کے باپ نے آغا جان کا کندھا تھپتھپا کر گویا حوصلہ دینے کی کوشش کی مگر بولے کچھ نہیں۔

"اب یہ جو یہاں ہے اِس کی بھی رُخصتی کرنی ہے یا گھر پر بِٹھانی ہے؟" مرینہ کی ساس نے چمک کر کہا تو نذیر خان مرے مرے قدموں سے اُٹھے اور مرینہ پر قرآن کا سایہ کیا۔ شاہدہ خاتون اور روزینہ حسینہ کے پاس تھیں۔ صائمہ خانم اور ضمیر اپنی بیٹی کے غم میں نڈھال تھے اور آغا شرمندگی اور ذِلّت کا سامنا نہ کرتے اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئے تھے۔ گاؤں کے لوگ کانوں کو ہاتھ لگاتے وہاں سے چلے گئے تھے۔ نذیر خان اور زرنگار

کے ساتھ عبیرہ، زریاب خان، مُسفِرہ کی نانی اور ماموں اور اُس کی اپنی نانی ہی اُسے رُخصت کرنے باہِر تک آئے تھے.

اُسے گاڑی میں بِٹھاتے وقت نذیر خان نے اُس کا رُخ اپنی طرف کیا۔

"یہاں سے رُخصت ہو کر جا رہی ہو تو عزّت سے اپنے گھر رہنا۔ یہاں سے ڈولی اُٹھی ہے مگر جنازہ وہیں سے اُٹھنا چاہیے۔ مزید بدنامی سہنے کی ہمّت ہے نہ طاقت! جو تحفہ تمہاری بہن نے دیا ہے وہی کافی ہے۔" اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ کرخت انداز میں بولے اور پِھر پیچھے ہٹ گئے۔ نہ چاہتے بھی وہ رونے لگی اور باقی سب سے مِل کر گاڑی میں بیٹھ کر رُخصت ہو گئی۔

"حسینہ مُسفِرہ کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی تُم اُس سے جا کر پوچھو میں حمدان کو لاتا ہوں۔ مُسفِرہ کو ڈھونڈنا ہے۔" ضمیر خان اِتنا کہہ کر باہِر کی جانِب بڑھنے لگے تو صائمہ خانم نے بازو سے تھام کر اُنہیں روکا۔

"اپنی بیٹی پر یقین تو ہے نہ آپ کو؟" صائمہ خانم نے بھیگے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! پورا یقین ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جِس سے اُس کے باپ کی عزّت پر حرف آئے۔ تُم اِسے لے کر اندر جاو۔" ضمیر خان نے کہا تو وہ سر ہلاتی عبیرہ کو لے کر اندر کی جانِب بڑھ گئیں۔

زرنگار اور باقی سب پہلے ہی اندر جا چُکے تھے۔ صائمہ خانم عبیرہ کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر شاہدہ خاتون کے کمرے میں آئیں تو وہ حسینہ کے چہرے پر مرہم لگا رہی تھیں۔

"اب کیسی ہے حسینہ؟" صائمہ خانم نے نرمی سے پوچھا۔

"تُمہارے سامنے ہی ہے دیکھ لو۔" شاہدہ خاتون نے بے بسی سے کہا۔ حسینہ کی حالت اُنہیں خُون کے آنسو رُلا رہی تھی۔ روزینہ بھی دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔

"رُخصتی ہو گئی دونوں لڑکیوں کی؟" شاہدہ خاتون نے یاد آنے پر پوچھا تو صائمہ خانم خُود پر سے اِختیار کھو کر رونے لگیں جِس پر شاہدہ خاتون نے حیرت سے اُنہیں دیکھا۔

"مرینہ کی رُخصتی ہوچُکی ہے لیکن مُسفرِہ۔۔۔۔۔۔۔" صائمہ خانم نے شاہدہ خاتون کو سب کچھ بتایا تو وہ دنگ رہ گئیں۔ مُسفرِہ بھی غائب تھی تو کیا وہ بھی بھاگ گئ تھی؟

"مم۔۔۔ مورے! مم۔۔۔۔۔۔" حسینہ کی کراہتی ہوئی آواز پر وہ دونوں اُس کی طرف متوجّہ ہوئیں۔

وہ ہوش میں آرہی تھی۔ صائمہ خانم نے اُسے سہارا دے کر بِٹھایا اور پِھر گلاس میں پانی بھر کر اُس کے مُنہ سے لگایا جو اُس نے مشکل سے چند گھونٹ ہی پیا کیوں کہ مُنہ کھولتے وقت اُسے بے حد دشواری اور تکلیف کا سامنا تھا۔ گالوں کے ساتھ ساتھ ہونٹ بھی کافی سوجھ گیا تھا۔ آنکھیں الگ جلن کا شکار تھیں۔

"حسینہ! کیوں کیا تُم نے ایسا؟ کیا کمی رہ گئ تھی میری تربیت میں؟ تُم نے مجھے اپنے باپ کے سامنے غلط ثابت کردیا کہ بیٹیاں پیدا کرنا جُرم ہے۔" شاہدہ خاتون نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے حسینہ کو دیکھا جو ہولے ہولے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"اُسے کچھ بولنے دیں آپا! حسینہ بچے! مجھے بتاؤ کون تھا وہ لڑکا؟" صائمہ خانم نے شاہدہ خاتون کو ٹوک کر حسینہ کو مخاطب کیا تو حسینہ کی جلتی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے۔

"ام۔۔ نہیں جج۔۔۔۔ جانتا اُس۔۔۔۔ لڑکے کک کو! ام۔۔۔ تو۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ مُسفرِہ کو۔۔۔ ببب۔۔۔۔ بچارررر۔۔۔۔ رہاتت۔۔ تھا۔ و۔۔۔ وہ اُس۔۔۔ اُس کک۔۔۔ کو لل۔۔۔۔ لے گیا۔" حسینہ نے اٹک اٹک کر اپنی تکلیف کو ضبط کر کے بتایا تو اُس کی بات سُن کر وہ تینوں چونک اُٹھیں۔ صائمہ خانم کا تو دِل ہی دہل گیا تھا۔

"کون؟ کون لے گیا مُسفرِہ کو؟" صائمہ خانم نے ہول کر پوچھا۔

"پپپ۔۔۔ پتا نن۔۔۔ نہیں۔ ام ام۔۔۔ نے کک۔۔۔ کھڑکی سس سے دیکھ۔۔۔ دیکھا کک۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔۔" حسینہ ایک بار اٹک اٹک کر بولتی اُنہیں ساری بات بتانے لگی جسے سُن کر صائمہ خانم کو لگا اُن کا دِل بند ہو جائے گا جب کہ شاہدہ خاتون نے ایک تیکھی

نِگاہ صائمہ خانم پر ڈالی۔ روزینہ البتہ خاموش ہی رہی تھی۔ اُسے تو یہ ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اِس سچویشن میں کس کو تسلّی دے؟

"بھاگی تُمھاری لڑکی ہے اور سزا میری لڑکی کو مل گئی۔ اِس کے ناکردہ گناہ پر اِسے مار مار کر اِس کے باپ نے ادھ موا کر دیا بغیر اِس کی کوئی بھی بات سُنے صِرف تُمھاری لڑکی کی وجہ سے! یہ تو نیکی کرنے گئی تھی اُس کے ساتھ اور اِلزام اِسی پر آ گیا۔" شاہدہ خاتون نے تڑخ کر کہا تو صائمہ خانم نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"بھاگی نہیں ہے میری بیٹی! حسینہ نے کہا نا کہ اُسے کوئی اُٹھا کر لے گیا؟" صائمہ خانم نے تیزی سے اُن کی نفی کی۔ دِل البتہ مُسفِرہ کے بارے میں سُن کر خوف سے بھر چُکا تھا۔

"کیا پتا یہ سب اُس کا کوئی ڈرامہ ہو تا کہ کوئی اُسے بُرا نہ سمجھے۔ ایک کی بجائے دو دو عاشق پالے ہوئے تھے ابھی بتاتی ہوں سب کو جا کر!" شاہدہ خاتون تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مم۔۔۔مورے! وہ خخ۔۔۔خود نن۔۔۔۔۔۔نہیں گیا۔وہ۔۔۔زبر۔۔۔۔زبردستی اُس۔۔۔اُسے لے کر۔۔۔۔گیا ہے۔وو۔۔۔وہ خود کو۔۔۔۔چھُڑوا رر۔۔۔رہا تھا۔۔۔اُن سے!" حسینہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر اُنہیں روکنا چاہا مگر اُنہوں نے اپنا ہاتھ چھُڑوایا اور تیزی سے باہر نِکل گئیں۔

صائمہ خانم روزینہ کو حسینہ کا خیال رکھنے کی تلقین کر کے خود بھی اُن کے پیچھے ہی کمرے سے باہر نِکل گئیں۔شاہدہ خاتون نے نذیر خان کو زرنگار کے کمرے سے باہر بُلوا کر حسینہ کی زبانی معلوم ہوئی ساری بات بتادی تھی مگر اُنہوں نے اُس سب پر یقین کرنے سے اِنکار کر دیا تھا یہ کہہ کر وہ خود کو بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے۔وہ واپس زرنگار کے کمرے میں چلے گئے تھے۔شاہدہ خاتون آغاجان کے پاس آئی تھیں مگر اُنہوں نے دروازہ ہی نہیں کھولا تھا۔شاہدہ خاتون مُسفِرہ کو لعن طعن کرتی اپنے کمرے میں واپس چلی گئی تھیں۔

ضمیر خان اور حمدان ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ صائمہ خانم اپنے کمرے میں واپس آ گئیں جہاں عبیرہ اُن کا اِنتظار کرتی کرتی سو چُکی تھی۔ صائمہ خانم بھی بیڈ کے ایک کونے پر ٹِک گئی۔ اُن کی جوان بچّی غائب تھی اُن کی تو پوری رات ہی آنکھوں میں کٹنے والی تھی۔

"ارے رُک !بھاگ کہاں رہی ہے؟ "اپنے پیچھے آواز سُن کر وہ بغیر پیچھے مڑے مزید تیزی سے بھاگنے لگی۔ جِس قدر وہ بھاگ سکتی تھی بھاگ رہی تھی۔ یہ کوئی انجان سا علاقہ تھا جِس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ بس جِدھر راستہ نظر آتا جا رہا تھا وہاں وہاں وہ بھاگتی جا رہی تھی۔ بھاگ بھاگ کر اُس کا سانس پھول چُکا تھا لیکن اگر وہ سانس بحال کرنے کے لیے بھی رُکتی تو وہ آدمی اُسے پکڑ لیتا اور ایسا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی۔

اچانک وہ زوردار ٹھوکر کھا کر زمین پر جا گری۔ اُس کی کہنیاں اور ہاتھ زور سے زمین سے ٹکرائے تو اُس کے ہاتھ اور کُہنیاں چِھل گئیں۔ جلن اور درد کی ایک شدید لہر اُٹھی تو وہ کراہ کر رہ گئی۔ اُس کا جوتا ٹوٹ گیا تھا تبھی وہ گری تھی۔ سر پر اوڑھی چادر اِک طرف ڈھلکنے لگی جب کہ بال مزید بِکھر گئے تھے۔

اُس نے خُود کو سنبھال کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پِھر خون آلود ہوتی ہتھیلیوں پر زور ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہمّت ہار جاتی تو اپنی سب سے قیمتی جمع پونجی اپنی عزت کھو دیتی اور ایسا وہ مر کر بھی نہیں ہونے دے سکتی تھی تبھی آگے بڑھنے لگی۔ مزید بھاگنے کی اُس میں ہمّت نہیں تھی۔ کل سے اُس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ ایک تو شادی کی مصروفیات دوسرا وہ اِتنی ٹینشن میں تھی کہ کچھ کھا پی بھی نہیں سکی تھی اوپر سے جِس نے اُسے اغواہ کیا تھا اُس نے اُسے کھانے پینے کو کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ چہرے کو چادر کی اوٹ میں کرتی وہ اب کچھ گنجان آباد علاقے میں آ گئی تھی۔ یہاں کچھ لوگ تھے ایسے میں کوئی اُسے پکڑ کر زبردستی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ وہ سڑک کنارے لگے ایک درخت کی چھاؤں

میں بیٹھ گئی۔ اپنا پورا وجود اُس نے چادر سے چھپا لیا تھا۔ گٹھڑی بنی بیٹھی وہ سب کچھ یاد کر کے دبی آواز میں رونے لگی۔ آتے جاتے لوگ اُسے فقیرنی سمجھ کر اُس کے آگے پیسے ڈالنے لگے تو اُس نے بے بسی کی عملی تصویر بنے آسمان کی طرف دیکھا۔

اُس پر کبھی یہ دِن بھی آئے گا اُس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ زِندگی اُسے کس موڑ پر لے آئی تھی کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہاں جائے۔ اپنے گھر کے علاوہ اُس کی اور کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور گھر سے محفوظ جگہ اُس کے لیے کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اُسے گھر جانا تھا اپنے گھر جہاں اُس کے اپنے تھے لیکن اُس کے لیے پیسے چاہیے تھے۔ اُس نے کچھ جِھجھک کر اپنے سامنے پڑے پیسے اُٹھا کر گنے جو محض دو سو روپے تھے۔ اُس نے وہ پیسے اُٹھا کر مُٹھی میں بند کیے اور یہاں وہاں دیکھا تا کہ کسی سے پوچھ سکے وہ کہاں ہے اور اپنے علاقے سے کِتنی دور ہے۔

"سُنیں؟" اُس نے سامنے سڑک کنارے کھڑے ایک پریشان حال شخص کے قریب پہنچ کر اُسے مخاطب کیا تو وہ نوجوان اُس کی طرف پلٹا جو بلا شبہ بے حد حسین تھا۔ لمبے قد کا مالک اور خُوب صورتی کا پیکر جو اُس کی پُکار پر اُس کی طرف متوجّہ ہوا تھا۔

"میری مدد کریں گے آپ؟" اُس نے سامنے کھڑے نوجوان سے پوچھا۔ آنکھوں میں آس اور اُمید تھی جیسے وہ نہ نہیں کرے گا۔ اُس نوجوان نے نا سمجھی سے اُسے پیر سے لے کر سر تک دیکھا اور پِھر نفی میں سر ہلا دیا۔ جس پر اُس کا مُنہ غم سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

وہ سب لوگ صبح کے پانچ بجے گھر کو لوٹے تھے۔ اُن کے آنے کے کچھ دیر بعد ہی عُبید سیال بھی واپس آ گئے تھے۔ وہ ہسپتال سے ہو کر آئے تھے اور چینج کرنے کے بعد واپس ہسپتال جانے والے تھے۔ پولیس والوں نے تو کہا تھا کہ چوبیس گھنٹوں سے پہلے وہ گُمشدگی کی رپورٹ درج نہیں کریں گے لیکن عبید سیال نے اپنے سورسز اِستعمال کر کے کام کروا لیا تھا۔ سعدیہ بیگم کو ہسپتال میں ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ اُنہیں مائنر ہارٹ اٹیک ہوا

تھا۔ ابھی تک اُنہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ ہسپتال میں اُن کے پاس حمدہ، سفینہ بیگم اور حاطب رُکے تھے۔ حمدہ کی دونوں بیٹیاں، عدن، امن اور نسیمہ بیگم ڈرائیور کے ساتھ واپس گھر آ گئے تھے۔

منیحہ غائب تھی چاہے وہ اپنی مرضی سے گئی تھی مگر وہ اِس گھر کی عزّت تھی۔ اُس کا یوں غائب ہو جانا اور نہ ملنا اچھا نہیں تھا۔ امن جو کل رات تک منیحہ کے یوں کہیں چلے جانے پر بے حد بگڑا ہوا تھا بے اب وہی امن حد درجہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ نیند اُس کی آنکھوں سے غائب تھی۔ منیحہ نہیں مل رہی تھی یہ بات اُسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ خُود منیحہ کو ڈھونڈنے جانے کا اِرادہ رکھتا تھا لیکن عُبید سیال نے اُسے منع کر دیا تھا کہ وہ اِتنے بڑے شہر میں اُسے کہاں ڈھونڈے گا لیکن جیسے ہی عُبید سیال ہسپتال گئے تھے وہ تیزی سے منیحہ کے کمرے میں گیا۔ وہاں جا کر اُس نے اُس کے دراز وغیرہ چیک کیے تھے اور اِس کے بعد اُس نے منیحہ کا یُونیورسٹی بیگ کھنگالا تھا جہاں سے اُسے منیحہ کی فون نمبر زوالی مِنی ڈائری مل گئی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ منیحہ اپنے پاس نمبرز والی مِنی ڈائری رکھتی ہے تا کہ اگر اُس کا فون خراب یا گُم ہو جائے تو اُس کے پاس نمبرز سیو رہیں۔ سِمز میں وہ نمبر سیو نہیں کرتی تھی اُسے نہ جانے کیا سیکیورٹی ایشوز تھے۔ ڈائری سے اُسے چند ایک نمبرز ہی ملے تھے جِن میں سے زیادہ تر گھر والوں کے نمبرز تھے۔ اُسے ڈائری سے بس ایک مریم کا ہی نمبر مِلا تھا۔ اُس نے مریم کو فون کر کے پوچھا تھا کہ کہیں وہ اُس کے پاس تو نہیں آئی مگر مریم نے اِنکار کر دیا تھا جِس پر وہ مزید بے چین ہوا تھا۔

اُس کے لہجے سے امن کو بِالکل نہیں لگا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے کیوں کہ اُس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

عُبید سیال کے گھر سے جاتے ہی وہ خُود بھی اپنی

گاڑی لے کر نِکل گیا تھا۔ وہ منیحہ کو ڈھونڈنا چاہتا تھا وہ بس مل جاتی کہیں بھی کسی بھی جگہ! امن کو چین نہیں پڑ رہا تھا جانے کیوں مگر اُس کا دِل گھبراہٹ کا شکار تھا۔ اُس کا روم روم بس منیحہ کے مل جانے کی دعا کر رہا تھا۔ وہ بار بار فون مِلا رہا تھا مگر آگے سے فون مسلسل

بند جا رہا تھا۔ یہاں وہاں گاڑی سے اُتر اُتر کر وہ فون سے منیحہ کی تصویر نِکال کر لوگوں سے منیحہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا کہ کسی نے تو اُسے دیکھا ہو گا مگر اُس کی ہر کوشش ناکام جا رہی تھی۔ کسی نے منیحہ کو نہیں دیکھا تھا کوئی منیحہ وڑائچ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

وہ اُس پارلر کی طرف بھی گیا تھا جہاں سے منیحہ غائب ہوئی تھی اُس پورے راستے میں لوگوں سے اُس نے منیحہ کے بارے میں ہو چھا مگر نتیجہ صفر ہی نِکلا تھا۔ امن اپنے بال نوچنے کے درپے آ گیا تھا۔ ایک جگہ گاڑی روک کر وہ اسٹیرنگ پر سر رکھ کر بے بسی سے رو دیا۔

"منیحہ وڑائچ! کہاں ہو تُم؟ کہاں ہو؟" بھیگے لہجے میں بڑبڑاتا وہ اسٹیرنگ سے سر اُٹھا کر اپنے موبائل میں موجود منیحہ کی تصویر دیکھنے لگا جِس میں وہ مُسکرا رہی تھی۔

معصوم، بے ریا سی مُسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی تھی۔ امن سیال آنسو بہاتا یک ٹک اُسے دیکھے گیا۔ یہ بیس سالہ لڑکا وہ امن سیال تو نہیں لگ رہا تھا جِسے منیحہ سے شدید

نفرت تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی امن سیال تھا۔ منیحہ وڑائچ کی فکر میں گُھلتا ہوا، اُس کو کھوجتا ہوا، اُس کے لیے پریشان ہوتا ہوا! یہ نفرت تھی تو کیسی نفرت تھی؟ یا پھر محبّت تھی تو کیسی نفرت میں لپٹی محبّت تھی؟ یہ محبّت تھی، عجیب سی نفرت یا پھر پچھتاوا؟

مُسفِرہ کو غائب ہوئے آج تیسرا دِن تھا۔ وہ حمدان کو ملی تھی نہ ہی ضمیر خان کو! صائمہ خانم کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ اُن کی پھول جیسی بچّی نہ جانے کس حال میں تھی۔ صحیح سلامت بھی تھی یا نہیں وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھیں۔ وہ بس جلد از جلد اُس کے صحیح سلامت مل جانے کی دُعا کر رہی تھیں جب کہ آغا جان نے صاف کہہ دیا تھا کہ اُس کی اِس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ صائمہ خانم نے اُنہیں حسینہ کی زبانی معلوم ہوئی ساری بات بتا دی تھی لیکن نذیر خان کی طرح اُنہوں نے بھی اِس سب کو سچ ماننے سے اِنکار کر کے حقیقت کو جھٹلا دیا تھا۔

ضمیر خان البتہ اِس کو سچ مانتے تھے اور کیوں نہ مانتے اُنہیں اپنی بیٹی پر یقین تھا۔ وہ اُسے ہر حال میں ڈھونڈ کر واپس لانے والے تھے بھلے ہی آغا جان اُسے گھر میں نہ آنے دیتے مگر ضمیر خان اپنے بیوی بچوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرنے والے تھے۔ آغا جان دوسرے دِن کمرے سے باہِر نکلے تھے اور نکلتے ہی اُنہوں نے حسینہ کو گھر کے پیچھے بنے ایک کمرے میں ڈلوادیا تھا۔ وہاں ایک پلنگ اور ایک الماری کے علاوہ بس ایک باتھ روم تھا۔ یہ کمرہ پہلے سٹور کے طور پر اِستعمال ہوتا تھا مگر بعد میں خالی کر دیا گیا تھا۔ کمرے کے باہِر تالا لگایا گیا تھا تاکہ وہ کہیں باہِر نہ نِکل سکے۔ روزینہ کو سکول سے اُٹھالیا گیا تھا کہ نذیر خان کو لگتا تھا کہ یہ بھی پھِر ایسی ہی حرکت کرے گی۔ شاہدہ خاتون نے بہت واویلا کیا تھا کہ حسینہ کو وہاں بند نہ کیا جائے نہ ہی روزینہ کو سکول سے ہٹایا جائے مگر اُن کی ایک نہیں

سُنی گئی تھی۔

مُسفِرہ اور حسینہ کے ننھیال والے اگلے ہی دِن واپس چلے گئے تھے۔ باقی مہمان بھی جا چُکے تھے۔ مرینہ کے ولیمے میں بھی کوئی شریک نہیں ہوا تھا نہ ہی مرینہ مکلاوے کی رسم

کے لیے آئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں کیسی تھی کسی نے کچھ خبر نہ لی تھی کہ گھر میں اور بھی بڑے مسئلے مسائل تھے۔ زر نگار ہر وقت نذیر خان کی دِل جوئی کرتی رہتی جِس پر وہ کچھ ٹھنڈے پڑتے مگر جیسے ہی زر نگار حسینہ کی طرف داری کرتی تو وہ پھِر سے بھڑک جاتے۔

وہ اِس بارے میں کچھ بھی سُننا نہیں چاہتے تھے۔ اُنہوں نے شاہدہ خاتون سے بات کرنا اور اُن کے کمرے میں جانا تک چھوڑ دیا تھا۔ شاہدہ خاتون جلتی کڑھتی رہتیں مگر اُن کی کوئی بات نہ مانی جاتی۔ وہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ نہ کچھ بڑبڑاتی رہتیں۔ روزینہ گُم صُم سی کچن میں ماں اور چچی کا ہاتھ بٹاتی رہتی۔ دوسری طرف عبیرہ خان گھر کے ماحول سے ڈری سہمی رہتی تھی۔ ہر طرف ایک سناٹا سا چھایا رہتا تھا جِس پر وہ ہول کر زریاب خان کے ساتھ کھیلنے لگتی۔

آغا جان نے اُسے بھی سکول سے ہٹانے کا حکم دیا تھا مگر ضمیر خان نے سو تاویلیں دے کر اُنہیں راضی کیا تھا کہ ابھی وہ محض آٹھ سال کی تھی جو زمانے کی اونچ نیچ سے ناواقف تھی۔ اُسے بس پانچویں جماعت تک پڑھنے دیا جائے۔ نذیر خان اِس حق میں نہیں تھے

لیکن آغا جان نے ضمیر خان کو رعایت دے دی تھی۔ حمدان البتہ مُسفرِہ کے لیے بے حد پریشان تھا وہ جتنا اُسے ڈھونڈ سکتا تھا ڈھونڈ رہا تھا۔ آج کل وہ زیادہ تر شہر میں ہی پایا جاتا تھا تاکہ مُسفرِہ کو ڈھونڈ سکے۔

حسینہ کو اُس نے دوبارہ نہیں دیکھا تھا نہ ہی دیکھنے کی چاہ کی تھی۔ اُس کے دِل میں حسینہ کے لیے اب کچھ نہیں بچا تھا سِوائے ہمدردی کے! اُسے بھی حسینہ کی بتائی گئی باتوں پر یقین آگیا تھا مگر وہ اب بھی اپنے حسینہ سے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر قائم تھا شاید اِس لیے کہ اُس کے دِل میں حسینہ کے لیے بال آگیا تھا۔ وہ اِس بات کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا تھا کہ اِس سب کے بعد بھی اگر وہ حسینہ سے شادی کر لیتا ہے تو وہ حسینہ کو خُوش رکھے گا۔

اُس نے آغا جان سے حسینہ پر نرمی کرنے اور اُسے اُس کمرے سے نِکالنے کی درخواست کی تھی مگر آغا جان کی ڈیمانڈ پر وہ چُپ سادھ کر اِس معاملے میں چُپ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ حسینہ سے شادی کر لے گا تو وہ اُسے وہاں سے نِکال لیں گے اگر نہیں تو وہ اِس

معاملے میں چُپ رہے۔ صائمہ خانم نے حمدان کو سمجھایا تھا کہ وہ حسینہ کے لیے کچھ بُرا نہ سوچے بلکہ اُس کا ہاتھ تھام لے۔ اُس نے مُسفرِہ کو بچانا چاہا تھا مگر خُود بدنامی کا شکار ہو گئی تھی مگر حمدان کا دِل نہیں مانا تھا جِس پر وہ پھِر سے اِنکار کر چُکا تھا۔

ضمیر خان نے علاقے کے تھانے میں رپورٹ کروانی چاہی تھی مگر شیر افگن خان نے منع کر دیا کہ وہ مزید بدنامی برداشت کرنے کے مُتحمل نہیں ہو سکتے۔ ضمیر خان بھی اب اکثر شہر جاتے رہتے تھے لیکن تا حال مُسفرِہ کا کچھ بھی پتا نہیں چلا تھا۔ روزینہ اِس وقت حسینہ کو کھانا دینے آئی تھی۔ اُنہیں بس تین ٹائم چابی مِلتی تھی وہ بھی صِرف اِس لیے کہ حسینہ کو تین وقت کھانا دیا جا سکے۔

"آپا! کیسا ہو تُم؟" روزینہ نے حسینہ کو دیکھ کر پوچھا جو پلنگ کے پائے سے ٹیک لگائے زمین پر بچھی دری پر بیٹھی ہوئی نہ جانے کِن سوچوں میں گُم تھی۔

"آں؟ ام؟ ام ٹھیک اے۔" حسینہ نے چونک کر ہولے سے سر ہلا کر جواب دیا۔

"اب درد تو نہیں ہو رہا؟" روزینہ نے ترحم سے اُس کے چہرے پر پڑے نیلوں کو دیکھا۔

"یہاں جلن ہے اور یہاں درد! کس کس چیز کا غم کرے ام؟" حسینہ نے پہلے اپنے چہرے اور پھر اپنے دِل پر ہاتھ رکھ کر بے بسی سے روزینہ کو دیکھا جو افسردہ سی اُس کے پاس بیٹھی اُسے دیکھ رہی تھی۔

"پلار نے امارے کو سکول سے اُٹھالیا۔" روزینہ نے اُسے بتایا تو حسینہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"تُم کو کیوں؟" حسینہ کے پوچھنے پر روزینہ نے اُسے بتایا تو وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

کسی اِیک کی غلطی کی سزا نہ جانے کیوں بِنا سوچے سمجھے دوسروں کو دے دی جاتی تھی۔ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ ایک بیٹی گھر چھوڑ کر چلی جائے تو باقی دوسری بیٹیوں کی یا تو جلدی شادی کر دی جاتی تھی یا پھر پڑھائی سے اُٹھالیا جاتا تھا مگر یہاں تو غلطی اُن میں

سے کسی کی بھی نہ تھی۔ حسینہ کو سمجھ میں نہیں آیا کہ روزینہ کو کیسے تسلّی دے۔ وہ خُود کے لیے کچھ نہیں کر پائی تھی تو روزینہ کے لیے کیسے کچھ کر سکتی تھی۔

"ایک بات بتاوامیں ؟" حسینہ کچھ دیر کی چپی کے بعد بولی تو وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"کیا تُم کو بھی لگتا اے کہ ام نے جھوٹ بولا تھا؟" حسینہ نے پوچھا تو وہ فی الفور نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں آپا! امیں ایسا نہیں لگتا۔ ام کو پتا ہے کہ تُم جھوٹ نہیں بولتا۔ تُم نے جو کچھ کہا امیں اُس پر یقین اے مگر آپا! مُسفِرہ آپا کو کون لے گیا ہو گا؟ کسی کا اِتنی ہمّت کیسے ہو گیا کہ کوئی گھر میں آکر اُسے لے جائے اور کسی کو پتا بھی نہ چلے اور اُس کا کسی سے کیا دُشمنی تھا؟" روزینہ نے پوچھا تو حسینہ چونک اُٹھی۔

یہ تو اُس نے بھی نہیں سوچا تھا کہ کوئی اُسے کیوں لے گیا اور وہ گھر تک آیا تو آیا کیسے ؟ سب سے اہم بات کہ وہ آبھی گیا تھا تو مُسفِرہ وہاں کیا کرنے گئی تھی؟ وہ مُسفِرہ کو اچھے سے

جانتی تھی وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کرسکتی تھی اور اُس نے خُود دیکھا تھا کہ وہ اُس آدمی سے بچنے کو مزاحمت کر رہی تھی لیکن وہ آدمی تھا کون؟؟؟

"یہ تو ام بھی نہیں جانتا۔ وہ جو بھی تھا لگ تو دُشمن ہی رہا تھا لیکن مُسفِرہ سے کیسا دُشمنی؟" حسینہ نے پُر سوچ انداز میں کہا۔ روزینہ بھی سوچ میں ڈوبی مگر دونوں کو ہی اپنے سوال کا جواب نہ مِلا تھا۔ روزینہ کچھ دیر بیٹھ کر اُس کا غم غلط کرتی رہی اور پِھر اُسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے باہِر کی جانِب بڑھ گئی۔ جانے سے پہلے وہ تالا لگانا کہ بھولی تھی کہ اگر نہ لگاتی تو آغا جان نہ جانے اُس کا کیا حشر کرتے؟

"سُنو حمدان! پانی ملے گا کیا؟" اُس نے اُس خوبرو جوان سے پوچھا جِس نے اپنا نام حمدان خان بتایا تھا۔

حمدان نے پلٹ کر اُس فقیرنی کو دیکھا۔ اُسے وہ کم از کم فقیرنی ہی لگی تھی۔ مہذب فقیرنی! اُس کا لہجہ کافی مہذب تھا جِس سے اُسے احساس ہوا تھا کہ وہ پڑھی لکھی تھی۔ اُس کے کپڑے میلے کچیلے تھے، جو تاندار د تھا جب کہ بال جو بالکل چھوٹے سے تھے وہ بھی اُلجھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ حمدان کو تو اُس کے بال چھوٹے ہی لگے تھے اور لگتے بھی کیوں کہ اُن کے ہاں تو سب ہی لڑکیوں کے بال کافی لمبے اور گھنے ہوا کرتے تھے۔

منیحہ کو چلنے میں مسئلہ ہو رہا تھا یہ بات حمدان کو جلد ہی پتا چل گئی تھی جب وہ منیحہ کو گھر لا رہا تھا۔ مُسفرِہ کی گُم شُدگی کے باعث اُس نے شہر میں ہی کرائے کا گھر لے لیا تھا تا کہ مُسفرِہ کو آسانی سے ڈھونڈ سکے۔ منیحہ آج ہی اُسے ملی تھی۔ پہلے پہل وہ اُسے کوئی فراڈن سمجھا تھا کیوں کہ اُس نے شہر کے لوگوں کے بارے میں سُن رکھا تھا کہ شہری لوگ بہت فراڈی اور ٹھگ ہوتے ہیں جِن سے نیکی مہنگی پڑتی ہے مگر منیحہ نے اُسے جلد ہی سب کچھ بتا دیا تھا کہ وہ کیسے یہاں تک پہنچی۔

اُس کی زُبانی ساری کہانی سُن کر حمدان کو وہ مُسفِرہ کے جیسی لگی تھی۔ مُسفِرہ کے ساتھ بھی تو تقریباً وہی کچھ ہوا تھا جو منیحہ کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کی بہن کس حال میں ہے مگر وہ کسی اِکی بہن کی مدد کر کے اُس کی عزّت کی حِفاظت کر سکتا تھا۔ شاید اللہ کہیں اُس کی بھی مدد کے لیے کسی اچھے اِنسان کو بھیج دے کیوں کہ اُسے یقین تھا کہ نیکیاں پلٹ کر واپس آپ تک آتی ہیں۔

"ام ابھی لاتا ہے۔" منیحہ کو وہ پشتو لب و لہجے میں اُردو بولتا ہوا بے حد کیوٹ لگا تھا تبھی وہ بار بار اُسے مخاطب کر رہی تھی۔ پہلے جہاں وہ بے حد گھبرائی اور ڈری ہوئی تھی اب کچھ مُطمئن ہو گئی تھی۔ یہ پٹھان لڑکا دِکھنے میں شریف ہی لگ رہا تھا ویسے بھی اُس نے سُنا تھا کہ پٹھان بہت غیرت مند ہوتے ہیں۔

یہ دو کمروں کا گھر تھا جِس میں پتھر وغیرہ کچھ نہیں لگا تھا ہوا تھا۔ فرش سیمنٹ کا تھا۔ دیواروں پر سُنہرے رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا۔ پورے گھر میں ایک باتھ روم تھا۔ کچن بھی ایک ہی تھا جو سیڑھیوں سے نیچے تھے۔ اوپر سیڑھیوں والا ہی کمرہ تھا اور چھت پر

چار دیواری تھی۔ گھر میں مناسب سا سامان تھا۔ دونوں کمروں میں پرانی طرز کے بنے دو ڈبل بیڈ اور ایک ایک الماری کے ساتھ ایک ایک کُرسی! چھوٹا سا برآمدہ تھا جس کے ایک طرف ٹیبل پر ٹی وی رکھا گیا تھا جب کہ ایک طرف اِستری سٹینڈ تھا۔ یہ گنجان آباد علاقہ تھا جہاں ہمسائیوں کی دیواریں بالکل ساتھ ساتھ تھیں کہ ساتھ والے گھر میں ہونے والا شور صاف سُنائی دے رہا تھا۔ چھوٹا سا صحن بھی تھا جِس کے ایک طرف کیاری بنی ہوئی تھی جو گلاب کے پودوں پر مشتمل تھی جب کہ ساتھ ہی بیرونی گیٹ تھا۔

منیحہ پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد برآمدے میں رکھی چارپائی پر بیٹھ گئی اور آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگی۔ کل تک کہاں اُس کی شادی ہو رہی تھی اور آج کہاں وہ اپنے شہر سے دور آ کر نہ جانے کس علاقے میں بیٹھ گئی تھی۔ حمدان نے جب سڑک پر اُس کی مدد کرنے سے اِنکار کیا تھا تو اُس نے رِشوت کے طور پر وہی دو سو روپیہ اُسے دے دیا تھا جو اُسے راہ گیروں نے دیا تھا جِس پر وہ بِگڑ گیا تھا اور پشتو زبان "بے غیرت درتہ اوم ہ؟ (بے غیرت سمجھا ہے کیا؟)" کہا تھا جِس کی اُسے سمجھ تو نہیں آئی تھی مگر اِتنا ضرور

پتا چل گیا تھا کہ اُسے منیحہ کی بات پسند نہیں آئی۔اُس کا دو سو روپیہ وہ واپس اُسے تھما چُکا تھا۔

"یہ لو پانی!"حمدان کی آواز سُن کر وہ سوچوں سے باہِر آئی اور اُس کے ہاتھ سے سٹیل کا گلاس تھام کر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔

"جو شہر تُم بتاتا ہے وہ یہاں سے دور ہے۔ام تُم کو پیسہ دیتا اے۔تُم خُود چلا جائے گا؟"حمدان نے اُس کے سامنے کُرسی رکھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اکیلی نہیں جاسکتی۔اگر پِھر کسی نے مجھے پکڑ لیا تو میں کیا کروں گی؟کیا تُم مجھے میرے گھر تک چھوڑ سکتے ہو؟"منیحہ نے پانی پی کر گلاس چارپائی کے قریب نیچے رکھ کر کہا تو حمدان نے ناگواری سے اُس کی یہ حرکت دیکھی۔

تیزی سے اُٹھ کر وہ گلاس لے کر کِچن میں چلا گیا اور وہاں رکھ کر آیا۔

"ام یہاں کسی کام کے واسطے آیا ہے ام تُمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہے؟" حمدان نے کندھے اُچکائے۔

"کیسا پٹھان اے تُم؟ تُم میں غیرت نہیں ہے کیا جو تُم ایک لڑکی کو اِتنا دور اکیلا سفر کرنے کو کہہ رہا ہے؟" منیحہ نے اُسی کے لب و لہجے میں بولتے ہوئے اُسے غیرت دِلانی چاہی۔

"امارا نقل مت اُتارو اور ام بہت غیرت والا ہے مگر۔۔۔۔" حمدان اُسے غُصّے سے دیکھتا کچھ بولنے ہی لگا تھا جب منیحہ نے اُس کی بات کاٹی۔

"تو پِھر ام کو فرسٹ ایڈ باکس لا کر دے دوا میں پٹی کرنا اے!" منیحہ اب بھی باز نہیں آئی تھی جِس پر وہ اُسے گھورتا ہوا اُٹھا اور سامنے والے کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈِبہ تھا۔ وہ ڈِبہ لا کر حمدان نے اُس کے قریب چارپائی پر رکھا اور خُود پِھر سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"اب تُم کیا چاہتا اے؟" حمدان نے اُسے دیکھ کر پوچھا جو سفید رنگ کی پٹی سے نبرد آزما تھی۔

"ام پٹی کرنا چاہتا اے مگر خاناں! یہ پٹی ہو نہیں رہا ہے کیا تُم اماری مدد کردے گا؟" منیحہ نے ہاتھ اور پٹی اُس کے سامنے کر کے کہا تو حمدان کا دِل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

وہ اُس کے یہاں سے جانے کی بابت پوچھ رہا تھا مگر وہ اپنے ہی مسئلے لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"نہیں! یہ تُم خود کرو۔ام لڑکیوں کو ہاتھ نہیں لگاتا اے۔" حمدان نے دوٹوک اِنکار کیا۔

"کیوں لڑکیاں تُم کو کاٹتا اے؟" منیحہ نے ابرو اُچکا کر پوچھا۔

خراشوں پر پائیوڈین لگانے سے اُسے کافی جلن ہو رہی تھی جِسے وہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں! ام کو اچھا نہیں لگتا۔" حمدان نے سادگی سے جواب دیا۔

"اپنی بیوی کو کیسے ہاتھ لگاؤ گے؟" منیحہ کی زبان پِھسلی۔ کسی اِجنبی سے یوں بے تکلف ہونا مناسب تو نہیں تھا مگر اُسے یہ پٹھان کافی دِلچسپ لگ رہا تھا۔

"بیوی بیوی ہوتا اے۔ اُس کی بات الگ ہوتا اے۔ تُم امارا بیوی نہیں ہو۔ ام کیسے تُم کو ہاتھ لگا سکتا اے؟" حمدان سوال کے بدلے سوال کرنے لگا۔

"تھوڑی دیر کے لیے سمجھ لو کہ میں تُمہاری بیوی ہوں۔" منیحہ نے بے ساختہ کہا مگر پِھر حمدان کی پھٹی آنکھیں دیکھ کر اُسے احساس ہوا کہ وہ کیا بول گئی ہے۔

"میرا مطلب ہے کہ تُم دیکھ رہے ہو کہ مُجھ سے اپنے زخم پر پٹی نہیں ہو رہی تو اِنسان سمجھ کر ہی میری مدد کر دو؟" منیحہ نے ہڑ بڑا کر وضاحت کی کہ وہ اُسے کوئی غلط لڑکی نہ سمجھ لے۔

حمدان کچھ دیر سوچتا رہا اور پِھر سر ہلا کر کُرسی اُس کے قریب کر کے اُس کے زخموں پر پٹی باندھنے لگا یوں کہ اُس کے ہاتھ ذرا سے بھی منیحہ کے ہاتھوں سے ٹچ نہیں ہو رہے تھے۔

منیحہ بغور اُسے دیکھے گئی جِس کے چہرے پر سادگی اور کچھ درجہ معصومیت تھی۔ وہ یقیناً کسی شریف گھرانے سے تھا جو بِنا کسی غرض کے اُس کی مدد کر رہا تھا۔

"ہو گیا۔" حمدان نے پٹی باندھ کر کہا تو منیحہ چونک کر اُس کی ذات سے باہر نِکلی۔

"تُمہارا بہت شُکریہ! کیا تُم مجھے میرے گھر پہنچا دو گے؟" منیحہ نے اب کی بار کچھ سنجیدگی سے اُس سے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑا۔

وہ کبھی کسی دوسرے بڑے شہر نہیں گیا تھا اور باپ دادا کی اِجازت کے بغیر تو بِالکل نہیں نہ ہی جا سکتا تھا۔ اب بھی اگر اُسے چھوڑنے جاتا تو پہلے اُسے ضمیر خان کی اِجازت لینی تھی۔

"ام یہاں کسی کام کے واسطے آیا ہے یہ امارا ٹھکانہ نہیں ہے۔ ام تُم کو چھوڑ آئے گا مگر تُم کو کچھ دِن اِنتظار کرنا پڑے گا ایک بار امارا کام ہو لینے دو۔" حمدان نے کہا تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

"ٹھیک ہے میں اِنتظار کر لوں گی مگر تُم پلیز جلدی کرنا۔"منیحہ نے درخواست کی تو وہ سر ہلا گیا۔

"اِس گھر سے باہِر مت نِکلنا۔ام اب شام کو واپس آئے گا۔یہاں کھانے پینے کا سارا سامان ہے تُم کو جو چاہیے ہو لے لینا اور تُم بائیں والا کمرہ میں رہ سکتا ہے۔"حمدان نے اُسے سمجھایا تو وہ اچھے بچوں کی طرح سر ہلا گئی۔

حمدان اپنے کمرے میں چلا گیا اور پِھر کچھ دیر بعد گھر سے ہی نِکل گیا۔اُس کے جانے کے بعد منیحہ نے اپنا حُلیہ دُرست کیا اور پِھر کِچن میں آ گئی تا کہ کچھ کھا پی سکے۔پہلے تو اُسے کچھ بھی کھانے کو نہ مِلا پِھر چھوٹی سی فریج سے کچھ سبزیاں ملیں تو وہ کچھ سوچ کر سبزی کاٹنے لگی۔کھانا کھانے کے لیے پہلے کھانا بنانا بھی تو تھا۔

"منیحہ "!امن سعدیہ بیگم کی آواز سُن کر چونک کر اُن کے قریب آیا۔

وہ ہسپتال سے گھر شِفٹ ہو چُکی تھیں۔ منیحہ کو غائب ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اِس ایک ہفتے میں اُنہوں نے زمین آسمان ایک کر مارا تھا مگر منیحہ اُنہیں کہیں نہیں ملی تھی۔ اُس کا فون نمبر بھی بند جا رہا تھا۔ پولیس والوں کو بھی اب تک اُس کا کوئی سُراغ نہیں مِلا تھا جس پر وہ لوگ مزید پریشان ہو چُکے تھے۔

سعدیہ بیگم کو مریم کے گھر کا پتا تھا امن اور حاطب وہاں بھی جا کر ہو آئے تھے مگر منیحہ وہاں نہیں تھی۔ ہر گزرتے دِن کے ساتھ وہ لوگ منیحہ کے مِلنے کی شدید دُعائیں کرنے لگے تھے۔ منیحہ خُود گئی تھی تو اُنہیں لگتا تھا کہ وہ جہاں بھی ہو اِن شاءاللہ صحیح سلامت ہو گی لیکن وہ اُس کی واپسی چاہتے تھے۔ امن تو جیسے دیوانہ ہوا پِھر رہا تھا۔ اُس کا بس چلتا تو جادو کی چھڑی گُھماتا اور منیحہ کو اپنے سامنے حاضِر کر لیتا۔ گھر والے اُس کی منیحہ کے لیے پریشانی اور دیوانگی دیکھ کر حیران تھے۔ حاطب کو لگ رہا تھا کہ اُس کی پسندیدگی امن کی منیحہ کی فکر کے سامنے کچھ نہیں تھی۔ نسیمہ بیگم دِن رات نوافل پڑھتی منیحہ کی حِفاظت کے لیے دُعا کرتی رہتی تھیں۔

حمدہ اپنی بیٹیوں سمیت واپس جا چُکی تھی کہ بچیوں کے سکول بھی تھے اور اُس کے میاں باہر اکیلے تھے۔ اُس کا واپس جانا مجبوری تھی لیکن وہ اُن سے مسلسل رابطے میں تھی کہ جیسے ہی منیحہ کے بارے میں کچھ پتا چلے تو وہ لوگ اُسے فوراً آگاہ کریں۔

حاطب اور عدن روزانہ کالج اور یونیورسٹی جا رہے تھے کہ وہ اب مزید چھٹیاں نہیں کر سکتے تھے۔ امن بھی یونیورسٹی جاتا تھا مگر واپسی پر وہ گاڑی لے کر منیحہ کو ڈھونڈنے نکل جاتا۔ جب کچھ نہ سوجھتا تو سعدیہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اُنہیں تسلّیاں دِلاسے دیتا مگر جب تک وہ خُود اپنی آنکھوں سے منیحہ کو نہ دیکھ لیتیں تب تک اُنہیں سکون کیسے پڑنا تھا آخر کو وہ اُن کے جِگر کا ٹُکڑا تھی اُن کے دِل عزیز شوہر کی آخری نِشانی اور اُن کی اِکلوتی بیٹی! اُن کی طبیعت تو روز بہ روز بِگڑتی ہی جا رہی تھی۔

"پھوپھو!" امن بے بس سا اُنہیں دیکھے گیا جو منیحہ کو پُکار کر واپس غنودگی میں چلی گئی تھیں۔ سفینہ بیگم اُن کے لیے پرہیزی کھانا بنانے گئی تھیں۔ امن سعدیہ بیگم کی حالت دیکھ کر دِل برداشتہ ہوتا وہاں سے اُٹھ گیا اور پِھر گاڑی لے کر باہر نِکل گیا۔

سڑکیں ناپتے اُس کے دِل کو مہ جانے کیا سوچا کہ اُس نے گاڑی کا رخ ایک مخصوص علاقے کی جانِب موڑ دیا اور اگلے آدھے گھنٹے میں وہ اُس جگہ پر پہنچ چُکا تھا جِسے لوگ بازارِ حُسن کے نام سے جانتے تھے۔ یہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا جِس کے بِالکل آخر میں بازارِ حُسن بنایا گیا تھا تین منزلہ اور بائیس مرلے پر مشتمل یہ کوٹھا کافی بڑا تھا۔ رات نو بجے کا وقت تھا مگر یہاں تو ایسے لگ رہا تھا جیسے ابھی دِن چڑھا ہو۔ مرد حضرات آ اور جا رہے تھے جِن میں کچھ نو عمر اور جونا لڑکے بھی شامل تھے۔

وہ کچھ جِھجھکتا، کانپتا اور بے چین ہوتا آگے بڑھنے لگا۔ جگہ جگہ کھڑی نیم برہنہ لڑکیاں اُس خوب صورت سے نوجوان لڑکے کو دیکھ کر ادائیں دِکھاتیں اپنی طرف آنے کے اِشارے کرنے لگیں، اُسے رِجھانے لگیں مگر وہ نظریں پھیرتا تیز قدم اُٹھاتا اندر چلا گیا۔ اندر کا منظر بے حد رنگین اور خُوش نما تھا مگر اُسے یک دم گھٹن لگا۔

لڑکیاں مردوں کے گلے کے ہار بنی کمروں میں جا رہی تھیں۔ کچھ مراد شراب کے نشے میں تھے تو کچھ لڑکے وہاں موجود لڑکیوں کا حُسن دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہے

تھے۔امن کو لگا کہ اُس کے قدم من من کے ہو گئے ہیں۔یہ لڑکیاں بھی کسی کی عزّت ہوں گی جو یہاں رُل رہی تھیں۔شوق سے تو کوئی بھی کوٹھے کی زینت نہیں بنتی۔نہ جانے کس کی کیا مجبوری ہو گی؟کوئی لڑکی پیسوں کی خاطر یہاں آئی ہو گی تو کسی کے عاشق نے اُسے دھوکا دے کر یہاں بیچ دیا ہو گا یا پھر کسی کو زبردستی یہاں لا کر بٹھایا گیا ہو گا۔

"اے او گبرو؟اِدھر تو دیکھو ذرا!"امن آگے جا رہا تھا جب ایک پکی عُمر کی عورت اُس کے پاس آئی اور اُس کے سامنے چُٹکی بجا کر بولی۔

"پپ۔۔۔پیچھے ہٹو!"امن اچانک اُسے اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔میک اپ سے اٹا جُھریوں والا چہرہ اور سونے کے زیورات پہنے وہ عورت امن کو بہت عجیب لگی تھی۔

"ارے رے!یہ شرم گھر رکھ کر آنی تھی میاں!یہاں شرم اور شرم والوں کا کوئی کام نہیں۔"امن کی جِھجھک دیکھ کر وہ بے ڈھنگے انداز میں قہقہہ لگا کر بولی۔

"مُج۔۔مجھے کام ہے یہاں! میں ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں۔میں یہاں کسی کی تلاش میں آیا ہوں۔" امن نے تیزی سے کہا۔

"یہاں جو ایک بار کھو جاتا ہے تو کبھی واپس نہیں ملتا۔ واپس مِلنے کی آس چھوڑ دے لڑکے!" وہ عورت اب کی بار کرخت انداز میں بولی۔

"یہ۔۔۔یہ لڑکی آئی ہے کیا یہاں؟" امن نے اُس کی بات نظرانداز کر کے جیب سے فون نِکال کر منیحہ کی تصویر اُسے دِکھائی۔

"ملکہ کے پاس جا! وہ بتائے گی تُجھے!" وہ بے نیازی سے کہہ کر ایک لڑکی کو اِشارہ کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

وہ لڑکی امن کے پاس آئی اور اُس کا ہاتھ تھام کر ایک جانِب چلنے لگی۔امن کو بے تحاشا اُس سے گِھن سی آئی مگر وہ چُپ چاپ چلتا رہا یہاں تک کہ وہ اُسے لے کر ایک خُوب صورت سے کمرے میں پہنچ گئی۔ بڑا سا یہ ہال نما کمرہ جدید فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔

''کون ہے یہ ؟'' ابھی وہ کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا جب ایک پاٹ دار آواز سُن کر وہ اُس طرف متوجّہ ہوا۔

ایک طرف رکھے لکڑی کے جھولے پر ایک ادھیڑ عمُر عورت براجمان تھی جو پان چبا رہی تھی۔ چہرہ میک اپ سے اٹا ہوا، گلے میں سونے کے ہار اور گلوبند، دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں میں موٹی موٹی سونے کی انگوٹھیاں اور جِسم پر لہنگا چولی! چولی سے اُس کا موٹا پیٹ اور موٹی کمر واضح نظر آرہی تھی۔

''کسی کی تلاش میں آیا ہے ملکہ!'' اُس لڑکی نے ہنس کر بتایا تو وہ عورت بھی طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنسی۔ اُن کی ہنسی کا مطلب امن کو سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''یہ۔۔۔یہ یہاں آئی تھی کیا؟'' امن نے فوراً سے منیحہ کی تصویر نِکال کر اُس عورت کے سامنے کی تو اُس

نے بغور تصویر کو دیکھا اور پِھر معنی خیزی سے ہنسی۔ امن اُس کے دائیں جانِب کھڑا تھا۔

"ہاں یہاں لائی تو گئی تھی مگر بہت کم دام لگے اِس کے! ایک تو حسین بھی نہیں تھی اوپر سے لنگڑی اور لنگڑی چیزیں کس کو پسند ہوتی ہیں بھلا؟ لیکن پھر بھی کچھ منافع تو کما ہی لیا ملکہ نے!" ملکہ نامی عورت نے نخوت سے منیحہ کی تصویر دیکھ کر کہ تو امن کو لگا اُس کا دِل پھٹ جائے گا۔

اُسے کوٹھے پر لا کر بیچ دی گیا؟ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ ایسا ہو کیسے گیا؟ امن کے قدموں نے اُس کا ساتھ دینے سے اِنکار کیا تو وہ وہیں ڈھے گیا۔ ملکہ نے بے نیازی سے اُسے دیکھا۔

"ک۔۔۔ کس کو بیچا اُسے؟" امن نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"تھا ایک بے چارہ جِس کے پاس حسین لڑکی خریدنے کے لیے زیادہ دولت نہیں تھی تبھی اُس نے قبول صورت لڑکی خرید لی۔" ملکہ نے بتایا تو امن کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔

وہ کہاں ہو گی ؟ کس حال میں ہو گی ؟ ٹھیک بھی ہو گی یا نہیں ؟ ڈھیر سارے سوال تھے جِن کا جواب وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"چچ ۔۔۔ چھوڑو مجھے! جانے دو۔" امن اپنے غم میں ڈوبا غائب دماغ سا تھا جب ایک بِلکتی روتی آواز نے اُس کے دِماغ پر ہتھوڑے برسائے۔

" مجھے جانے دو۔ میں نے کیا بِگاڑا ہے تُمہارا ؟" مِنتیں کرتی آواز باریک مگر دِل سوز آواز پر امن نے گردن گُھما کر دیکھا تو دو عورتیں ایک لڑکی کو گھسیٹ کر اندر لا رہی تھیں۔ وہ لڑکی اُن سے خود کو چھوڑنے کی فریاد کر رہی تھی۔ اُس کے لمبے سیاہ گھنے بال اُس کے بازو اور کمر پر بِکھرے ہوئے تھے، دوپٹہ ندارد تھا جب کہ جِسم پر سادہ سی پھولدار قمیض اور ساتھ سادی پٹیالہ شلوار تھی۔ اُس لڑکی کا لب و لہجہ پشتون تھا لیکن اُردو وہ صاف اور واضح بول رہی تھی۔ امن نے آنکھیں بند کر لیں اُسے اُس لڑکی کی آواز میں منیحہ کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ وہ بھی ایسے ہی چیخی چِلائی ہو گی ؟

اُس نے بھی یُوں ہی خُود کو چھُڑوانے کی کوشش کی ہو گی، اِن لوگوں کے ترلے مِنتیں کی ہوں گی مگر ایسے لوگ کہاں کسی پر رحم کھاتے ہیں۔ ملکہ نے ناگواری سے اُس لڑکی کو دیکھا جو شور مچا رہی تھی۔ اُسے شور مچانے اور مزاحمت کرنے والے لوگ بالکل بھی پسند نہیں تھے۔ اُن عورتوں نے اُس لڑکی کو لا کر امن کے سامنے ملکہ کے بائیں جانب اُس کے قدموں میں پٹخا تو ایک زوردار چیخ اُس کے حلق سے بُلند ہوئی۔ امن نے جُھکا سر اُٹھا کر سامنے

دیکھا۔

ٹھیک اُسی وقت اُس لڑکی نے بھی سر اُٹھایا تو اُس کا چہرہ واضح ہوا۔ کالی سیاہ موٹی موٹی گریہ وزاری سے سُرخ پڑتی متورم آنکھیں، چھوٹی مگر پتلی سی ناک جِس کی ٹِپ بھی سُرخ تھی، گوری سُرخ گُلابی رنگت اور کالے گھنے بالوں سے ڈھکا وجود لیے وہ لڑکی حُسن کا پیکر تھی۔ اِتنی حسین، اِتنی مکمل جیسے خُدا نے اُسے فُرصت سے بنایا ہو۔

امن یک ٹک اُسے دیکھے گیا بغیر پلکیں جھپکائے، بغیر کوئی حرکت کیے۔ لب و لہجے اور خد و خال سے وہ پٹھانی لگ رہی تھی۔

اُس لڑکی کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اُس کی دبی دبی سِسکیاں اُس کمرے کی خاموش فضا میں بُلند ہو کر وہاں چھائے سناٹے کو چیر رہی تھیں۔ امن کو لگا وہ سِسکیاں اُس کے سر پر ضربیں لگا رہی ہوں۔

"یہ مزاحمت کر رہے ہے تیار ہونے میں! آج اِس کی رونمائی ہے مگر یہ ہاتھ نہیں آ رہی۔" ایک عورت نے ملکہ کو بتایا۔

"نئی نئی ہے اور ہے بھی ان چھوٹی ناز نخرے تو کرے گی نا؟ تُم لوگ جاؤ اِسے میں دیکھتی ہوں۔" ملکہ نے کہا تو وہ لڑکی روتی ہوئی خود میں سمٹنے لگی۔

"اِسے جانے دو۔" امن نے بے ساختہ کہا تو وہ لڑکی اُسے دیکھنے لگی۔

"کیا کہا؟" ملکہ نے چونک کر امن کو دیکھا۔

"اِسے جانے دو۔ چھوڑ دو اِسے!" امن نے اب کی بار اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ملکہ سے کہا۔

"خریدا ہے میں نے اِسے اور جِس دام میں خریدا ہے اُس سے دُگنے داموں میں بیچوں گی اِسے! اِس حُسن کے لاکھوں طلبگار ہیں۔ مُنہ مانگی رقم دیں گے اِس کے بدلے! ایسے کیسے چھوڑ دوں؟" ملکہ نے ناگواری سے کہا۔

"مجھے میرے گھر جانا ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے اغواہ کر کے دھوکے سے بیچا گیا ہے میں بری لڑکی نہیں ہوں۔" اُس نے ملکہ کے پیر پکڑ کر اِلتجا کی تو ملکہ نے اُسے جھٹک دیا جِس پر وہ پیچھے جا گری۔ امن نے ناگواری اور غُصّے سے اُسے دیکھا۔

"مجھے بچا لو۔ خدا کا واسطہ لے مجھے یہاں سے بچا لو۔" اُس نے کوئی راستہ نہ پاتے امن کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ امن کو اُس میں منیحہ نظر آنے لگی روتی بِلکتی! وہ منیحہ کو نہیں بچا پایا تھا مگر اِس لڑکی کو بچا سکتا تھا جو ابھی محض اٹھارہ سال کی لگ رہی تھی۔

"کتنے میں چھوڑو گی اِسے؟" امن نے ملکہ سے پوچھا تو ملکہ کی آنکھیں چمکیں۔

"ایک کروڑ!" ملکہ نے بے نیازی سے کہا تو امن جُز بُز ہوا۔ اِتنی رقم اُس کے پاس نہیں تھی ہاں مگر وہ عُبید سیال سے لے سکتا تھا مگر وجہ کیا بتاتا کہ وہ کوٹھے سے ایک لڑکی خریدنے کے لیے یہ پیسے مانگ رہا تھا۔

"تُم اِسے مجھے دے دو میں تُمہیں کل آ کر پیسے دے دوں گا۔" امن نے کہا تو ملکہ قہقہہ لگا کر ہنسی جب کہ وہ لڑکی مزید سہمی۔ ایک لڑکا اُسے خرید کر لے جانے کی بات کر رہا تھا تو وہ ڈرتی کیسے نہ؟

"پاگل سمجھ رکھا ہے کیا مجھے! تُم اِسے لے جاؤ اور پِھر لوٹ کر ہی نہ آؤ۔ ملکہ کبھی کچّی گولیاں نہیں کھیلتی اور اِس بیوٹی پر تو میں کبھی کوئی رِسک نہ لوں۔" ملکہ نے طنزیہ انداز میں کہہ کر اُس خُوب صورت و حسین لڑکی کو اُس کے لمبے بالوں سے دبوچا تو وہ لڑکی کراہ اُٹھی۔

امن نے لب بھینچ کر پہلے ملکہ کو اور پِھر اُس پٹھانی لڑکی کو دیکھا۔

"تُم۔۔۔۔ تُم اِسے کچھ مت کہنا۔ میں کل آ کر پیسے دے کر اِسے لے جاوں گا۔ تب تک تُم اِسے میری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔" امن نے ملکہ کو آفر دی تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"بس کل دِن بارہ بجے تک اِسے میری امانت سمجھ کر رکھ لو۔ میں کل آ کر تُمہیں پوری رقم دے کر اِسے لے جاوں گا مگر تب تک اِسے ایک آنچ بھی نہیں آنی چاہیے۔" امن نے کہا تو ملکہ نے بغور اُسے دیکھا جِس کے چہرے پر ہمدردی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن اگر کل بارہ بجے سے ایک منٹ بھی اوپر ہوا تو میں اِسے تُمہیں نہیں دوں گی۔" ملکہ نے امن کو دھمکی دی تو وہ سر ہلا گیا۔

امن نے ایک نظر اُس پٹھانی لڑکی کو دیکھا اور پِھر تیزی سے وہاں سے نِکلتا چلا گیا۔ وہ منیحہ کو نہیں بچا پایا تھا اور اب جیسے اِس لڑکی کو بچا کر کفارہ ادا کرنے والا تھا۔

نسیمہ بیگم اِس وقت اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ابھی پی سعدیہ بیگم کے کمرے سے واپس آئی تھیں جِن کی حالت اب قدرے بہتر تھی مگر وہ ہر وقت آبدیدہ رہتی تھیں۔ اُنہیں بس اُن کی منیحہ اُن کے پاس چاہیے تھی جِس کا تا حال کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ نسیمہ بیگم منیحہ کے بارے میں سوچتیں اُس کے مل جانے کی دُعا کر رہی تھیں۔ حاطب نے اپنے ایک دوست کے ذریعے ایک ڈیٹیکٹو سے رابطہ کیا تھا جو اُس کے دوست کے بڑے بھائی کا دوست تھا اور کافی جانا مانا ڈیٹیکٹو تھا۔ حاطب کو یقین تھا کہ وہ منیحہ کا پتا ضرور چلا لے گا۔

پولیس والے ابھی تک منیحہ کا کوئی سُراغ نہیں لگا پائے تھے جِس پر وہ لوگ حیران تھے کہ منیحہ کو زمین نِگل یا آسمان کھا گیا۔ سعدیہ بیگم کی طبیعت خرابی نسیمہ بیگم کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

"دادو جان!" حاطب دروازہ ناک کر کے اُنہیں پُکارتا ہوا کمرے میں آیا تو وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آئیں۔

"میری جان!" اُنھوں نے محبّت سے اپنی بانہیں پھیلائیں تو وہ اُن کے قریب آ کر اُن کا سر چومتا ہوا اُن کے گلے لگا اور پھر اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔

"منیحہ کے بارے میں سوچ کر پریشان ہیں؟" حاطب نے اُن کے چہرے پر چھائے فکر کے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں! اُسی کے بارے میں سوچ رہی ہوں نہ جانے کہاں ہو گی میری بچّی؟" اُنھوں نے غم زدہ سے انداز میں کہا۔

"وہ جہاں بھی ہوں گی اِن شاءاللہ ٹھیک ہوں گی آپ بس اُن کے حق میں بہتری کی دُعا کریں۔" حاطب نے اُنھیں تسلّی دی تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں کہ اِس کے علاوہ اُن کے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"لیکن ایک بات مجھے بہت کنفیوز کر رہی ہے دادو جان!" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد حاطب نے کہا تو نسیمہ بیگم نے سوالیہ نظروں سے حاطب کو دیکھا۔

"منیحہ نے مُجھ سے کہا تھا کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہیں پِھر گھر میں امن اور منیحہ کی شادی کی بات چلی اور شادی کی تیاریاں بھی ہونے لگیں۔" حاطب نے اپنی بات کا آغاز کیا۔

"ہاں! سفینہ نے بھی یہی کہا تھا کہ امن اور منیحہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ جب سے منیحہ غائب ہے امن کی حالت تو دیکھی ہے نا تُم نے! کیسے پاگلوں کی طرح اُسے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے۔" نسیمہ بیگم نے آزردگی سے کہا۔

"ہاں لیکن اگر اُن کی شادی پسند سے اور اُن کی مرضی سے ہو رہی تھی تو منیحہ اپنی ہی شادی چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟ یہ بات مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔" حاطب کا لہجہ اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی بات سُن کر نسیمہ بیگم بھی اُلجھن میں پڑ گئیں۔

یہ سب تو اُنہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ شادی منیحہ کی پسند سے ہو رہی تھی تو اُس کا یُوں کہیں روپوش ہو جانا نہیں بنتا تھا پِھر وہ کیوں کہیں گئی؟

"ہاں! منیحہ تو امن کو پسند کرتی تھی پھِر کیوں شادی چھوڑ کر چلی گئی؟" نسیمہ بیگم نے بڑ بڑا کر کہا۔

"مجھے لگتا ہے کچھ ایسا ہے جو ہم سب کی نظروں سے اوجھل ہے۔ کچھ ایسا جسے ہم سمجھ نہیں پا رہے۔ جو ہمیں نظر نہیں آ رہا۔" حاطب اُلجھا اُلجھا سا بول رہا تھا جِس پر نسیمہ بیگم نے اُس کے کندھے کو تھپکا۔

"فکر مت کرو جو بھی ہے سب پتا چل جائے گا۔" وہ محض یہی کہہ سکیں۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا بھی تھا دادو!" حاطب نے کہا تو وہ اُس کی طرف مکمل متوجّہ ہوئیں تو وہ اُنہیں اُس ڈیٹیکٹو کے بارے میں بتانے لگا جِس کو اُس نے منیحہ کو ڈھونڈنے کے لیے ہائر کیا ہوا تھا۔

حمدان تھکا ہارا ابھی ہی گھر لوٹا تھا۔ اُسے مُسفِرہ کو ڈھونڈنے میں مشکل پیش آرہی تھی تبھی اُس نے ضمیر خان کی اِجازت سے پولیس والوں کی مدد لی تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ کیس اُن کے اپنے گاوں کی پولیس کے پاس ہونا چاہیے جِس پر اُس نے سوتاویلیں دے کر اُنہیں راضی کیا تھا کہ لڑکی کو وہاں سے یہاں لایا گیا ہے تو یہاں کی پولیس اُسے ڈھونڈنے میں مدد کرے۔

دوسری بات اُنہوں نے کہہ کر حمدان کا خُون کھولا دیا تھا کہ لڑکی اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی ہوگی مگر اُس نے اپنے غُصّے پر قابو پا کر یہ بھی بتایا تھا کہ اُس کی بہن کو شادی کے دِن اغواہ کیا گیا ہے اور اُس کی کزن نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پولیس والوں نے عینی شاہد کو بُلانے اور گواہی دینے کا کہا تھا مگر وہ حسینہ کو اب یہاں کیسے لے کر آتا تبھی اُس نے کچھ پیسے دے کر پولیس والوں کو راضی کیا تھا کہ وہ اُس کی بہن کو ڈھونڈیں۔

پولیس والوں نے اُسے تسلّی تو دی تھی مگر وہ مُطمئن نہیں ہوا تھا اور اب تھکا ہارا سا گھر لوٹ آیا تھا۔ گھر آ کر وہ سیدھا برآمدے میں رکھی چارپائی پر لیٹ گیا تھا۔ اپنی پریشانی میں وہ بھول گیا تھا کہ ایک لڑکی کو اُس نے گھر لا کر رکھا ہوا ہے۔

دونوں ہاتھ پیچھے کر کے سر کے نیچے دیئے وہ آنکھیں موند چُکا تھا۔ ابھی دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اچانک نسوانی آواز پر وہ اُچھلا۔

"خان! پانی پی لو۔" وہ منیحہ تھی جو اُس کے لیے گلاس میں پانی بھر کر لائی تھی۔

حمدان نے اُسے دیکھا تو یاد آیا کہ اب اِس گھر میں وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ ایک لڑکی کا وجود بھی تھا لیکن جھٹکا اُسے منیحہ کا حُلیہ دیکھ کر لگا تھا۔ مردانہ شلوار قمیض میں ملبوس، بِنا دوپٹے کے وہ بوب کٹ بال لیے کارٹون ہی لگ رہی تھی اور وہ مردانہ شلوار قمیض حمدان خان کی تھی جو منیحہ کو نہ صِرف سائز میں بڑی تھی بلکہ کُھلی بھی تھی۔

"یہ کیا ہے؟ یہ تُم نے امارا کپڑا کیوں پہنا ہے؟" حمدان اُچھل کر چارپائی سے اٹر کر اُس کے چاروں طرف گھوم کر پوچھنے لگا۔

"کیوں کہ امارے پاس کوئی کپڑا نئیں ہے۔ جب کپڑا نہیں ہوئے گا تو ام کیا پہنے گا؟" منیحہ نے اُسی کے لہجے میں کہا تو حمدان نے گھورا۔

"تو یہ امارا مسئلہ نہیں ہے۔ ام کو نہیں پسند کہ کوئی امارا کپڑا کو چھوئے یا اِستعمال کرے۔" حمدان نے ناک چڑھایا تو منیحہ نے پھوں پھوں کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"میرے پاس نئے کپڑے خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں اگر تُمہارے پاس ہیں تو مجھے نئے کپڑے لادو۔ میں جب گھر پہنچ جاوں گی تو تُمہارے سارے پیسے تُمہیں لوٹا دوں گی اب چُپ کر کے یہ پانی پیو۔" منیحہ نے بے زاری سے کہا تو حمدان نے سر جھٹکا۔

"تُمارا شُکریہ!" حمدان نے پانی لے کر مُنہ سے لگایا اور غُٹا غُٹ چڑھا گیا۔

خالی گلاس اُس نے منیحہ کو دیا تو وہ کچن میں چلی گئی۔ اُس کے لِباس میں ملبوس یہاں وہاں چلتی وہ کچھ عجیب ہی لگ رہی تھی اوپر سے بِنا دوپٹے کے اُسے دیکھ کر حمدان کو عجیب سی کوفت ہو رہی تھی۔ اُن کی بہن بیٹیاں تو سروں سے بھی دوپٹے نہیں اُتارتی تھیں مگر اِس محترمہ نے تو سرے سے دوپٹہ ہی نہیں لیا ہوا تھا۔ حمدان نے اپنی نظریں پھیر لیں کہ وہ اِس حُلیے میں کارٹون تو لگ رہی تھی مگر کچھ کچھ کیوٹ بھی لگ رہی تھی۔

منیحہ کو ہلکا سا لنگڑا کر چلتے دیکھ کر حمدان کو ہر بار کی طرح اب بھی افسوس ہوا تھا۔

"تُم مُنہ ہاتھ دھو کر آؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔" منیحہ نے گلاس کچن میں رکھ کر واپس اُس کے پاس آ کر کہا تو حمدان نے اچھنبے سے اُسے دیکھا۔

وہ تو سوچ رہا تھا کہ کچھ دیر تک پاس والے ہوٹل سے کھانے کو کچھ پکڑ لائے گا مگر وہ کھانے کی آفر کر رہی تھی۔ اِس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا تو سات بجے بھی ابھی اندھیرا نہیں چھایا تھا۔

"تُمھارے پاس کھانا کہاں سے آیا؟" حمدان نے آنکھیں سُکیڑ کر پوچھا۔

"میں نے پکایا ہے اب جاؤ اور جلدی آؤ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔" منیحہ کی بات سُن کر وہ سر ہلاتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا اور پِھر ہاتھ مُنہ دھو کر باہِر آیا تب تک منیحہ برآمدے میں ہی چھوٹے سے ٹیبل پر کھانا لگا چُکی تھی۔ اُس کے آتے ہی منیحہ نے اُس کے لیے سالن اور روٹی نِکالی اور اُس کے سامنے کر کے خُود بھی اپنے لیے کھانا نِکال کر کھانے لگی۔

"تُمھارا کام ہو گیا؟" منیحہ نے نوالہ مُنہ میں ڈال کر پوچھا۔

"نہیں ابھی! تُم بس دُعا کرو کہ امارا کام جلدی ہو جائے۔" حمدان نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

ابھی وہ لوگ کھانا کھا کر فارِغ ہی ہوئے تھے جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ حمدان نے اچھنبے سے دروازے کو دیکھا۔ اُسے یہاں آئے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا مگر کبھی کوئی اُس کے یہاں نہیں آیا تھا پِھر آج کون آگیا تھا۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔" حمدان نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

حمدان نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک اڑتیس اُنتالیس سالہ عورت کھڑی تھی جِس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا مگر بے حد خُوب صورت سا باول تھا۔ یہ عورت سامنے والے گھر میں رہتی تھی کبھی کبھار جب حمدان باہِر جاتا یا واپس آتا تو وہ اُسے راستے میں نظر آجاتی تھی لیکن اُن سے حمدان کی کبھی علیک سلیک نہ ہوئی تھی نہ ہی حمدان نے کبھی کوشش کی تھی۔

"السلامُ علیکُم!" حمدان نے سلام کیا۔

"وعلیکُم السلام! کیسے ہو بیٹا؟" اُس عورت نے خُوش اِخلاقی سے پوچھا۔

"ام ٹھیک ہے تُم کیسا ہے خالہ؟" حمدان نے بھی نرم لہجے میں جواب دیا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ میں رقیہ ہوں سامنے والے گھر میں رہتی ہوں۔" رقیہ نے اپنا تعارُف کروایا تو حمدان سر ہلاتے ہوئے مُسکرا دیا مگر دروازے سے پیچھے نہ ہوا جِس پر رقیہ کچھ جُز بُز سی ہوئی۔

"میں یہ بریانی دینے آئی تھی۔" اُسے اپنی جگہ سے ہلتے نہ دیکھ کر رقیہ نے باول اُس کے سامنے کیا۔

"تُمارا بہت شکریہ خالہ!" حمدان نے اِستقبالیہ مُسکراہٹ کے ساتھ وہ باول بھی لے لیا مگر اُسے اندر آنے کا راستہ اب بھی نہ دیا۔

"اگر تُمہاری اِجازت ہو تو میں اندر آجاوں؟" رقیہ نے اب کی بار زِچ ہو ہو کر کہا تو حمدان نے ناگواری سے اُسے دیکھا مگر پھِر ایک طرف ہو گیا۔

اُسے کسی کا یوں اُس کے گھر آنا جانا پسند نہیں تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" منیحہ نے سلام دُعا کے بعد رقیہ ک حال چال پوچھا جِس سے وہ پہلی دفعہ ہی مل رہی تھی۔ حمدان البتہ بریانی والا باول لے کر کِچن میں چلا گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں تُم کیسی ہو؟" رقیہ نے سر تا پیر اُس کا جائزہ لیا جو کہیں سے بھی اُسے اِس پٹھان لڑکے کے برابر نہ لگی تھی۔ نہ حُسن میں نا قد و قامت میں! اوپر سے اُس نے اپنے

سائز سے بڑے مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھے جو یقیناً اُسی پٹھان لڑکے کے تھے۔ وہ یہی تو دیکھنے آئی تھی کہ اُن کا آپس میں کیا رِشتہ ہے۔ بہن بھائی تو وہ بالکل بھی نہ لگتے تھے۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ بیٹھیے؟" اُس نے رقیہ کی ایکسرے کرتی نِگاہوں سے اُکتا کر بظاہر نرمی سے کہا۔ وہ اِن نِگاہوں کی عادی تھی تبھی رقیہ کی نظروں کو بھی پہچان گئی تھی۔

"میں اکثر اِس بچے کو آتے جاتے دیکھتی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ یہ یہاں اکیلا ہی رہتا ہے تبھی یہاں نہیں آئی مگر کل تُمہیں دیکھا تو سوچا پڑوسن ہوں جان پہچان تو ہونی چاہیے۔" رقیہ نے اپنے آنے کی وضاحت کی۔

"آپ کا بہت شُکریہ آنٹی!" منیحہ بس یہی کہہ سکی اور کہتی بھی کیا؟

"ویسے تُم دونوں لگتے تو نہیں ہو بہن بھائی؟" رقیہ نے کھوجتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ نظریں بار بار منیحہ کے جِسم پر موجود لباس پر جا رہی تھیں۔

"ہم بہن بھائی ہیں بھی نہیں آنٹی!" منیحہ نے مُسکرا کر کہا۔ اُسے رقیہ کے انداز سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

"تُم بیوی ہو اُس کی؟" رقیہ کا لہجہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور تجسّس بھرا تھا اور اُس کے لہجے پر منیحہ نے گہرا سانس بھرا۔

اگر وہ کہتی نہیں تو وہ کیا سوچتی کہ منیحہ اِس حُلیے میں کیوں ہے؟ اور وہ بغیر کسی حق کے ایک ساتھ ایک چھت تلے رہ رہے ہیں۔ محلے کی ایک آنٹی کو اِس بات کی خبر ہونے کا مطلب تھا پورے محلّے کو خبر ہونا اور سب کو پتا چلنے کا مطلب بدنامی تھا اور بدنامی کے بعد اُن کا یہاں ٹھکانہ کیسے رہ سکتا تھا؟ ہاں اگر اُس کے سوال کے جواب میں وہ ہاں کہہ دیتی تو کوئی مسئلہ نہیں ہونا تھا۔ اُس نے کون سا آ کر دیکھنا تھا کہ کس طرح رہتے ہیں یا وہ ایک چھت تلے الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں۔ منیحہ بے وقوف نہیں تھی۔ زمانے کی اونچ نیچ اور لوگوں کی سوچ اچھے سے سمجھتی تھی۔

"جی!"منیحہ نے ضبط کرتے کہا تو کچن سے باہر آتا حمدان ٹھٹھک کر رُکا۔ اُس نے رقیہ کا سوال اور منیحہ کا جواب دونوں سُنے تھے تبھی اُسے غُصّہ آیا تھا۔ وہ سالن سے بھرا باول اُٹھا کر اُن کے قریب آیا۔ اُسے خالی برتن واپس کرنا کچھ اچھا نہیں لگا تھا تبھی اُس میں سالن ڈال لایا تھا۔

"یہ امارا۔۔۔" وہ رقیہ کے سامنے آکر بولنے ہی لگا تھا جب منیحہ نے اُس کے بازو میں بازو ڈال لیا۔

"میں نے اِنہیں بتادیا ہے حمدان! کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آنٹی کو جلدی ہے جانے کی!"منیحہ نے تیزی سے کہتے ہوئے حمدان سے باول لے کر رقیہ کو تھمایا تو رقیہ ہڑبڑا کر اُٹھی۔ یہ منیحہ کا صاف اِشارہ تھا کہ اب وہ جائے جِس پر اُس نے باول تھام لیا۔

"ویسے ارینج میرج لگتی ہے تُم دونوں کی؟"رقیہ نے جاتے جاتے ایک اور سوال داغا۔

"جی نہیں آنٹی! پیور لو میرج ہے۔" منیحہ نے دانت کچکچا کر کہا تو وہ ابرو چڑھاتی باول لے کر باہِر نِکل گئی۔ حمدان منیحہ کو گھورتا ہوا باہِر تک گیا اور رقیہ کے نِکلتے ہی دروازہ بند کر کے واپس منیحہ تک آیا۔

"تُم نے اُس خالہ سے جھوٹ کیوں بولا کہ تُم امارا بیوی ہے جب کہ تُم نہیں ہے۔" حمدان نے آتے ہی اِستفسار کیا۔ اُس کا چہرہ غُصّے سے ہلکا سا سُرخ پڑنے لگا تھا۔

"کیوں کہ اگر ہم سوچ بولتا تو وہ خالہ سارے مُحلّے والوں کو بتا دیتا کہ ام اور تُم بغیر کسی رِشتے کے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہا ہے اور پِھر وہ ام دونوں کو یہاں سے نِکال دیتا اور اگر وہ لوگ ام لوگوں کو یہاں سے نِکال دیتا تو ام لوگ پِھر کدھر جاتا؟ نیا گھر ڈھونڈنے میں بھی وقت لگتا۔" منیحہ نے مُنہ کے زاویے بِگاڑتے ہوئے اُس کے لہجے کی نقل اُتاری۔

"تُم نے جھوٹ بولا ہے اور تُم امارا نقل مت اُتارو۔" حمدان نے اُنگلی اُٹھا کر اُسے وارن کیا۔ اُسے منیحہ کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی۔

"امارے جھوٹ سے امار اٹھکانہ بچ گیا تو اِس میں کیا بُرا ہے؟ اور امار اُمنہ اماری مرضی!" کندھے اُچکا کر کہتی وہ آہستہ آہستہ چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی تو حمدان کے چہرے پر پھیلا تناو کچھ کم ہوا اور کندھے بھی جُھک سے گئے۔

"وہ بہت عقل والا ہے۔" اُس نے بڑبڑا کر منیحہ کی تعریف کی اور پِھر خُود بھی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ کچھ دیر پہلے ہی آفس سے گھر آئے تھے۔ امن آج یونیورسٹی نہیں گیا تھا اور یہ بات وہ جانتے تھے لیکن اُن کی پریشانی کا باعث اُس کا یونیورسٹی سے چُھٹی کرنا نہیں بلکہ اُن کے مینیجر کی اِطلاع تھی جو اُنہیں آفس پہنچتے ہی ملی تھی اور وہ صُبح نو بجے آفس جا کر دس بجے ہی گھر واپس آ گئے تھے۔ مینیجر نے اُنہیں بتایا تھا کہ امن نے آفس کے بینک اکاونٹ سے ایک کروڑ کی رقم نِکلوائی ہے جِس پر وہ بے حد حیران ہوئے تھے کہ اُسے اِتنے پیسوں کی

کی ضرورت پیش آگئی اور اگر اُسے ضرورت آن بھی پڑی تھی تو اُس نے اُنہیں کیوں نہ بتایا؟

ایک چیک بُک اُنہوں نے گھر پر سائن کر کے رکھی ہوئی تھی جسے سفینہ بیگم اکثر اِستعمال کرتی تھی۔ وہ اپنی مرضی کی رقم ایڈ کر کے بینک سے نِکلوا لیتی تھیں لیکن اُس چیک بُک کو سفینہ بیگم کے علاوہ کبھی کسی اِنے اِستعمال نہ کیا تھا۔ عبید سیال کو یقین تھا کہ امن نے وہی چیک بُک اِستعمال کی ہے۔ اُنہوں نے طلعت آپا کو کہا تھا کہ امن کو اُن کے سٹڈی روم میں بھیجیں جو اُن کے کمرے سے ملحق تھا۔

"پاپا!" امن کی آواز پر وہ چونک کر اپنی سوچوں سے باہِر آئے۔

امن دروازے پر کھڑا اُن کی اِجازت کے اِنتظار میں تھا۔ اُنہوں نے اُسے اندر بُلایا تو وہ آکر ایک طرف رکھے تھری سیٹر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تُمھیں ایک کروڑ کس لیے چاہیے تھا امن؟" اُنھوں نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا تو امن نے گہرا سانس بھرا۔ عبید سیال نے کوئی تمہید نہیں باندھی تھی بلکہ ڈائریکٹ سوال کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کے باپ سے کچھ بھی چھپ نہیں پائے گا تبھی وہ سوچ سمجھ کر آیا تھا کہ اُسے کیا کہنا ہے۔

"میں اور میرے کچھ دوست مل کر پارٹنر شپ کر رہے ہیں۔ ہم نے ایک ہسپتال کی بُنیاد رکھی ہے جِس کے لیے جگہ چاہیے اور جگہ خریدنے کے لیے سب اپنا اپنا حِصّہ ڈال رہے ہیں بس اِسی لیے ایک کروڑ چاہیے تھا۔" امن نے بے حد پر اعتمادی سے کہا تو عبید سیال نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

کل تک تو اُس کا ایسا کوئی پلان نہیں تھا پھِر اچانک سے ہسپتال بنانے کی بات کرنا؟ اُنہیں واقعی میں یہ سب بے حد عجیب لگا تھا۔

"کون سی جگہ ہے اور کہاں پر؟ کتنے دوست مل کر پارٹنر شپ کر رہے ہیں؟" عبید سیال نے سوال کیا۔

"ہم چار دوست ہیں اور جگہ میں آپ کو لے جا کر دِکھا دوں گا۔" امن کا انداز پہلے سے بھی پُر اعتماد تھا۔ اُس کے لہجے میں جھوٹ کی رمق تک نہ تھی تبھی اُن کے چہرے پر چھایا تناو کچھ کم ہوا۔

"تُم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ ابھی اِس سب میں وقت ہے تُم اپنی سٹڈی پر فوکس کرو یہ سب میں دیکھ لوں گا۔" عُبید سیال نے نرمی سے اُسے دیکھا۔

"میں آپ کو اور باقی سب گھر والوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا اِسی لیے نہیں بتایا اور وہ جگہ اچھی لوکیشن پر ہے۔ بِک رہی تھی تو سوچا ہم خرید لیں اور میں چاہتا تھا کہ جب تک سٹڈی مکمل ہو ہمارا اپنا ہسپتال بن چُکا ہو۔" امن نے وضاحت کی تو وہ سر ہلا کر اُس کے قریب آئے۔

"مجھے تُم پر فخر ہے بیٹا!" عُبید سیال نے کہا تو امن پھیکا سا مُسکرایا۔

"جب اِنہیں حقیقت معلوم ہو گی تو یہ فخر لعن طعن میں بدل جائے گا۔"اُس نے باپ کے شفیق چہرے کو دیکھتے ہوئے بے دِلی سے سوچا۔

"آپ کی اِجازت ہو تو میں جاؤں؟ مجھے آج اِسی جگہ کی ڈیل فائنل کرنی ہے۔"امن نے بے حد ادب سے اِجازت چاہی۔

"ہاں جاؤ مگر سب معاملے بے حد احتیاط سے کرنا۔لوگ فراڈ بھی کر جاتے ہیں۔"عُبید سیال نے کہا۔

"فکر مت کریں پاپا! میرے فرینڈ کا وکیل ساتھ ہو گا۔"امن نے اُنہیں تسلّی دی تو وہ سر ہلا گے۔

امن اُنہیں سلام کر کے کمرے سے نِکل آیا اور پھِر اپنے کمرے سے پیسوں سے بھرا بیگ لے کر باہِر نِکل کر گاڑی میں بیٹھا۔

اگلے پونے گھنٹے میں وہ اُس بازارِ حُسن میں پہنچ چُکا تھا جہاں وہ لڑکی اُسے ملی تھی جِسے خرید کر وہ آزاد کروانے والا تھا۔

جِس وقت وہ ملکہ کے کمرے میں داخِل ہوا بارہ بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے۔ وہ پٹھانی لڑکی کل والی جگہ پر ملکہ کے سامنے مگر بائیں جانِب سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی فرق بس یہ تھا کہ آج وہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی جِس سے اُس کے جِسم کا کوئی بھی حصّہ نظر نہیں آرہا تھا۔

"مجھے تو لگا تھا کہ تُم نے جذباتی ہو کر فیصلہ کر لیا۔ یقین نہیں تھا کہ تُم اِس لڑکی کے لیے واپس آو گے۔ دِل آگیا ہے کیا اِس پر؟" ملکہ کے پوچھنے پر وہ لڑکی مزید خُود میں سِمٹی۔

"ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر لڑکا دِل پھینک ہو اور کسی مقصد کے لیے ہی وہ ایسا کوئی کام کرے۔" امن نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا تو وہ ملکہ مُسکرائی۔

"خیر ایسا کوئی واقعہ آج تک ہوا تو نہیں مگر آج ہوا ہے تو خُوشی ہوئی ہے۔ اِس بیگ میں پیسے ہوں گے؟" ملکہ نے اُس کے ہاتھ میں بیگ دیکھ کر پوچھا۔

"جی ! پیسے ہیں۔" امن نے بیگ اُس کی طرف بڑھا کر کہا۔

" کھاتے پیتے گھرانے کے لگتے ہو۔" ملکہ نے بیگ اپنی ملازمہ کو دے کر کہا مگر امن نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ لڑکی لرز رہی تھی جس سے امن نے اندازہ لگایا کہ وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"اِس دھندے میں اعتبار نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پیسے گِن لیے جائیں تو اِس حُسن کی پری کو لے جانا۔" ملکہ نے کہا تو وہ ایک طرف رکھی کُرسی پر بیٹھ گیا۔

ملکہ نے اُس کے لیے شربت وغیرہ منگوایا مگر اُس نے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ اُس کا ذہن منیحہ میں اٹکا ہوا تھا۔ نہ جانے اب وہ کہاں ہو گی اور کس حال میں ہو گی؟

پورے ایک گھنٹے بعد ملکہ کی ملازمہ نے آ کر ملکہ سے کچھ کہا تو ملکہ نے سر ہلا دیا۔

"ایمان دار ہو تُم ! آج سے یہ پری تُمہاری ہوئی۔ لے جاوٗ اِسے !" ملکہ نے کہا تو وہ سر ہلا کر اُٹھا۔

"چلو۔" اُس نے اُس لڑکی سے کہا تو وہ اپنی جگہ سے اپٹی کھڑی ہوئی اور اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ لڑکی ہلکا ہلکا کانپ رہی تھی شاید ڈر رہی تھی کہ نہ جانے اب وہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ لوگ اُس جگہ سے اب باہِر آ گئے تھے جہاں امن کی گاڑی کھڑی تھی

امن اچانک اُس کی طرف پلٹا تو وہ لڑکی بُری طرح چیختی ہوئی پیچھے ہوئی۔

"میں بُری لڑکی نہیں ہوں۔ مجھے کچھ مت کہو۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"میں کچھ نہیں کہہ رہا تُمہیں! بلکہ مجھے بتاو تُم کہاں رہتی ہو میں تُمہیں تُمہارے گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔" امن نے نرم لہجے میں کہا تو اُس نے آنکھیں اُٹھا کر امن کو دیکھا۔

کالی آنکھیں اِس وقت نم تھیں۔ آنکھوں کے کنارے متورم تھے۔ وہ یقیناً بہت روتی رہی تھی۔

"میں خیبر پختونخوا سے ہوں۔"اُس نے بتایا تو امن چُپ رک گیا۔ وہاں وہ اِتنی جلدی جا کر اُسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کہاں لاہور اور کہاں خیبر پختونخوا؟

"دیکھو پٹھانی! میں تُمہارے گھر پہنچادوں گا لیکن مجھے کچھ وقت لگے گا۔ تُمہارا علاقہ یہاں سے بہت دور ہے۔ اگر مُجھ پر یقین کرو تو میرے ساتھ چلو؟" امن نے کہا تو وہ لڑکی شش و پنج میں پڑ گئی۔

"اگر تُمہارے پاس کوئی اور محفوظ ٹھِکانہ ہے تو بتاو میں تُمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔" امن نے اُسے چُپ دیکھ کر پوچھا۔

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتی۔"اُس نے بھیگے لہجے میں بتایا تو امن نے گہرا سانس بھرا۔

"اگر کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو میرے ساتھ چلو۔ مُجھ پر اعتبار کرو۔ میں تُمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاوں گا۔ اگر تُمہیں یوں ہی کہیں بھی چھوڑ دیا تو کہیں پھِر تُم اُسی جگہ نہ پہنچ جاو جہاں سے میں تُمہیں لایا ہوں۔" امن نے بھیانک نقشہ کھینچا تو وہ کپکپا اُٹھی۔

"نن۔ نہیں! مجھے واپس وہاں نہیں جانا۔ مجھے تُم پر اعتبار ہے۔" اُس نے تیزی سے کہا تو امن نے سر ہلا کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"بیٹھو۔" امن کے کہنے پر وہ تیزی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ امن گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر کے سڑک پر دوڑانے لگا۔

وہ اُسے اپنے ذاتی گھر میں لے جا رہا تھا جو عُبید سیال نے اُسے اُس کی سالگرہ پر گِفٹ کیا تھا۔ ایسا ہی ایک گھر حاطب کے پاس بھی تھا جو امن کی ہی سوسائٹی میں تھا مگر کچھ فاصلے پر تھا۔ عدن کو بھی ایسا گھر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اگر وہ اِنٹر میڈیٹ میں اچھے نمبر لاتا تو!

کچھ ہی دیر میں وہ اُسے لے کر وہاں پہنچ چُکا تھا۔ پانچ مرلے کا یہ گھر بے حد خوب صورت تھا۔ گیٹ کے باہر گاڑی روک کر امن نے چابی سے گیٹ کھولا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اندر پارک کی۔ یہ چھوٹا سا گیراج تھا جِس کے بعد گھر کا اندرونی دروازہ تھا۔ اندرونی دروازہ کھول کر وہ اُسے اندر لے گیا۔ بائیں جانِب بیٹھک تھی جِس کے ساتھ ایک

بیڈروم تھا اور اندرونی دروازے کے بِالکل سامنے کچن تھا۔ اندرونی دروازے کے دائیں جانِب صوفے رکھے ہوئے تھے جِن کے درمیان ایک شیشے کا ٹیبل پڑا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا ہی ہال تھا۔ سیٹِنگ ایریا کے اوپر سے سیڑھیاں گزر کر اوپر کو جا رہی تھیں۔ وہ اُسے نیچے والا سارا پورشن دِکھا کر اوپر لے آیا۔ سیڑھیوں سے اوپر آ کر ہال تھا اور کل تین کمرے تھے۔ دو بیڈروم اور ایک سٹڈی روم! سیڑھیوں کے بائیں جانِب ایک دروازہ تھا جو بالکونی میں کُھلتا تھا۔ بالکونی نیچے والے ہال جِتنی تھی جِس میں گملے پڑے ہوئے تھے جِن میں طرح طرح کے پھولدار پودے تھے۔ سامنے والے بیڈروم میں بھی بالکونی تھی جہاں بیٹھنے کی جگہ بھی تھی اور وہاں ایک کُرسی اور جھول رکھا ہوا تھا۔

"تُم اِن میں سے جِس بھی روم میں رہنا چاہو رہ سکتی ہو۔" امن نے اُسے بیڈروم دِکھ کر کہا تو اُس نے وہ بیڈروم پسند کیا جِس میں بالکونی تھی۔

"یہاں کوئی آتا جاتا نہیں ہے۔ تُم یہاں بِالکل آرام سے رہ سکتی ہو اور تُمہیں شام تک کِچن کا سارا سامان بھی مل جائے گا۔ کھانا وغیرہ بنا لیتی ہو؟" امن نے رُک کر پوچھا تو اُس نے فٹافٹ سر ہلا دیا۔

"گُڈ! تو پِھر تُم کِچن میں اپنے لیے جو چاہے بنا کر کھا سکتی ہو اور ہاں! تُمہیں تُمہارے کپڑے بھی شام تک مل جائیں گے۔" امن نے کہا تو وہ پِھر تابعداری سے سر ہلا گئی۔

"تُمہیں کچھ اور چاہیے؟" امن نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی جِس پر وہ اُسے چند مزید ہدایتیں دیتا باہِر کی جانِب بڑھا۔

"اور ہاں! کوئی بھی آئے دروازہ مت کھولنا۔" امن نے یاد آنے پر اُسے ہدایت کی تو وہ ایک بار پِھر سر ہلا گئی۔ اُس کے سر ہلانے پر وہ گاڑی میں بیٹھ کر باہِر نِکل گیا تو اُس نے جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ بند کر لیا۔

اپنے پیچھے گیٹ بند ہوتا دیکھ کر اُس نے ایک گہرا سانس بھرا اور پھر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے اِس لڑکی کے ساتھ نیکی کرنے کی کوشش کی تھی جِس کا وہ نام تک نہیں جانتا تھا۔ منیحہ کو وہ بچا نہیں سکا تھا جو نہ جانے اب کہاں تھی مگر اِس لڑکی کو بچا کر اور اُسے اُس کے گھر پہنچا کر وہ کچھ تو اپنے دِل پر پڑا بوجھ ہلکا کر ہی سکتا تھا۔

مرینہ آج کافی دِنوں بعد سب سے مِلنے آئی ہوئی تھی۔ شاہدہ خاتون اُسے دیکھ کر بے حد خُوش ہوئی تھیں مگر اُس کا چہرہ بُجھا بُجھا سا تھا۔ وہ رونق جو نئی نویلی دُلہنوں کے چہروں پر ہوتی ہے اِس وقت اُس کے چہرے سے ناپید تھی۔ شاہدہ خاتون جو اُس کے آنے سے بے حد خُوش ہوئی تھیں اُس کا بُجھا بُجھا سا چہرہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئی تھیں۔

سب سے مِل کر وہ شاہدہ خاتون کے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

شاہدہ خاتون اُس کے چہرے پر چھائی اُداسی کو اُس کی تھکاوٹ سمجھ کر اُس کے لیے کِچن میں کچھ بنانے چلی گئی تھیں۔ وہ چُپ چاپ سی لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ روزینہ نے

اُس کے یہاں آتے ہی اُسے بتادیا تھا کہ حسینہ کو نظر بند کر دیا گیا ہے۔اُسے حسینہ کے لیے دُکھ ہونے لگا۔اُسے کیا پتا تھا کہ مُسفرِہ کے لیے جو گڑھا وہ کھود رہی تھی اُس میں اُس کی اپنی بہن جا گرے گی۔ حمدان سے حسینہ کی شادی کی وجہ سے وہ حسینہ سے چِڑنے لگی تھی مگر جو سلوک حسینہ کے ساتھ اب ہو رہا تھا اُس کو دیکھ کر وہ پچھتا رہی تھی کہ اُس نے ایسا کیوں کیا؟

نذیر خان سے بھی وہ ملِی تھی مگر اُنہوں نے اُس کے سر پر پیار دینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

ابھی وہ اپنی سوچوں میں گُم ہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔اُس نے سامنے دیکھا تو زرنِگار کمرے میں داخِل ہو رہی تھی۔

اُس سے چند سال بڑی نِگار اُس کی بہن ہی لگتی تھی سوتیلی ماں نہیں۔

"کیسی ہو مرینہ!" نگار نے نرمی سے پوچھا۔

''آپ نے مجھے بددُعائیں دی تھیں نا؟'' مرینہ نے اُداسی سے کہا۔

''میں تُمھیں کیوں بددعائیں دوں گی بھلا؟ تُم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟'' نِگار کو اُس کے سوال پر حیرت ہوئی تھی۔

''کیوں کہ میں نے آپ کے بیٹے کو مارا تھا اُس دِن اور گالی بھی دی تھی۔'' مرینہ نے جواب دیا تو نگار نے نفی میں سر ہلایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں مرینہ! میرا بیٹا تُمھارا بھائی لگتا ہے اور تُم نے اُس دِن اُسے مارا یا گالی دی تو کوئی بات نہیں تُم یقیناً غُصّے میں ہو گی یا اپنی شادی کو لے کر پریشان بھی! شادی کے دِنوں میں لڑکیوں کو یوں ہی غُصّہ آجاتا ہوتا ہے آخر کو اُنھوں نے اپنا گھر بار، ماں باپ، بہن بھائی سب چھوڑ دینے ہوتے ہیں اور ویسے بھی میں نے بھی تو تُمھیں سخت سُست سُنا دی تھیں نا تو حِساب برابر ہو گیا لیکن سچ میں میں نے تُمھیں کبھی کوئی بددُعا نہیں دی تو تُم ایسا مت سوچو۔'' نگار نے اُس کی بھرپور تسلّی کروائی تو وہ ہنکارا بھر کر رہ گئی۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" نِگار خُود کو یہ پوچھنے سے روک نہیں پائی تھی تبھی پوچھ گئی۔

"میرا کیا میرے سامنے آرہا ہے۔" مریکہ بے دِلی سے بڑبڑائی۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں؟" نِگار نے اچھنبے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ لوگ مجھے طعنے دیتے ہیں کہ ایک کزن بھاگ گئی اور دوسری کو بھاگتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا۔ مجھ پر فقِرے کستے ہیں کہ میں بھی اُن جیسی ہی ہوں گی مگر باپ دادا کے ڈر سے ایسا کچھ نہیں کر نہیں پائی۔ وہ کہتے ہیں میں نے بھی کوئی عاشِق پال رکھا ہو گا۔" مرینہ کہتے ہوئے رو پڑی تو نگار کے ہاتھ پاوں پھول گئے۔

"رومت مرینہ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سنبھالو خُود کو!" نگار کو سمجھ میں نہ آیا کہ اُسے کیسے تسلّی دے۔

"کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟ میرا شوہر مُجھ پر شک کرتا ہے۔ میں گھر سے باہِر نہیں نِکل سکتی۔ گھر والوں سے فون پر بات نہیں کر سکتی کہ وہ شک کرتے ہیں کہ میں کسی نامحرم سے

باتیں کرتی ہوں۔ گھر میں کہیں نظر نہ آؤں تو سب سے پہلا یہی جملہ اُن کے مُنہ سے نِکلتا ہے کہ کہیں بھاگ تو نہیں گئی۔ کمال خان مُجھ سے شادی کرنے پر پچھتاتا ہے اور آتے جاتے مجھے طعنے مارتا ہے۔ ذرا سی غلطی ہو جائے تو پورا ہفتہ اُس غلطی پر مجھے لعن طعن کیا جاتا ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں؟" مرینہ سب کچھ بتاتی گئی تو نگار دنگ سی سُنتی گئی۔ شادی والے دِن بھی تو کمال خان اور اُس کے گھر والے طنز کر رہے تھے تبھی نِگار سمجھ گئی تھی کہ وہ لوگ اچھے نہیں ہیں مگر تب تک نِکاح ہو چُکا تھا اور نہ بھی ہوا ہوتا تو آغا جان کے سامنے وہ کیسے کچھ کہہ سکتی تھی؟

"میں تُمھیں صبر کے علاوہ کسی اور چیز سے تسلی نہیں دے سکتی۔ تُم بس صبر کا دامن تھامے رکھو اور اللہ سے دُعا کرو کہ وہ سب کے دِلوں میں تُمھارے لیے محبّت ڈال دے خاص طور پر کمال خان کے دِل میں!" نگار اُس کا کندھا تھپتھپا کر اُٹھ گئی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

نذیر خان پہلے سے وہاں موجود تھے۔ اُس نے اُنہیں سب کچھ بتایا تو وہ کچھ دیر کو چُپ رہے۔

"اُسے کہو کہ جیسا بھی ہے اب وہی اُس کا گھر ہے۔ جیسے بھی گزارہ کرنا پڑے کرے یہاں اُس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ پہلے ہی جگ ہنسائی بہت ہو گئی ہے اُسے بھی گھر لا کر بِٹھا دیا تو لوگ کیا کہیں گے؟" نذیر خان نے سنجیدگی سے کہا تو نگار اُن کا مُنہ دیکھ کر رہ گئی۔

لوگ کیا کہیں گے؟ لوگ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں کہتے۔ لوگ دوسروں کی حالت سے صرف چٹخارے لینا جانتے ہیں۔ وہ چھوٹی سی بات کو مصالحے لگا لگا کر ڈِسکس کرتے ہیں اور دوسروں کی بے بسی سے حِظ اُٹھاتے ہیں۔ وہ دو چار دِن باتیں کرتے ہیں اور جب اُنہیں نئی خبر مل جائے

تو اُس طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کا کام ہی ہے کہنا اور یہی لوگ کسی حال میں خُوش نہیں ہوتے۔ اِنسان کا کام خود کو خُوش رکھنا ہے نہ کہ لوگوں کو! اگر یہ بات ہر اِنسان کی سمجھ میں آجائے تو بہت سے لوگ ڈِپریشن میں جانے سے بچ جائیں۔

نگار اُن سے مزید کچھ نہیں کہہ سکتی تھی کیوں کہ وہ جانتی تھی اگر مزید کچھ کہا تو وہ اُسی پر غُصّہ کر کے اُسے ٹوک دیں گے اور آئندہ اِس معاملے پر بات نہ کرنے کا سختی سے کہیں گے کیوں کہ پہلے بھی اُس نے جب حسینہ کو آزاد کرنے کے متعلق بات کی تھی تو اُنہوں نے اُسے سختی سے ٹوک دیا تھا کہ وہ اُن کے معاملے میں نہ پڑے۔ اُسے حسینہ کے ساتھ ساتھ اب مرینہ کے لیے بھی دُکھ ہونے لگا مگر وہ اُن دونوں کے لیے ہی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

حاطب اِس وقت یُونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد اپنے ذاتی گھر آ گیا تھا وہی جو اُسے عُبید سیال نے گِفٹ کیا تھا۔ یہ گھر اُسے بہت عزیز تھا کیوں کہ یہاں وہ اپنے ماں باپ کی تصویروں سے گھنٹوں باتیں کرتا تھا۔ پورے گھر میں جگہ جگہ امینہ اور یُوسف سیال کہ تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں آ کر ایک عجیب سا سکون تھا جو اُسے روح تک اُترتا

محسوس ہوتا تھا۔ ہفتے کی رات کو وہ یہاں آتا تھا اور اِتوار کا پورا دِن گزار کر شام کو واپس سیال ہاوس چلا جاتا تھا۔ سب کو اُس کی یہ روٹین پتا تھی۔

پوری رات وہ کبھی اپنے ماں باپ کی تصویروں سے باتیں کرتا رہا تو کبھی منیحہ کے بارے میں سوچتا رہا جِس کے بارے میں ابھی کوئی خاص اِنفارمیشن نہیں ملی تھی اور اگر ملی بھی تھی تو اُس ڈیٹیکیٹو نے اُسے کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ اُس کے پوچھنے پر یہی کہا تھا کہ اُسے کوئی کلیو مل گیا ہے اور جلد ہی وہ اُس کی کزن کو ڈھونڈ کر اُس کی ایگزیکٹ لوکیشن بتائے گا۔

اگلے دِن وہ صُبح چھ بجے واک کرنے نِکلا اور واک کرتے کرتے وہ امن ہاوس کے سامنے سے گزرا مگر وہاں سے گزرتے گزرتے وہ ٹھٹھک کر رُکا۔ اُس نے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا تو بالکونی میں کوئی لڑکی کھڑی تھی۔ خُوب صورت سا لباس پہنے اور دوپٹہ نفاست سے سر پر اوڑھے وہ ایک شریف لڑکی لگ رہی تھی مگر وہ اُس لڑکی کی امن کے گھر میں موجودگی ہضم نہیں کر پایا تھا۔ وہ حیرت کا مجسمہ بنا ہوا اُس لڑکی کو دیکھتا رہا تو وہ

لڑکی اُسے خود کو گھورتا پا کر تیزی سے ریلنگ چھوڑ کر پیچھے ہوئی اور چہرہ ڈھانپتی واپس کمرے میں چلی گئی۔

"امن تو منیحہ سے محبّت کرتا تھا پِھر یہ لڑکی کون ہے ؟" خُود سے بڑبڑاتا وہ تیزی سے آگے بڑا اور دیوار پھلانگ کر اندر داخِل ہوا جو زیادہ اونچی نہیں تھی۔ گھر کا اندرونی دروازہ بند تھا تبھی وہ بالکونی والی سائیڈ پر آیا اور وہاں موجود سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر ریلنگ پھلانگ کر اندر داخِل ہوا۔ ساتھ ہی کمرے کی بالکونی تھی مگر وہ لڑکی وہاں کا دروازہ بند کر چُکی تھی لیکن ہال کا بالکونی والا دروازہ کھلا تھا۔ وہ سہولت سے اندر ہال میں داخِل ہو چُکا تھا۔
اُسے ہال میں دیکھ کر وہ لڑکی زوردار آواز میں چیخی اور تیزی سے کمرے میں بھاگنے لگی جب حاطب نے اُس کا بازو پکڑ کر اُسے روکا۔

"پریگدہ زما لاس دلہ انسانہ (ہاتھ چھوڑو میرا بے غیرت اِنسان!)" اُس لڑکی نے پشتو میں کچھ کہا مگر حاطب کو ذرا بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُس نے کیا کہا ہے مگر اُس کے نین نقش اور لہجہ سُن کر اُسے معلوم ہو چُکا تھا کہ وہ پٹھانی ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے اُسے کھینچتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"ستا ھمت ○ بہ ○ ہ وشو زما دپر ○○ و دو ذلیل انسان (تُمھاری ہمّت کیسے پڑ رہی ہے مجھے چھونے کی مردود اِنسان؟)" وہ ایک بار پِھر پشتو زبان میں چیخی تو حاطب نے مڑ کر اُسے غُصّے سے گھورا۔

"چینی زبان میں چیں چیں مت کرو۔ پتا نہیں کسی براعظم سے اُٹھا لایا ہے امن تُمھیں؟" حاطب غُصّے سے بولتا اُسے نیچے لے آیا اور لا کر صوفے پر پٹخا جِس پر وہ بے ساختہ پِھر سے چیخ اُٹھی۔ اُسے لگتا تھا کہ اِس لڑکی کو اُس کی زبان نہیں آتی تبھی تب سے کچھ نہ بولا تھا مگر اب اُس کی ہمّت جواب دے گئی تھی۔

"اللہ د ○ تباہ کا ○ ہ تا (اللہ غارت کرے تُمھیں!)" اُس نے پِھر سے پشتو میں کہا تو یہ جُملہ بھی حاطب کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔

"ایک منٹ! اِسے امن خود لے کر آیا ہے یا یہ کچھ چُرانے اِس گھر میں گھسی ہے؟"

حاطب نے بڑبڑا کر کہا تو اُس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"میں تُمھیں شکل سے چور لگتی ہوں؟" وہ پشتون لہجے میں مگر اردو زبان میں گویا ہوئی تو

حاطب نے چونک کر اُسے دیکھا۔

روئی روئی متورم آنکھیں، خوب صورت سے پٹھانی نین نقش، سُرخ و گُلابی رنگت لیے

وہ پٹھانی ہی لگتی تھی مگر اُسے اِتنی صاف اُردو بولتا دیکھ کر اُسے سچ میں حیرانی ہوئی تھی۔ وہ

اب سیدھی ہو کر صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"تُمھیں اُردو آتی ہے؟" حاطب نے ابرو اُچکا کر سوال کیا۔

"مجھے اُردو آتی ہے لیکن تُمھیں لڑکیوں سے کیسا سلوک کرنا ہے لگتا ہے نہیں معلوم؟"

وہ تیکھے چتونوں سے اُسے دیکھتی گویا ہوئی تو حاطب نے سر جھٹکا۔

"مجھے کیا معلوم ہے کیا نہیں یہ چھوڑو۔ تم کو۔ یو اور یہاں کیسے آئی یہ بتاو؟" حاطب نے اُسے گھورا۔

"میں تمہیں کچھ بھی بتانے کی پابند نہیں ہوں۔ تم مجھے بتاو کہ تمہاری ہمّت کیسے ہوئی میرے گھر میں گھسنے کی؟" اُس نے دوٹوک مگر غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا گھر کہاں سے آگیا یہ؟ یہ امن سیال کا گھر ہے۔" حاطب نے جتاتے لہجے میں کہا۔

"یہ میرا گھر ہے کیوں کہ یہاں میں رہتی ہوں۔ تم مجھے چور کہہ رہے تھے چور تم ہو جو دیوار پھلانگ کر اندر آئے۔" اُس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا عورتوں کی کہا تو حاطب اُس کا اعتماد دیکھ کر اپنا ماتھا مسلنے لگا۔

"تمہیں امن یہاں لایا ہے؟" حاطب نے اب کی بار سنجیدگی سے سوال کیا۔

"مجھے اُس کا نام نہیں معلوم مگر وہ بے حد شریف، تہذیب یافتہ اور نیک لڑکا ہے جو دیوار پھلانگ کر نہیں آتا نہ ہی مُجھ سے بدتمیزی کرتا ہے۔" اُس نے بھی جتا جتا کر کہا تو حاطب

نے ایک بار پھر اُسے گھورا مگر اب کی بار کچھ کہے بغیر جیب سے فون نِکالا اور امن کا نمبر مِلایا۔ یہ اُلجھن اب امن ہی سُلجھا سکتا تھا کہ یہ لڑکی تھی کون کیوں کہ یہ لڑکی ٹیڑھی کھیر تھی جو اُسے شاید کبھی سیدھا جواب نہ دیتی۔

اچانک بیل بہت پاس سے بجنے لگی تو حاطب نے چونک کر فون کان سے ہٹایا۔ سامنے دیکھا تو اندرونی دروازے کے پاس ہی امن کھڑا تھا جِس کے ایک ہاتھ میں کچھ شاپرز تھے جب کہ دوسرے ہاتھ میں فون تھا۔ وہ ابھی ہی لاک کھول کر اندر آیا تھا اور سامنے ہی کھڑے حاطب کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ پٹھانی لڑکی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے اُس لڑکی کو کپڑے جوتے وغیرہ سب کچھ فراہم کر دیا تھا تبھی اب وہ نِکھری نِکھری سی لگ رہی تھی۔

"تُم یہاں کیسے ؟" امن نے سنجیدگی سے حاطب سے اِستفسار کیا۔

"میری چھوڑو یہ لڑکی یہاں کیسے یہ بتاو؟" حاطب نے سوال کے بدلے سوال کیا۔

"جیسے تُم آئے ویسے ہی۔" امن نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔

"میں تو دیوار پھلانگ کر آیا ہوں۔ اِس لڑکی کو دیکھ کر تو نہیں لگ رہا کہ یہ دیوار پھلانگ سکتی ہو گی؟" حاطب نے امن کی بے نیازی پر اُسے گھورا تو وہ بے ساختہ مُسکرایا۔

"مُصیبت میں تھی میں نے اِس کی مدد کر دی۔ اب بس اِس کو اس کے گھر پہنچانا باقی رہ گیا ہے۔" امن نے گہرا سانس بھر کر مُختصراً بتایا جانتا تھا کہ حاطب کُرید ے گا نہیں کہ کہاں، کیسے اور کب ملی۔

"کہاں ہے اِس کا گھر؟" حاطب نے سوال کیا۔

"خیبر پختونخوا کے کسی گاؤں سے ہے۔" امن نے بتایا تو وہ گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ اب چُپ چاپ بیٹھی اُن دونوں کی باتیں سُن رہی تھی۔ وہ مُطمئن تھی کیوں کہ امن پر اُسے بھروسہ تھا اب جب کہ حاطب بھی اُسے شریف لگ رہا تھا تو اُسے کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"تُم ہمارے لیے چائے بنادو گی پلیز؟" حاطب نے اچانک اُس سے فرمائش کی تو وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی اور پھر سر ہلا کر کچن کی جانب بڑھی۔

"منیحہ کو اِتنی جلدی بھول گئے حیرت ہے؟" حاطب نے غیر متوقع سی بات کی تو وہ پھیکا سا مُسکرایا۔

"اُسے بھولا نہیں ہوں اچھے سے یاد ہے وہ مجھے!" امن نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو پِھر ڈھونڈ کیوں نہیں رہے اُسے؟" حاطب نے ایک اور سوال کیا۔

"کوشش کر رہا ہوں مگر اب تک ناکام ہوں۔" امن نے آزردگی سے کہا تو حاطب چُپ رہ گیا۔

"اِسے کب چھوڑنے جاوگے؟" حاطب نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"اگلے ہفتے! سمیسٹر بریک ہے تو چھُٹیاں ہوں گی۔" امن نے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

گھےاَ دیکھا مگر پھر کچھ سوچ

"تُم نے پوچھا ہی نہیں۔" مُسفرِہ نے سادگی سے کہا تو اُس نے گہرا سانس بھرا۔ ہاں! اُس نے تو اُس کا نام پوچھا ہی نہیں تھا۔

"یہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ رکھ لو اور اب بالکونی میں مت جانا۔" امن نے ہدایت کی تو اُس نے سر ہلا دیا۔

وہ اُسے مزید کچھ ہدایات کرتا جانے لگا جب مُسفرِہ نے کچھ جِھجھک کر اُسے روکا۔

"کیا ہوا؟" امن نے اچھنبے سے اُسے دیکھا جو کچھ گھبراہٹ کا شکار تھی۔

"یہاں کہیں کوئی لڑکیوں کی دُکان ہے؟ تُم مجھے وہاں لے چلو گے؟" مُسفرِہ نے جِھجھک کر پوچھا۔

"تُمہیں جو بھی چاہیے مجھے بتاؤ میں لادوں گا۔" امن نے کہا تو وہ کچھ جُزبُز ہوئی۔

"میں سب کچھ تُمھیں نہیں بتا سکتی کیا تُم مجھے کسی لڑکیوں والی دُکان میں لے جاوگے ؟"

مُسفِرہ کے دوٹوک انداز پر وہ کچھ اُلجھا مگر پھِر اُس کی مشکل سمجھ میں آئی تو گہرا سانس بھر کر سر ہلا گیا۔

"چلو!" وہ اُسے اِتنی جلدی لے جانے کے لیے تیار ہو جائے گا اُسے نہیں پتا تھا۔ وہ جلدی سے اپنی چادر لے کر اُس کے ساتھ باہِر نِکل آئی اور پِھر کچھ ہی دیر میں وہ اُسے لیے سوسائٹی کے ہی ایک پلازے میں کھڑا تھا جہاں لیڈیز بوتیک بھی موجود تھا۔ وہ باہِر ہی بیٹھ گیا جب کہ وہ اندر داخِل ہو گئی۔ دروازہ شیشے کا تھا جِس کے اندر سے باہِر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا مگر باہِر سے اندر کا منظر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

مُسفِرہ سیلز گرلز سے اپنی مطلوبہ چیزیں لینے لگی۔ سیلز گرل مُسکرا کر اُس حسین گڑیا جیسی لڑکی کو دیکھتی اُسے اُس کا سامان نِکال کر دینے لگی۔

"آپ اپنے ہزبینڈ سے بھی پوچھ لیں اُنہیں یہ سامان پسند ہے ؟اِس طرح ہزبینڈ زیادہ خُوش ہوتے ہیں۔" سیلز گرل نے اُسے مشورہ دیا تو مُسفرِہ نے اُلجھ کر اُسے دیکھا جو باہِر بیٹھے امن کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ میرے ہزبینڈ نہیں ہیں۔" مُسفرِہ نے گڑبڑا کر کہا۔

"اوہ تو بوائے فرینڈ ہے ؟ پھِر تو آپ کو ایڈوانس چیزیں لینی چاہیئیں تاکہ وہ مزید خُوش ہو۔" اب کی بار سیلز گرل نے شرارتی انداز اپناتے اُسے آنکھ مار ج تو مُسفرِہ مزید گڑبڑائی۔

"اِس کی ضرورت نہیں آپ وہی سامان دی جو میں نے کہا ہے۔" مُسفرِہ نے اپنی حالت پر قابو پا کر سختی سے کہا تو وہ کندھے اُچکا کر اُس کا سامان پیک کرنے لگی۔

وہ پیسے ادا کر کے سامان لے کر باہِر آئی تو اُس کا چہرہ شرمندگی و خجالت سے سُرخ پڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" امن نے اُس کے سُرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" دھیمے لہجے میں اُس نے بات ہی ختم کر دی تو امن نے بھی مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور واپسی کے لیے چل دیا۔

منیحہ وڑائچ کو یہاں چار دِن مزید گزر چکے تھے۔ حمدان اُس کے لیے دو زنانہ جوڑے لے آیا تھا جِس پر اُس نے حمدان کے کپڑے دھو کر اُسے واپس کر دیئے تھے۔ وہ روز ناشتہ بناتی، گھر کی تھوڑی بہت صفائی کرتی، لنچ بناتی اور پھِر رات کا کھانا بھی بناتی۔ اِس دوران اُسے جو فارِغ ملتا وہ یا تو ٹی وی دیکھ کر گزار دیتی یا نماز و قُرآن وغیرہ پڑھ لیتی۔

اُس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا وہ جانتی تھی مگر حمدان نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دو دِن میں اُسے واپس چھوڑ آئے گا۔ حمدان کے کپڑے وغیرہ بھی وہ خُود ہی دھو دیتی تھی جِس پر حمدان نے اُسے ٹوکا نہیں تھا۔ اِس بیچ اُن کی ہمسائی رُقیہ کئی مرتبہ ہو کر گئی تھی۔

منیحہ کی اُس سے تھوڑی بہت دوستی ہوگئی تھی۔ وہ اچھی عورت تھی اور جب آتی تھی تو منیحہ کا بھی وقت اُس کے ساتھ اچھا کٹ جاتا تھا۔

اُس نے حمدان سے اُس کا فون لے کر گھر والوں کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر کسی سے بھی بات نہ ہو پائی تھی جِس پر وہ دِل مسوس کر رہ گئی تھی۔ سب نہ جانے اُس کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے کہ وہ کہاں چلی گئی۔ کہیں وہ اُس کے بارے میں کچھ غلط نہ سوچتے ہوں؟ وہ واپس جائے گی اور جو کچھ بتائے گی وہ اُس پر یقین کر لیں گے۔ سارا سارا دِن وہ بس یہی سوچتی رہتی تھی۔

اِس وقت وہ شام کا کھانا بنا کر اور کھانا کھا کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اُس نے حیرت سے گھڑی دیکھی جو شام کے چھ بجا رہی تھی۔ حمدان اِس وقت تو نہیں آتا تھا اور وہ صُبح کہہ کر گیا تھا کہ وہ آج آئے گا بھی نہیں! اُسے شاید اپنے گاؤں جانا تھا۔ اگر حمدان نہیں تھا پھر یقیناً رقیہ ہی ہو گی اور تو کوئی اِس گھر میں نہیں آتا تھا۔

وہ دوپٹہ کندھے پر لٹکاتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر کی جانِب بڑھی اور بغیر پوچھے دروازہ کھول دیا۔

سامنے ہی ایک چالیس سے بیالیس سالہ شخص کھڑا تھا جِس نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور کندھے پر سفید دوپٹہ تھا جب کہ سر پر شیشوں والی رنگیلی سی ٹوپی تھی۔
سر کے بالوں اور داڑھی میں چاندی اُتری ہوئی تھی مگر وہ شخص دِکھنے میں کافی صحت مند اور پٹھان لگتا تھا۔

"تُم کون اے؟" اُس آدمی نے حیرت سے پوچھا۔

"ام اِس گھر کا مالکن اے مگر تُم بتاو تُم کون اے اور یہاں کس واسطے آیا؟" اُس نے عادتاً اُسی آدمی کے لہجے میں کہا۔

وہ حمدان سے اِس طرح بات کرنے کی اِتنی عادی ہو گئی تھی کہ وہ بے اِختیار اِس پٹھان سے بھی اِسی انداز میں بات کرنے لگی تھی۔

"تُم اِس گھر کا مالکن اے؟ مگر یہاں تو حمدان رہتا اے؟" اُس آدمی نے مزید حیرت کا اِظہار کیا۔

"ہاں توام حمدان خان کا بیوی اے! تُم کو کیا کام اے حمدان سے؟" منیحہ نے وہی جھوٹ بولا جِس کو وہ یہاں عام کر چُکی تھی۔

"تُم حمدان کا بیوی اے؟" تعجب و حیرانی سے اُس آدمی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ام تُم کو فارسی میں تو نئیں بتا رہا جو تُم کو سمجھ میں نہیں آ رہا بابا! ام حمدان خان کا بیوی اے تُم بتاو تُم کون اے؟ اور حمدان سے تُم کو کیا کام اے؟ ابھی وہ گھر پر نئیں اے۔ آئے گا توام اُس کو بتا دے گا کہ تُم آیا تھا۔ اب بتاو تُم کون اے؟" منیحہ نے جھلا کر اپنی بات پر زور دے کر کہا اور آخر میں تعارُف پوچھا۔

"ام اُس کا باپ اے جِس کا تُم بیوی اے!" اِس آدمی نے تیکھے چتونوں سے اُسے دیکھ کر کہا۔

"ہاں تو پہلے بتادیتا تُم کہ تُم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"منیحہ تیزی سے بات کرتی کرتی بے ساختہ رُکی۔

اُس آدمی کی بات پر غور کیا اور پھِر چونک کر گھبرائے ہوئے انداز میں اُس آدمی کو دیکھا جِس کا چہرہ حمدان کے جیسا ہی تھا۔اُس نے پہلے غور نہیں کیا تھا کہ اِس آدمی اور حمدان کے چہروں میں کافی مشابہت تھی۔

"کدھر اے وہ؟"ضمیر خان نے کڑک انداز میں پوچھا مگر اِس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی اچانک رُقیہ نمودار ہو گئی۔

"یہ کون ہے؟"اُس نے ضمیر خان کو دیکھ کر اِستفسار کیا۔

"ام اِس کا سسُر اے!"ضمیر خان نے منیحہ کو گھور کر کہا تو وہ سٹپٹائی۔

وہ یہ جھوٹ کبھی ضمیر خان سے نہ بولتی اگر اُسے اندازہ ہوتا کہ سامنے حمدان کا باپ کھڑا ہے۔

"اوہ اچھا اچھا! بہت اچھا بچہ ہے حمدان! منیحہ سے اِتنی محبّت کرتا ہے، اِتنا خیال رکھتا ہے اِس کا کہ میں تو نہال ہی ہو جاتی ہوں۔ ایسے اچھے شوہر بھی قِسمت والیوں کو ہی مِلتے ہیں۔" رقیہ نے حمدان کی تعریف کرتے آہ بھری تو ضمیر خان کا چہرہ سُرخ ہونے لگا جب منیحہ بے ساختہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ وہ نہ رقیہ کو بولنے سے روک سکی تھی نہ اُسے بتا سکتی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

اُنہوں نے حمدان کو مُسفِرہ کو ڈھونڈنے کے لیے یہاں بھیجا تھا اور وہ یہاں شادی کر کے اپنی موج مستیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کدھر اے وہ؟" وہ کڑک انداز میں منیحہ سے پوچھتے گھر میں داخِل ہو گئے۔ منیحہ نے رقیہ کو وہیں سے رخصت کیا اور خُود اُن کے پیچھے اندر چلی آئی۔

"وہ باہِر گیا ہے کہہ رہا تھا کہ آج نہیں آ پائے گا۔" منیحہ نے تمیز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اصل انداز میں بات کی تو ضمیر خان نے چونک کر اُسے دیکھا مگر پوچھا کچھ نہیں کیوں کہ وہ اُس کے لہجے سے ہی سمجھ گئے تھے کہ وہ پٹھان خاندان سے تعلق نہیں رکھتی۔

ضمیر خان نے کچھ کہے بغیر حمدان کو نمبر مِلایا اور کال اٹینڈ ہوتے ہی وہ ایک سائیڈ پر چلے گئے۔ منیحہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ انجانے میں وہ حمدان کے لیے مشکل کھڑی کر چُکی تھی اب نہ جانے وہ کیا ری ایکشن دیتا؟ اُسے کچھ اور نہ سوجھا تو کچن میں چلی آئی تا کہ ضمیر خان کے لیے قہوہ بنا سکے۔ حمدان بھی قہوہ بہت شوق سے پیتا تھا تبھی اُس نے ضمیر خان کے لیے بھی قہوہ بنانا ہی بہتر سمجھا تھا۔ قہوہ بناتے بناتے وہ پریکٹس بھی کر رہی تھی کہ کن لفظوں میں ضمیر خان کو حقیقت بتائے۔

دس منٹ میں قہوہ بنا کر وہ باہِر آئی تو ضمیر خان کُرسی پر براجمان تھے مگر اُن کے چہرے پر اب بھی غصیلے تاثرات تھے۔

"تُم کب سے رہ رہا ہے یہاں؟" ضمیر خان نے سنجیدگی سے اِستفسار کیا۔

"دو اڑھائی ہفتے ہو گئے ہیں۔" منیحہ نے بتایا تو وہ لب بھینچ گئے۔ اُنہیں حمدان سے یہ اُمید تو نہیں تھی۔

"شادی کب کیا تُم سے حمدان نے؟" ضمیر خان نے اگلا سوال کیا۔

"انکل! مجھے آپ کو کچھ۔۔۔۔۔۔۔" منیحہ بولنے ہی لگی تھی کہ ضمیر خان نے اُس کی بات کاٹی۔

"تُم جا کر اپنا سامان باندھو۔" ضمیر خان نے حکم دیا تو وہ حیرت سے اُن کا مُنہ تکنے لگی۔

"میں۔۔۔ میں کیسے جا سکتی ہوں آپ کے ساتھ؟" منیحہ نے حیرت و پریشانی سے سوال کیا۔

"کیوں نہیں جا سکتا تُم؟ تُم امارا بہو اے۔ امارا عزّت اے۔ ام تُم کو ایسے یہاں اکیلے نہیں چھوڑ سکتا۔ حمدان کا عقل تو گھاس چرنے گیا ہے۔ اُس سے تو ام اچھے سے نِپٹے گا۔ تُم جاو۔" ضمیر خان نے دو ٹوک انداز میں کہا تو وہ چار و ناچار سر ہلاتی اپنے کمرے کی جانِب بڑھ گئی جب کہ وہ جبڑے بھینچتے قہوہ نوش کرنے لگے۔

اُنہیں حمدان پر غُصّہ تھا۔ حسینہ کو چھوڑ کر وہ کسی پنجابن سے شادی کر چُکا تھا تو غُصّہ کیسے نہ ہوتے۔ مُسفِرہ کی مدد کرتے ہوئے وہ خُود پہ بدنامی کی مہر لگوا چُکی تھی تو وہ کیسے نہ اُس کے لیے غم محسوس کرتے اور کیسے نہ حمدان پر غُصّہ ہوتے جِس نے اُس سے شادی سے اِنکار کر دیا تھا۔ اِس لڑکی کو وہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ قصور تو اُن کے اپنے بیٹے کا تھا اور پِھر ایک عورت ذات سے وہ کہتے بھی کیا؟

حاطب اور امن سیال آج مُسفِرہ خان کو بائی روڈ اُس کے علاقے، اُس کے گھر چھوڑنے جا رہے تھے۔ اُنہوں نے گھر پر یہی بتایا تھا کہ منیحہ کا کہیں سُراغ مِلا ہے اور وہ اُسی طرف جا رہے ہیں۔ یہ آئیڈیا امن کا تھا۔ عُبید سیال نے کہا تھا کہ وہ خُود جائیں گے مگر امن اور حاطب نے اُنہیں نہ جانے اور گھر پر رُک کر سب کا خیال رکھنے پر کنوینس کر لیا تھا۔

حاطب اور امن نے کھانے پینے کی وافر چیزیں سفری بیگ میں رکھ لی تھیں اور وہ بیگ مُسفِرہ کے حوالے کر دیا تھا جو پِچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ لڑکی تھی اور شاید اُن سے کچھ

مانگنے پر ہچکچاتی تبھی اُنہوں نے وہ بیگ ہی اُسے دے دیا تھا۔ امن اور حاطب باتیں کرتے کرتے جا رہے تھے تاکہ اُنہیں نیند نہ آئے۔ نو سے دس گھنٹوں کا سفر تھا اور وہ دونوں باری باری ڈرائیونگ کرنے والے تھے۔ مُسفرہ خُوش تھی کہ وہ صحیح سلامت گھر جا رہی تھی مگر ڈر بھی رہی تھی کہ گھر والے نہ جانے اُس کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ اُس پر یقین کریں گے بھی یا نہیں؟ حسینہ نے تو دیکھا تھا کہ وہ آدمی اُسے اغواہ کر کے لے جا رہا تھا اُس نے سب کو بتایا ہو گا کہ مُسفرہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہے تو وہ یقیناً اُسے ڈھونڈ رہے ہوں گے اور اب جب وہ گھر جائے گی تو وہ سب اُسے دیکھ کر خُوش ہی ہوں گے۔ مُختلف سوچیں تھیں جو اُس کے ذہن کو پراگندہ کر رہی تھیں۔

صُبح کے سات بجے کے نکلے وہ لوگ شام کے تین بجے خیبر پختونخوا کی حدود میں داخل ہوئے تھے۔ راستے میں اُنہوں نے دو تین جگہ رُک کر ریسٹ بھی کیا تھا اور فریش بھی ہو گئے تھے۔ امن نے راستے سے ہی لنچ پیک کروا لیا تھا جو اُنہوں نے گاڑی میں بیٹھ کر ہی کیا تھا۔ مُسفرہ آدھا راستہ سوتی آئی تھی۔ امن اور حاطب اچھے لوگ تھے، اُسے اُن پر یقین

بھی تھا مگر اُس کے اندر کی لڑکی اُسے مسلسل محتاط رہنے کو کہہ رہی تھی تبھی وہ زیادہ دیر سو نہیں پاتی تھی بلکہ ہر بیس منٹ بعد اُس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ اُس کا یہ سفر سوئی جاگی کیفیت میں ہی گزرا تھا۔

اِس دوران حاطب یا امن نے اُس سے کوئی بات نہ کی تھی نہ ہی کچھ پوچھا تھا۔ مُسفِرہ تو امن کی مشکور تھی جِس نے اُس کی عزّت بچانے کی خاطر اِپنا ایک کروڑ بِنا کسی غرض کے لُٹا دیا تھا۔ امن اور حاطب نے باری باری ڈرائیونگ کی تھی اور وہ آپس میں کافی باتیں بھی کرتے رہے تھے۔ اُن کی باتوں میں اُس نے منیحہ کا ذِکر بہت سُنا تھا جو کون تھی وہ نہیں جانتی تھی مگر کوئی خاص تھی جِس کا اُسے احساس ہو گیا تھا۔

خیبر پختونخوا کی حدود میں داخِل ہو کر ایک اِطمینان بھرا سانس مُسفِرہ نے خارِج کیا تھا۔ بالآخر وہ اپنے گھر پہنچنے والی تھی۔ اب یہاں سے اُنہیں خیبر پختنخوا کی ڈویژن کوہاٹ اور ضلع ہنگو جانا تھا۔ ہنگو کے گاؤں نریاب میں اُس کا گھر تھا جہاں پہنچنے کے لیے اگر وہ جہاز کا اِستعمال کرتے تو اُنہیں ایک سو بائیس میل سفر کرنا تھا لیکن وہ بائی روڈ جا رہے تھے تو

اُنہیں اِس سے بھی زیادہ کا وقت لگنا تھا۔ اُس کے گاوں میں داخِل ہوتے ہوتے اُنہیں رات کے دس بج گئے تھے۔

"امن! امن گاڑی روکو۔" وہ لوگ مُسفرِہ کے گھر سے کچھ ہی دور تھے جب حاطب بے ساختہ چیخا۔

"کیا ہوا سب خیریت؟" امن نے گھبرا کر گاڑی کو بریک لگایا اور یُوں اچانک زور سے بریک لگنے پر پیچھے بیٹھی مُسفرِہ جو اونگھ رہی تھی جھٹکے سے آگے والی سیٹ سے ٹکرائی اور سر پر لگتی ضرب سے وہ ہوش میں آئی۔

"کیا ہوا؟" اُس نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں نے منیحہ کو دیکھا۔" حاطب نے جلدی سے گاڑی سے اُتر کر کہا تو امن حیران ہوا۔

"وہ یہاں کیسے ہو سکتی ہے حاطب؟ تُمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی؟" امن نے اچھنبے سے کہا مگر وہ نفی میں سر ہلا کر گاڑی کا دروازہ بند کر چُکا تھا۔

"میں نے منیحہ کو اِدھر جاتے دیکھا ہے۔ تُم اِسے لے کر اِس کے گھر جاو۔ مجھے منیحہ کے پیچھے جانا ہے۔ تُمہارے باپ کا نام کیا ہے؟" اُس نے امن سے کہتے کہتے آخر میں مُسفِرہ سے سوال کیا تو وہ جو تعجب سے اُن کی گفتگو سُن رہی تھی اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ضمیر خان!" مُسفِرہ نے جلدی سے بتایا تو وہ بغیر امن کی کوئی بھی مزید بات سُنے ایک طرف بھاگتا اندھیرے میں گُم ہو گیا۔ امن نے گہرا سانس بھرا۔ "منیحہ یہاں اپنے شہر سے اِتنی دور کیسے ہو سکتی تھی؟ یقیناً حاطب کو غلط فہمی ہوئی ہو گی۔" امن خُود سے بڑبڑایا اور گاڑی اُس طرف بڑھا دی جِس طرف مُسفِرہ نے بتایا تھا کہ اُس کا گھر ہے۔

وہ سب لوگ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے اور سبھی تقریباً اپنے اپنے کمروں میں موجود تھے۔ ضمیر خان اور حمدان خان شہر میں تھے اور مرینہ اپنے سسرال میں! اُس دِن کے بعد سے وہ واپس نہیں آئی تھی۔ حسینہ ابھی تک نظر بند تھی۔ گھر کی عورتوں آغا جان کی اِجازت سے اُس سے مِلنے چلی جاتی تھیں جب کہ شاہدہ خاتون ہر وقت مُسفِرہ کو کوستی

رہتی تھیں کہ یہ سب اُس کی وجہ سے ہوا ہے۔ صائمہ خانم البتہ بس مُسفِرہ کی خیر خیریت سے واپسی کی دُعائیں کرتی رہتی تھیں۔

اچانک دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی جِس پر کسی نے بھی غور نہ کیا مگر دو منٹ کے وقفے سے دستک دوبارہ ہوئی تھی اور اِس بار کافی زور سے کی گئی تھی۔ زریاب خان جو سو رہا تھا اِس شور سے اُٹھ کر رونے لگا جِس پر نذیر خان کو شدید تاؤ آیا اور وہ تن فن کرتے بستر سے اُترے اور باہر کی جانب بڑھے۔

اُنہوں نے غُصّے سے دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی لڑکے کو دیکھ کر اُن کے ابرو تن گئے۔

"سوک یٔ تہ اوسہ غواڑی (کون ہو تُم اور کیا چاہیے ؟)" اُنہوں نے کڑک انداز میں پوچھا تو مقابل نے ناسمجھی سے اُنہیں دیکھا۔

"مجھے آپ کی زبان نہیں آتی۔ میں امن سیال ہوں۔" امن نے اپنا تعارف کروایا تو اُنہوں نے سر سے پیر تک امن کو دیکھا جو اِس وقت نیلے رنگ کی جینز اور سیہ رنگ کی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

"تُم کون اے اور کیا چاہیے ؟" نذیر خان نے اب کی بار اُردو میں پوچھا۔

"زہ یم ترہ جان (میں ہوں تایا جان !)" مُسفِرہ ڈرتی ہوئی امن کے پیچھے سے نِکل کر سامنے آئی تو اُسے دیکھ کر نذیر خان کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"ستاھمت سنگہ او شو دلتہ درا تلو بد کردار جینئ (تُمھاری ہمّت کیسے ہوئی یہاں آنے کی بد کردار لڑکی ؟)" اُنہوں نے مُسفِرہ کو بازو سے پکڑ کر زور سے جھٹکہ دیتے ہوئے غرا کر پوچھا۔ اُن کی بات کی سمجھ امن کو تو نہیں آئی مگر اِتنا احساس اُسے ہو گیا تھا کہ اُنہوں نے کچھ غلط کہا ہے۔

"نہیں تایا جان! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" مُسفِرہ نے اپنا بازو چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر وہ اُسے لا کر اب صحن میں پٹخ چُکے تھے جِس پر وہ بے ساختہ چیخ اُٹھی۔

امن اُن کے رویے سے بے حد پریشان ہوا۔ اُس نے آگے بڑھ کر مُسفِرہ کو چُھڑوانا چاہا جب اُنھوں نے امن کو ایک زوردار دھکّا دیا۔ جِس پر وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے جا گرا۔ کہاں وہ بیس سال کا لڑکا اور کہاں وہ تینتالیس سال کا ہٹا کٹا پٹھان! امن چاہ کر بھی اُن کا مُقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

"خپل د عاشق سره ت یه مدلي وي کنه ته (اپنے اِس عاشق کے ساتھ بھاگی تھی نا تُم؟)" اُنھوں نے زہرخند انداز میں کہا تو وہ سہم کر نفی میں سر ہلا گئی۔ اُن کے اِرادے اُسے خطرناک لگ رہے تھے جواب کسی کو فون مِلا رہے تھے۔

"زه ت مدلی نه وم هغه کس زه ت تولی وم (میں بھاگی نہیں تھی۔ مجھے وہ آدمی اغواہ کر کے لے گیا تھا۔)" مُسفِرہ چِلا کر بولی۔

وہ لوگ پشتو میں بات کر رہے تھے۔نیچے گرے ہوئے امن کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ آپس میں کیا بات کر رہے ہیں۔اُن کے شور سے باقی گھر والے بھی اب اپنے کمروں سے نِکل کر باہِر آرہے تھے۔

"ماتہ خہ پتہ دہ! چی کاردی کڑے اواوس مونکہ بے وقوفہ جوڑے (سب سمجھتا ہوں میں! اب مُنہ کالا کر کے آگئ ہو اور ہمیں بے وقوف بنانا چاہ رہی ہو؟)"اُنھوں نے فون کر کے کسی کو بُلایا تھا۔

اُن کے اِرادوں سے مُسفِرہ کو خوف آنے لگا۔روزینہ، شاہدہ خاتون، زرنگار، صائمہ خانم اور شیر افگن خان وہاں پر آچکے تھے اور نیچے گری مُسفِرہ اور امن کو دیکھ کر نہ صِرف حیران تھے بلکہ مختلف سوال اُن کے ذہنوں میں سر اُٹھانے لگے تھے۔صائمہ خانم نے تیزی سے مُسفِرہ کی طرف بڑھنا چاہا مگر شاہدہ خاتون نے سختی سے اُن کا بازو پکڑ کر اُنہیں روک لیا۔

"آپ اِس کے ساتھ ایسا سلوک کیسے کر سکتے ہیں؟ پہلے اِس کی بات تو سُنیں؟" امن نے کُہنیاں سہلا کر زمین سے اُٹھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

"امیں کیا کرنا اے اور کیا نئیں کرنا تُم امیں مت بتاو۔ تُمہارا اِنتظام تو ابھی کرے گا ام!" آغا جان نے امن کو دیکھ کر غضب ناک لہجے میں کہا اور نذیر خان کی طرف مڑ کر کچھ کہنے لگے۔

مُسفِرہ اُن کی باتیں سُن کر نفی میں سر ہلاتی رونے لگی۔

"یہ آپ کا اور آپ کی بیٹی کا آپس کا معاملہ ہے۔ میرا کام اِسے یہاں تک پہنچانا ہی تھا۔" امن نے ایک تلخ نظر مُسفِرہ پر ڈال کر کہا اور پھر باہِر کی جانِب بڑھنے لگا کہ تبھی تین چار آدمی گھر کے اندر داخِل ہوئے اور اُنہوں نے امن کو سختی سے دبوچ لیا۔

"اِسے جانے دیں۔اِس نے میری مدد کی ہے۔اِسے کچھ مت کہیں آغا جان!" مُسفِرہ اُن ہٹے کٹے مردوں کو دیکھ کر آغا جان سے اِلتجا کرنے لگی مگر وہ لوگ امن کو گھسیٹتے ہوئے باہِر لے جانے لگے۔

"چھوڑو مجھے! کہاں لے کر جا رہے ہو چھوڑو!" امن زوردار آواز میں چِلایا مگر اُن میں سے ایک نے اپنی جیب سے رومال نِکال کر اُس کے مُنہ پر باندھا اور پِھر اُسے قابو کر کے باہِر لے گئے۔ مُسفِرہ کو لگا اُس کا دِل بند ہو جائے گا۔امن نے اُس کی مدد کی تھی،اُس کے ساتھ نیکی کی تھی مگر اُس کے گھر والے اُس کی نیکی کا یہ صلہ دیں گے یہ تو اُس کے وہم و گُمان میں بھی نہ تھا۔

"بہت شوق تھا نہ تُمہیں بھاگنے کا اب بھاگو!" نذیر خان نے اُسے بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے جھٹکا دیا تو وہ ایک بار زمین سے جا ٹکرائی۔وہ بے بسی سے چیخی مگر نذیر خان پر تو خون سوار تھا۔سب کے سامنے ہوئی اپنی بے عزّتی کا بدلہ وہ مُسفِرہ سے لینے والے تھے۔

"چھوڑیں میری بیٹی کو! اُسے کچھ مت کہیں۔" صائمہ خانم نے خُود کو شاہدہ خاتون سے چُھڑوا کر کہا اور پِھر بھاگ کر مُسفِرہ کو اپنی آغوش میں سمو لیا۔

"شاہدہ! لے کر جاؤ اِسے اندر! اِس لڑکی نے ہماری برسوں کی بنائی عزّت مٹی میں مِلا دی اور اِسے ایسے ہی چھوڑا جائے؟ ناممکن! سزا تو اِسے ضرور مِلے گی۔" شیر افگن خان نے زہر خند لہجے میں کہا تو نذیر خان کو جیسے اِجازت مل گئی۔ شاہدہ خاتون زبردستی چیختی چِلاتی صائمہ خانم کو اندر لے گئیں تو نذیر خان نے مُسفِرہ کے چہرے پر تھپڑوں کی برسات کر دی۔ پورا گھر مُسفِرہ کی چیخوں سے گونج اُٹھا تھا مگر نذیر خان کو بِالکل رحم نہ آیا۔

روزینہ اور نِگار دم سادھے مُسفِرہ کو پِٹتے دیکھ رہی تھیں۔ روزینہ دبی دبی آواز میں رونے لگی مگر بے بس تھی کہ اُس کے لیے کچھ بھی کر نہیں سکتی تھی۔

"ایک بار اُس کی بات سُن لیں؟ اُس سے پوچھیں تو سہی کہ ہوا کیا تھا؟" نِگار حوصلہ کر کے آگے بڑھی اور نذیر خان کو روکنا چاہا۔

"اُس دِن یہ اپنے اُس یار کے ساتھ بھاگ گئی تھی جِس کے ساتھ یہ واپس آئی ہے مگر اب اِسے اِس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔" نذیر خان نے نِگار کو پرے ہٹا کر اب کی بار وہ چھڑی پکڑی جِس سے کچھ دِن پہلے اُنہوں نے حسینہ کو پیٹا تھا۔ نگار بے بس سی روتی ہوئی مُسفِرہ کو دیکھنے لگی۔ نذیر خان نے اپنی سگی بیٹی کو نہیں بخشا تھا پھر یہ تو پِھر اُن کے بھائی کی بیٹی تھی۔

شیر افگن خان بھی کڑی اور نفرت بھری نِگاہوں سے مُسفِرہ کو دیکھ رہے تھے جو زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی اور نذیر خان اُسے چھڑی سے مار رہے تھے۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں بھاگی نہیں تھی۔ وہ آدمی مجھے اغواہ کر کے لیے گیا تھا۔ اِس نے مجھے بچایا تھا۔ اُس نے تو بس میری مدد کی تھی۔" مُسفِرہ درد سے بے حال ہوتی چیخی۔

"زبان چلاتی ہے؟ بے وقوف بناتی ہے ہمیں؟" نذیر خان دھاڑے اور ایک بار پِھر اُس کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیا۔ مُسفِرہ کا سر چکرانے لگا مگر وہ نذیر خان کو روک نہیں پائی۔

اُس میں اِتنی ہمّت ہی نہیں بچی تھی۔ وہ جب مُسفِرہ کو مار مار کر تھک گئے تو ایک طرف ہو کر ہانپنے لگے۔

"کوئی اِسے یہاں سے اُٹھانے کی ہمّت نہ کرے۔ اِس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ صحیح کہتے ہیں لوگ !بیٹیاں ہونی ہی نہیں چاہیئیں۔ " شیر افگن خان نے حقارت سے مُسفِرہ کو دیکھ کر کہا اور پھِر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"خبردار جو اِس کی مدد کی تو !جاو اپنے کمرے میں "!نذیر خان نے روزینہ کو دیکھ کر غُصّے سے کہا اور پھِر نِگار کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ روزینہ نے بے بسی سے مُسفِرہ کو دیکھا اور جب خُود کو نہ روک پائی تو پانی کا گلاس بھر کر لائی اور اُس کے پاس بیٹھ کر اُسے پِلانے لگی جو حال سے بے حال ہوئی پڑی تھی۔

"آپا ! پانی پی لو۔ "روزینہ نے اُس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کا سر اونچا کر کے پانی کا گلاس اُس کے مُنہ سے لگاتے ہوئے بھیگی آواز میں کہا تو مُسفِرہ نے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

درد اور جلن کی شدید لہر اُس کی آنکھوں میں اُٹھی جو اُسے آنکھیں واپس بند کرنے پر مجبور کر گئی۔ اُس کا چہرہ پورا کا پورا نیل و نیل ہوا پڑا تھا جب کہ ناک اور ہونٹ سے بھی خُون بہہ رہا تھا۔

"مم۔۔۔ میں نے۔۔۔ کچھ نہیں کیا۔" وہ اٹک اٹک کر بے حد مشکل سے بولی۔

روزینہ نے بہ مشکل اُسے پانی پلایا اور پھر ترحم سے اُسے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اُس نے مُسفِرہ کی مدد کی تو اُس کا باپ اُس کی بھی ایسی حالت کرنے سے گریز نہیں کرے گا مگر وہ مُسفِرہ کو یُوں بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی تبھی اُس کے مُسفِرہ کو سہارا دے کر اُٹھایا اور پھر چارپائی پر ڈال دیا۔

مُسفرِہ تکلیف کے مارے مسلسل کراہ رہی تھی۔ اُس کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ اُسے چارپائی پر لٹا کر روزینہ تیزی سے اندر گئی اور ایک چادر لا کر اُس کے اوپر اوڑھا دی۔ اِس سے پہلے کہ وہ اور کچھ کرتی شاہدہ خاتون غُصّے سے آئیں اور اُسے کھینچتے ہوئے اندر اپنے کمرے میں لے گئیں۔ باہِر چارپائی پر مُسفرِہ پڑی کراہ رہی تھی اور اُس کی کراہوں کے ساتھ پورے گھر میں مسلسل دروازہ پیٹنے کی آوازیں رہی تھیں اور دروازہ پیٹنے کی آواز صائمہ خانم کے کمرے سے آ رہی تھی جنہیں شاہدہ خاتون نے کمرے میں بند کر کے باہِر سے کنڈی لگا دی تھی تا کہ وہ باہِر مُسفرِہ کے پاس نہ جا سکیں۔

حاطب اِمن کی گاڑی سے اُتر کر اُس طرف کو بھاگا تھا جِس طرف اُس نے ایک چادر میں چھپی لڑکی اور دو مردوں کو جاتے دیکھا تھا۔ وہ منیحہ کا چہرہ تو نہیں دیکھ پایا تھا لیکن اُس لڑکی کی لنگڑاتی چال سے نہ جانے کیوں اُسے اُس لڑکی پر منیحہ کا گُمان ہوا تھا۔ اگلے دو منٹ میں وہ اُن لوگوں کے سر پر تھا لیکن وہ لڑکی منیحہ نہیں تھی۔ وہ کوئی پٹھانی لڑکی تھی جو اپنے

باپ اور چچا کے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ حاطب اُن سے معذرت کرتا واپسی کو ہو لیا تھا لیکن امن اور اُس کی گاڑی اب وہاں نہیں تھی۔

وہ یقیناً مُسفِرہ کے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ حاطب کو اپنی بیوقوفی پر غُصّہ آیا۔ وہ اُن لوگوں سے ضمیر خان کے گھر کا ہی پوچھ لیتا۔

اب رات کے اِس وقت کوئی بھی اُسے باہِر آتا جاتا نظر نہ آ رہا تھا جِس سے وہ ضمیر خان کے گھر کا پوچھتا۔ جِس جگہ امن نے اُسے اُتارا تھا وہ اُسی راستے پر آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ایک کریانہ سٹور پر پہنچ گیا تھا جو ابھی تک کھلا تھا اور اکا دکا لوگ بھی وہاں پر موجود تھے۔ اُس نے سیدھا ضمیر خان کا پوچھا جِس پر اُن لوگوں نے بے حد طنزیہ انداز میں اُسے سر سے لے کر پیر تک دیکھا تھا جِس کی وجہ اُسے سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"وہ ضمیر خان جِس کا لڑکی بھاگ گیا تھا؟" دکان دار نے کہا تو حاطب کے ماتھے پر بل پڑے۔

"وہ لڑکی بھاگی نہیں تھی بلکہ اُسے دھوکے سے اغواہ کر لیا گیا تھا اور اب وہ صحیح سلامت اپنے گھر پہنچ بھی چکی ہے۔" حاطب نے جتاتے لہجے میں کہا۔

"سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ وہ اپنی شادی سے بھاگ گیا تھا لیکن تُم کون اے اور اِتنا یقین سے کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ بھاگا نہیں تھا؟" ایک اور آدمی نے اچھنبے سے پوچھا۔

"میں اُسی پولیس والے کا بھائی ہوں جِس نے اِس کیس کی تحقیقات کی تھیں۔ اُس آدمی کو بھی پکڑ لیا گیا ہے جِس نے اُسے اغواہ کیا تھا اور اب اُسے کڑی سزا ملے گی۔"

حاطب اِتنا تو جان گیا تھا کہ یہ ایک پسماندہ علاقہ تھا جہاں کے لوگ ایسی باتوں کو بہت اُچھالتے ہیں تبھی وہ بے حد پر اعتمادی سے جھوٹ بول گیا تھا۔

"اچھا! یہ تو بہت اچھا او گیا۔ ویسے بھی ضمیر خان کا بیٹی تو بہت نیک بچہ تھا۔ امیں تو یقین ہی نئیں آیا تھا کہ وہ ایسا کچھ کر سکتا ہے۔" اُس آدمی نے تیزی سے اپنے خیالات بدلے تو

حاطب طنزیہ انداز میں مُسکرایا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو پیٹھ پیچھے باتیں کرتے ہیں اور مُنہ پر میٹھے بن جاتے ہیں۔

"اب آپ بتادیں کہ ضمیر خان کا گھر کدھر ہے؟" حاطب نے اپنا سوال دُہرایا۔

"ہاں! یہاں سے بائیں طرف مڑ کر کونے پر سب سے الگ تھلگ گھر اُسی کا گھر اے!" اُس آدمی نے بتایا تو وہ اُس کا شُکریہ ادا کر کے آگے کی جانِب بڑھ گیا۔

وہ پانچ منٹ میں وہاں پہنچ چُکا تھا۔ گھر کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ اُس نے کان لگا کر سُننے کی کوشش کی مگر اندر سے کوئی آواز سُنائی نہ دی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ سوچ کر وہ گھر کی پچھلی جانِب آیا اور دیوار پھلانگ کر اندر داخِل ہو گیا۔ گھر کی پچھلی جانِب ایک کمرہ تھا جِس پر تالا لگا ہوا تھا۔ وہ اُس کمرے کا جائزہ لیتا کھڑکی کے پاس سے گزرنے لگا جب اچانک دبی دبی سسکیوں کی آواز سُن کر رُکا اور حیرت سے کھڑکی کو دیکھا جِس کے اندر سے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا کیوں کہ اندرونی جانِب پردے لگے ہوئے تھے۔

اُس نے آگے ہو کر کھڑکی سے کان لگایا تو اب کی بار آواز واضح سُنائی دی جو کسی لڑکی کے رونے کی تھی۔

"یہاں چڑیلوں کا بسیرا ہے کیا؟" خُود سے بڑبڑتے ہوئے اُس نے سر جھٹکا اور پِھر دروازے کی جانِب بڑھا جہاں تالا لگا ہوا تھا۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو نظر اینٹ پر پڑی۔ اُس نے وہ اینٹ اُٹھا کر تالے پر ضربیں لگانا شروع کیں۔ تالے پر اینٹ کی ضربوں سے سناٹے میں شور سا پیدا ہوا مگر وہ بِنا رُکے لگاتار ضربیں لگاتا گیا۔ اچانک اینٹ درمیان سے ٹوٹ گئی تو اُس نے ٹوٹا ہوا حصّہ پکڑ کر ایک زور دار ضرب لگائی تو تالا ٹوٹ گیا۔

اُس نے ٹوٹا ہوا تالا کنڈی سے نِکال کر پرے پھینکا اور کنڈی کھول کر اندر داخِل ہوا مگر تبھی کمرے میں ایک نسوانی چیخ گونج اُٹھی جِس پر وہ چونک کر آواز کی سمت متوجہ ہوا لیکن سامنے دیکھ کر اپنی جگہ تھم کر رہ گیا۔ سامنے ہی دوپٹے سے بے نیاز سڈول سا وجود لیے

ایک لڑکی کھڑی تھی جِس کے بال اُس کی کمر اور کندھے پر بِکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر خوف اور سوگوار سا حُسن لیے وہ لڑکی حاطب کو مکمل اپنی طرف متوجّہ کر گئی تھی۔

''°وک ی°تہ؟ اودننہ°بہ°ہ راغلہ°؟ (کون ہو تُم؟ اندر کیسے آئے؟)'' حسینہ نے خوف سے زرد پڑتے ہوئے پوچھا۔

ڈر تو وہ تب ہی گئی تھی جب اُس نے باہِر کسی شور کی آواز سُنی تھی۔ اُسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر اب سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اُسے پتا چل گیا تھا کہ وہ شور تالا توڑنے کا تھا۔

''ایک تو تُم لوگوں کی زبان۔۔۔۔۔ اُردو میں بات کرو نا؟'' حاطب جو اُس کے حُسن میں کھویا ہوا تھا اُس کی بات پر چونک کر ہوش میں آتا جھلا کر بولا۔

مُسفِرہ کی طرح یہ لڑکی بھی بے حد حسین تھی لیکن اُس میں تو حاطب ِ کو کوئی دِلچسپی نہیں ہوئی تھی مگر حسینہ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اُس کا دِل کر رہا تھا کہ بار بار اِس لڑکی کو دیکھتا رہے جو بھیگی بھیگی متورم آنکھیں لیے اُسے مکمل اپنی طرف متوجّہ کر گئی تھی۔

"ام نے پوچھا تُم کون اے اور یہاں کیا کر رااے؟" حسینہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں اپنے کزن کے ساتھ یہاں ایک لڑکی کو چھوڑنے آیا ہوں جو ضمیر خان کی بیٹی ہے مگر تُم کون ہو اور یہاں پر کیوں ہو؟" حاطب ِ نے بتاتے بتاتے سوال کیا۔

"مُسفِرہ واپس آگیا؟" حسینہ اُس کی بات سُن کر خُوشی سے پوچھنے لگی مگر اِس سے پہلے کہ حاطب ِ کوئی جواب دیتا اچانک اپنے پیچھے شاک میں ڈوبی آواز سُن کر وہ پلٹا۔

وہ شاہدہ خاتون تھیں جو حسینہ کو کسی لڑکے کے ساتھ دیکھ کر شاک میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ اُن کے پیچھے ہی نذیر خان کھڑے تھے جِن کی موجودگی سے شاہدہ خاتون لاعلم تھیں۔ اُن

دونوں کو دیکھ کر خوف سے حسینہ پر کپکپی طاری ہوئی جب کہ سر بے ساختہ نفی میں ہلا۔ اُس کے باپ کو تو حسینہ کے پاس ایک لڑکے کو دیکھ کر اب یقین ہو گیا ہو گا کہ حسینہ سچ میں اُس دِن بھاگ رہی تھی۔

"اب بتاو؟ تُم تو کہتی تھی کہ تُمہاری بیٹی بھاگ نہیں رہی تھی؟" اپنے پیچھے نذیر خان کی آواز سُن کر شاہدہ خاتون ایک دم اُچھلیں اور تیزی سے پیچھے مڑیں جہاں نذیر خان کھڑے بے حد تلخ انداز میں اُن کو گھور رہے تھے۔

"مم۔۔۔ میں میں۔۔۔۔۔۔" شاہدہ خاتون سے کوئی بات نہ بن پڑی جب کہ حاطب نا سمجھی سے اُن کو دیکھ رہا تھا کیوں کہ وہ پشتو میں بات کر رہے تھے جِس کی اُسے رتی برابر سمجھ نہیں آئی تھی۔ شاہدہ خاتون جو کچھ دیر پہلے مُسفِرہ کی حالت سے حِظ اُٹھا رہی تھیں اب تصور میں اُنہیں اُس جگہ اپنی بیٹی نظر آ رہی تھی۔

"ام نئیں جانتا یہ کون ہے۔ یہ تالا توڑ کر اندر آیا اے!" حسینہ نے تیزی سے اپنی صفائی دی۔

"ہاں! میں تالا توڑ کر اندر آیا ہوں کیوں کہ یہاں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔"

حاطب کو صِرف حسینہ کی بات سمجھ میں آئی تھی تبھی اُس نے وضاحت کرنی چاہی تا کہ اُس کی وجہ سے حسینہ کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔

"تُم کو رات کا ہی وقت مِلا تھا اِس تالا کو توڑنے کا؟ امیں بے وقوف سمجھا اے کیا؟ پہلے بھی یہ لڑکی بھاگنے کا کوشش کر چُکا اور اب توام نے اِسے رنگے ہاتھوں پکڑا اے! اور کِتنی بار امارا عزت مٹی میں ملائے گا تُم؟" نذیر خان نے غُصّے سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ روتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"ام سچ میں اِس کو نئیں جانتا۔ ام قسم کھاتا اے!" حسینہ نے روتے ہوئے کہا۔

"تُماری طرح تُمارا قسم بھی جھوٹا اے! اب ام تُم کو معاف نئیں کرے گا نہ ہی تُمارا اب اِس گھر میں کوئی جگہ اے۔ دوسری بار تُم نے اِس کو بُلا کر امیں بتا دیا کہ تُم پیدا ہوتے ای مر جاتا تو اچھا تھا۔" نذیر خان غُصّے سے بولتے ہانپنے لگے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے انکل! آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں تو پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ میں تو اِس لڑکی کو جانتا تک نہیں ہوں۔" حاطب نے اپنی صفائی دینی چاہی مگر نذیر خان نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔

"یہ ڈھیٹ ہڈی اے! اِتنا مار کھا کر بھی اِس کو غیرت نئیں آیا۔ امارا بس چلے تو اِس کو جان سے مار دے۔" نذیر خان نے کہا اور پھر حاطب کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب بڑھے۔

حاطب نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی کہ کہیں خان کو مزید غُصّہ نہ آجائے۔ اگر آجاتا تو وہ خُود کو اُن سے نہیں بچا سکتا تھا کہ زور اور طاقت میں وہ اُن سے کہیں پیچھے تھا۔

وہ اُسے صحن سے گزار کر باہر کی جانب لے جانے لگے جب حاطب کی نظر چارپائی پر بے سُدھ لیٹی لڑکی پر پڑی مگر غور سے دیکھنے پر اُسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ اُسے پہچان گیا تھا جو اُن کے ساتھ صحیح سلامت ہی تو آئی تھی مگر اب نیل و نیل چہرہ اور بے جان سا وجود لیے پڑی تھی۔ وہ کچھ پوچھنے ہی لگا تھا جب نذیر خان اُسے کھینچتے ہوئے گھر سے باہر لے گئے۔

"وہ۔۔۔۔۔۔" حاطب باہر آتے ہی کچھ پوچھنے لگا جب اُنہوں نے اپنے مُنہ پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا کہا جس پر وہ خاموش ہو گیا کہ اب جہاں وہ لے جا رہے ہیں وہیں بیٹھ کر اُن سے بات کرے گا کہ جو وہ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔

پندرہ منٹ چلنے کے بعد وہ ایک گھر ڈیرے پر آ گئے تھے جس کے وسیع سا صحن بغیر چار دیوار لے تھا اور سامنے دو کمرے اور ایک برآمدہ بنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے بنا کچھ کہے اُسے دائیں جانب والے کمرے میں لا کر پٹخا جہاں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

"اِس کا جتنی مرمت کر سکتا اے کرو۔" اُن کی بات سُن کر حاطب کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ اُن کے جُملے کا معنی وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا کرنا چاہ رہے ہیں آپ میرے ساتھ؟" حاطب نے تیزی سے دروازے کی جانب بڑھنے کی کوشش کی مگر اُن میں سے ایک آدمی نے جلد ہی اُسے جا لیا۔

"جتنا پہلے لڑکے کو مارا اُسے اُس سے بھی دُگنا مار وا ؤ اِسے!" نذیر خان نے اب کی بار واضح الفاظ میں حکم دیا۔ اُن کا لہجہ اِتنا ٹھنڈا تھا کہ حاطب کی ریڑھ کی ہڈی میں سُنسناہٹ سی ہوئی

"دیکھیں! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو آپ کی بیٹی کو جانتا تک نہیں ہوں۔ میں تو اُس کا نام تک نہیں جانتا۔ مجھے جانے دیں۔" حاطب اکیلا اُن کا مُقابلہ نہیں کر سکتا تھا نہ ہی وہ کسی فِلم کا ہیرو تھا جو اپنے سے تین گنا بھاری بھرکم آدمیوں کو کاغذ کی طرح پھونک مار کر ہوا میں اُڑا دیتا۔ یہ اصلی زِندگی تھی جِس میں وہ سب اُس پر بھاری تھے۔

"سب کچھ یاد آجائے گا تُم کو جب تُمارا مرمت او گا۔" نذیر خان اِتنا کہہ کر وہاں سے نِکل گئے۔ حاطب نے خُود کو چُھڑوا کر بھاگنا چاہا مگر ناکام رہا اور اگلے ہی پل وہاں حاطب کی چیخیں گونج رہی تھیں۔

وہ اِس وقت بے جان سا دیوار کے ساتھ لگ کر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ کمر بالکل اکڑی پڑی تھی جب کہ ماتھے، ناک اور ہونٹوں سے خُون نِکلتا اُس کے چہرے اور گردن پر جما ہوا تھا جو سوکھ کر چہرے اور گردن میں اکڑاو سا پیدا کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر نیل ہی نیل تھے۔ ایسے ہی نیل اُس کے جِسم پر بھی تھے۔ کوئی بھی اُسے دیکھ کر آسانی سے بتا سکتا تھا کہ اُسے فُرصت سے مارا گیا تھا۔ بال اور جِسم اِس وقت مٹی مٹی ہو رہا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا جِسے کھڑکی سے آتی روشنی مدھم کر رہی تھی۔ پُو پھٹ رہی تھی اور صُبح کا اُجالا ہر سو چھانے لگا تھا جو یہ بتانے کو کافی تھا کہ رات گزر گئی ہے۔

وہ بے سُدھ سا لیٹا نہ جانے کن سوچوں میں گُم تھا جب اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور وہی دو آدمی اندر داخِل ہوئے جنہوں نے اُسے مار مار کر اُس کا یہ حال کیا تھا۔ اُس نے اپنی سوجھی سوجھی آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو وہ آدمی کسی کو اُٹھا کر اندر لا رہے تھے۔ لگتا تھا کسی اور کی بھی مرمت کی گئی ہے۔ اُس نے دُکھتے اور گھومتے سر کو سنبھالنے

کی کوشش کرتے ہوئے سوچا مگر حیرت و بے یقینی کا جھٹکا اُسے تب لگا جب اُنہوں نے اُس وجود کو اُس کے پاس زمین پر پھینکا۔

وہ وجود کسی اور کا نہیں بلکہ حاطب کا تھا اُس کے کزن اور اُس کے بہترین دوست کا! مگر وہ یہاں کیسے ہو سکتا تھا؟ وہ تو منیحہ کے پیچھے گیا تھا۔

"حح۔۔۔حاطب!" وہ تڑپ کر اُٹھنے کی کوشش میں رینگتا ہوا اُس کے قریب آیا جِس کی سوجھی ہوئی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"حاطب! کیا ہوا تُمہیں؟" اُس کی حالت صاف بتا رہی تھی کہ اُسے بہت بے دردی سے پیٹا گیا ہے اور امن سے بھی زیادہ پیٹا گیا ہے مگر پِھر بھی وہ پوچھ بیٹھا جب کہ غشی میں جاتے حاطب نے اپنی اپنی سی آواز سُن کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو سامنے امن کا دُھندلا سا چہرہ نظر آیا۔

"امن!" حاطب کے ہونٹ سرگوشی کے سے انداز میں پھڑپھڑائے مگر آواز نہ نِکل سکی۔

امن دنگ سا اُس کے ٹوٹے بکھرے وجود کو دیکھتا رہ گیا پھر ہمّت کرتا اُٹھا اور لنگڑا کر چلتا گھڑے کے پاس گیا اور اُس سے سٹیل کے گلاس میں پانی بھر کر لایا اور حاطب کے پاس بیٹھ کر اُسے پانی پلانے کی کوشش کی۔ حاطب بس چند گھونٹ ہی لے سکا۔ اُس سے پانی تک نہیں پیا جا رہا تھا۔

حاطب کا چہرہ کافی سوجھ گیا تھا جب کہ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

"حاطب! اُٹھ یار! بتا مجھے؟ تُجھے کیوں مارا ہے اِن سالوں نے؟" امن اُس کا چہرہ اپنی شرٹ کے کونے سے صاف کرتا بھیگے لہجے میں پوچھنے لگا مگر حاطب میں ہمّت نہیں تھی کہ کچھ بتا پاتا۔ اُس کا سر ایک جانِب ڈھلک گیا تھا جِس پر امن مزید پریشان ہوا۔ اُس نے حاطب کی نبض چیک جو مدھم رفتار میں چل رہی تھی۔ امن آیتہ الکرسی پڑھ کر اُس پر

پھونکنے لگا جانتا تھا کہ جِن لوگوں نے اُن کا یہ حال کیا ہے وہ لوگ اُن کی مدد تو ہرگز نہیں کریں گے۔

وہ حاطب کے پاس بیٹھا اُس پر آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکتا رہا، کبھی اُس کے ہاتھ سہلاتا تو کبھی پیر، کبھی اُسے پانی پلاتا تو کبھی اُس کے بال سہلانے لگتا تا کہ اُس کو تھوڑا سا تو سکون محسوس ہو۔

ایسے ہی نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ لوگ بھوکے پیاسے زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ گرمی حد سے زیادہ تھی اور پنکھا اِس کمرے میں تھا نہیں۔ پسینہ بہنے سے اُن کے زخموں میں جلن اُٹھنے لگی تھی۔ باہر کڑی دھوپ تھی یعنی کہ وقت دوپہر کا تھا۔ حاطب کو تھوڑی دیر پہلے ہی ہوش آیا تھا لیکن وہ ابھی بھی بے سُدھ سا پڑا ہوا تھا۔ اُس کے ہونٹ اور مُنہ کے اِرد گرد کی جگہ کافی سوجھی ہوئی تھی جِس کی وجہ سے وہ کچھ بھی بول نہیں پا رہا تھا۔

امن نے بھی اُس کی تکلیف دیکھتے کچھ نہ پوچھا مگر اِس کی حالت سے وہ یہی اندازہ لگا پایا تھا کہ شاید وہ مُسفرہ کے گھر گیا ہو اور اُسے بھی غلط سمجھتے اُنہوں نے اُس کے ساتھ یہ سلوک

کیا ہو۔ جو بھی تھا اب تو وہ پچھتا رہا تھا کہ اُس نے اُس لڑکی کے ساتھ یہ نیکی کرنے کی سوچی ہی کیوں ! نہ وہ اُس کے معاملے میں پڑتا نہ یہ سب ہوتا۔ اُس کے ساتھ جو ہوا اُس کو شاید وہ برداشت بھی کر لیتا مگر اُس کی وجہ سے حاطب کی اُس سے بھی بُری حالت ہوئی پڑی تھی جو وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

مزید وہ کچھ سوچتا اِس سے پہلے ہی اچانک اُس بوسیدہ سے کمرے کا دروازہ زوردار جھٹکے سے کھلا اور نذیر خان اندر داخِل ہوئے۔ اُن کے ساتھ دو تین انجانے آدمی تھے جِن میں سے ایک کے ہاتھ میں کچھ کاغذات بھی تھے اور جِس کے ہاتھ میں کاغذات تھے اُس کے حُلیے سے وہ اُسے مولوی ہی لگا تھا۔

"تُم دونوں کہ وجہ سے امارا عزّت خاک میں مل گیا۔ تُم دونوں کی وجہ سے ام کسی کو مُنہ دِکھانے کے قابِل نہیں رہا۔ امارا بس چلے تو تُم دونوں کو جان سے مار دے لیکن اگر ام تُم دونوں کو جان سے مار دے گا تو تُم دونوں کا پھیلایا رائتہ کون سمیٹے گا؟ تُم دونوں نے مل کر جو اماری لڑکیوں کو ورغلایا اے اب اِس بدنامی کے بعد کون اُن سے شادی کرے گا؟"

نذیر خان نے نفرت سے اُن دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ امن "لڑکیوں" لفظ پر ٹھٹھکا تھا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ میں نے اور میرے بھائی نے کچھ نہیں کیا۔ ہم نے مُسفِرہ کی بس مدد کرنی چاہی تھی۔ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ وہ ہے کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" امن ضبط کرتا کڑے لہجے میں بول رہا تھا جب نذیر خان نے اُس کی بات کاٹی۔

"تو دونوں بھائیوں نے مل کر اماری عزّت خاک میں مِلایا اے؟ تُم امیں مت سمجھاو کیا سچ اے اور کیا جھوٹ؟ ام اب مزید اُن لڑکیوں کو اپنے سامنے برداشت نئیں کرے گا۔ ام پٹھان اے۔ بہت غیرت والا اے لیکن امارے جِسم میں باپ کا کلیجہ بھی اے! ام اُن کو جان سے نئیں مار سکتا لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے بھی نئیں دیکھ سکتا۔ بہت شوق تھا تُم کو اُن کو بھگانے کا تو اب ہمیشہ کے لیے وہ تُمارے ساتھ جائے گا۔" نذیر خان نے تلخ لہجے

میں کہا تو امن نے اُلجھ کر اُنہیں دیکھا۔ وہ اُن کی نہ کوئی بات سُننے کو تیار تھے نہ ہی اُن کی بات پر یقین کرنے کو۔

"ہمارے ساتھ کیوں؟ ہم اُنہیں ساتھ نہیں لے کر جائیں گے اور آپ ہمیں یوں زیادہ دیر قید بھی کر کے نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں چھوڑیں۔ ہمیں واپس جانا ہے۔" امن نے بے حد سنجیدگی سے کہا مگر نذیر خان نے مولوی کو اِشارہ کیا۔

"چُپ چاپ نِکاح پڑھوالو ورنہ تُمھاری آنکھوں کے سامنے تُمھارے بھائی کو جان سے مار دے گا امِ!" نذیر خان نے کہا تو امن نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا جب کہ ایک آدمی نے تیز دھار چاقو نِکالا اور حاطب کی گردن پر رکھ دیا۔ امن تڑپ کر حاطب کو چھُڑوانے لگا مگر اُس آدمی نے ایک بازو سے امن کو دور دھکیلا۔

"نِکاح کرے گا یا اپنے بھائی کی لاش لے کر جائے گا تُم؟ فیصلہ تُمارا ہو گا۔" نذیر خان نے بے حِسی سے کہا تو امن نے لب بھینچ لیے اور پھِر گہرا سانس بھر کر سر ہلا دیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ ایجاب و قبول کر چُکا تھا۔

"اُٹھ جلدی کر!" نذیر خان نے حاطب کو لات رسید کرتے درشت انداز میں کہا تو وہ درد سے بلبلا کر رہ گیا۔ وہ اب نیم ہوش میں تھا اور تھوڑا بہت بول سکتا تھا۔

"کیا اب جان لو گے اُس کی؟" امن دھاڑا مگر وہاں پرواہ کسے تھی؟

امن نے آگے بڑھ کر خُود حاطب کو سہارے سے بِٹھایا۔ اُن لوگوں کی بات ماننے کے علاوہ اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اگر وہ اُن کی بات نہ مانتے تو وہ اُنہیں جان سے تو مار دیتے مگر یہاں سے ہرگز بھی نہ جانے دیتے اور وہ نہ تو مرنا چاہتے تھے نہ ہی ساری زِندگی قیدی بن کر یہاں رہنا چاہتے تھے۔

مولوی نے نِکاح پڑھایا تو حاطب نے بھی درد سے بے حال ہوتے بہ مشکل تین بار قبول ہے کہہ کر نِکاح مکمل کیا۔ نذیر خان نے ایک ایک نِکاح نامہ اُن کے حوالے کر دیا تھا اور ایک ایک اپنے پاس رکھ لیا

تھا۔

''تُم لوگ ام کو کبھی نظر مت آنا نہ اپنی بیویوں کو لے کر امارے علاقے کا رخ کرنا۔ اب کی بار زِندہ جار اا ے تُم لوگ لیکن اگلی بار نئیں جا پائے گا۔'' نذیر خان نے سخت لہجے میں کہا تو وہ نفرت سے اُنہیں دیکھتا سر ہلا گیا۔

''لے کر آو اِن کو تُم!'' نذیر خان نے اپنے آدمیوں سے کہا اور پِھر خُود غُصّے سے اُن کو دیکھتے باہِر نِکل گئے۔

وہ حاطب اور امن کو کھڑا کر کے آگے دھکیلتے باہِر لے جانے لگے۔ وہ دونوں ہی لڑکھڑا کر چل رہے تھے لیکن حاطب کی حالت زیادہ دگرگوں تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اُنہیں لے کر امن کی گاڑی کے پاس آئے تھے جہاں پہلے سے چادروں میں لپٹی دو لڑکیاں کھڑی تھیں اور

دونوں ہی بُری طرح رو رہی تھیں۔اُن میں سے ایک نے دوسری کی سہارا دے کر تھام رکھا تھا۔اُن دونوں کے چہرے چادروں میں چھپے ہوئے تھے تبھی وہ دونوں دیکھ نہیں پائے کہ وہ کون ہیں مگر اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ اُن کی زبردستی کی بیویاں ہیں۔

"آج سے تُم دونوں ام سب کے لیے مر گیا۔"نذیر خان نے چادر میں لپٹی مُسفرِہ اور حسینہ کو دیکھ کر نفرت سے کہا اور اُنہیں گاڑی کی پچھلی سیٹوں پر دھکیل دیا. حاطبِ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تو امن نے بھی دُکھتے جسم کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ

سنبھالی۔

اِن لڑکیوں کا کیا کرنا تھا یہ وہ بعد میں سوچ سکتا تھا ابھی وہ اِس بات پر خُدا کا شُکر گزار تھا کہ اِن بے حِس لوگوں سے اُن کی جان چھوٹ رہی تھی اور یہاں سے سب سے پہلے اُسے ہسپتال جانا تھا تا کہ اپنا اور حاطبِ کا علاج کروا سکے ورنہ وہ اِتنا لمبا سفر اِس حالت میں تو ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔

"تُم لوگ پچھتاوگے ایک دِن یہ بات یادرکھنا۔" گاڑی سٹارٹ کرکے امن نے اونچی آواز میں کہاتونذیرخان غُصّے سے اُس کی طرف لپکے مگر گاڑی کی سپید تیز تھی تبھی وہ اُس تک پہنچ نہ سکے اور بل کھاکر رہ گئے۔

اُسے ضمیرخان کافون آیاتھاکہ وہ جلدازجلد اپنے شہر والے گھر میں پہنچے جہاں آج کل وہ ٹھہراہواتھا۔اُن کی بات سُن کر وہ بے حد بوکھلا گیاتھاکیوں کہ اُن کے فون سے اُس نے یہی اخذکیاتھاکہ وہ اُس کے گھر پہنچ گئے ہیں لیکن بوکھلایاوہ اِس بات پر تھاکہ وہاں منیحہ کو دیکھ کراُنہوں نے کیااخذکیاہوگااور کیاسوچاہوگا۔منیحہ نے اُن کوکیابتایاہوگاکہ وہ کون ہے اور یہاں حمدان کے گھر میں کیوں ہے۔ ساراراستہ وہ یہی دُعاکرتاآیاتھاکہ اُس نے ضمیرخان سے وہ جھوٹ نہ بولاہوجووہ سبھی محلے والوں سے بولتی پھرتی تھی۔

محلّے والوں کی خیر تھی اُس نے کون ساہمیشہ یہاں رہناتھالیکن ضمیرخان کے سامنے یہ جھوٹ بولنے کے بعداُس کی خیر نہیں تھی۔ساری دُعائیں ہمیشہ قبول نہیں ہوتیں کچھ

کچھ رد بھی ہو جاتی ہیں جیسے اِس وقت حمدان کی یہ دُعا قبول نہیں ہو پائی تھی۔ آج اُسے گاوں جانا تھا مگر وہ جا نہیں پایا تھا کہ پولیس والوں کو مُسفِرہ کا کوئی سُراغ مِلا تھا جس سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ مُسفِرہ کو اغواہ کیا گیا تھا۔ حمدان کو گھر آتے آتے آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔

گھر پہنچا تو سامنے ہی برآمدے میں ضمیر خان ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دروازہ منیحہ نے کھولا تھا تو اِس وقت وہ حمدان کے برابر میں کھڑی تھی۔

"تُم نے اپنا سامان باندھ لیا؟" ضمیر خان نے حمدان سے کوئی بھی بات کیے بغیر منیحہ سے پوچھا اُس نے جزبز ہو کر حمدان کو دیکھا جو خُود بھی اُن کے حُکم پر حیران تھا۔

"نہیں انکل!" منیحہ نے دھیمے لہجے میں مُجرموں کے سے انداز میں بتایا۔

"تو ماڑا! تُم اِنتظار کس بات کا کرتا اے؟ جا کر اپنا سامان باندھو ام اپنا بہو کو یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" ضمیر خان نے کہا تو حمدان کو ایک زوردار جھٹکا لگا جب کہ منیحہ حمدان سے نظریں چُراتی کمرے کی جانِب بڑھ گئی۔

حمدان نے شِکوہ کناں نِگاہوں سے چھت کی طرف دیکھا جیسے خُدا سے کہہ رہا ہو دُعا قبول کر لینی تھی نا؟

"اگر تُمہیں شادی شہر کی لڑکی سے ہی کرنی تھی تو بتا دیتے ہمیں تُم؟" ضمیر خان نے سنجیدگی سے حمدان کو دیکھ کر کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے پلار (بابا)! میں نے کوئی شادی نہیں کی۔" حمدان نے تیزی سے اپنی صفائی دی۔

"جھوٹ مت بولو مُجھ سے! وہ لڑکی یہاں دو ہفتوں سے رہ رہی ہے۔ اُس نے مجھے خُود بتایا کہ وہ تُمہاری بیوی ہے اور تو اور محلّے والے بھی بتا رہے تھے کہ تُم اُس کا کتنا خیال رکھتے

ہو اور اب اپنے باپ کے سامنے مکر رہے ہو؟ شرم آنی چاہیے تُمہیں!" ضمیر خان نے اُسے لتاڑتے ہوئے گرج کر کہا تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ لوگ پشتو میں بات کر رہے تھے۔

"میں مکر نہیں رہا سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے اِس لڑکی سے کوئی شادی وادی نہیں کی بلکہ یہ تو مجھے سڑک پر بے یار و مددگار ملی تھی۔ میں اِسے بس مدد کی نیت سے گھر لے آیا تھا۔" حمدان نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"ایسی نیت کہ دو ہفتوں سے وہ تُمہارے گھر میں رہ رہی ہے اور ابھی تک اُس کی مدد نہیں کی تُم نے؟" ضمیر خان نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔

"اُس کو اُس کے گھر جانا ہے اگر میں اُس کو چھوڑنے چلا جاتا تو مُسفِرہ کو کیسے ڈھونڈتا؟ میں آج کل میں آپ کو بتا کر اُسے چھوڑنے جانے ہی والا تھا۔" حمدان نے جُھکے سر کے ساتھ کہا۔

"تُمھاری ایک بہن ہے جِس کا کچھ اتا پتا نہیں۔ کہاں ہے، کس حال میں ہے کچھ بھی تو نہیں جانتے ہم! ایک لڑکی کی عزّت کِتنی اہم ہوتی ہے اندازہ ہے نا تُمھیں؟" ضمیر خان نے سوال کیا۔

"جی بابا! جانتا ہوں۔" حمدان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مُسفِرہ واپس آ بھی گئی تو لوگ طرح طرح کے سوال اُٹھائیں گے۔ اُس کے کِردار پر باتیں کریں گے، اُس کو بُرا کہیں گے۔ وہ اُسی بات پر یقین کریں گے جو وہ دیکھ کر اور سُن کر گئے ہیں۔ مُسفِرہ کی بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا چاہے وہ اپنی بے گناہی کے لاکھ ثبوت پر فراہم کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس سے کوئی شادی کرنے پر راضی نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ساری زِندگی اِس تہمت کا سامنا کرتے گزار دے کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی ہے۔" ضمیر خان مسلسل بول رہے تھے اور وہ چُپ تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اُن کا کہا حرف حرف سچ تھا۔

"یہ دُنیا بڑی ظالم ہے خان! عورت بے قصور بھی ہو تو بھی اُس کو ہی قصوروار ٹھہرایا جاتا ہے۔ مرد ہر گناہ کر کے بھی پاک بن جاتا ہے اور یہ بھی ایک لڑکی ہے۔ کسی کی بہن، کسی کی بیٹی! کل کو یہ اپنے گھر لوٹے گی تو اِس پر بھی سو سوال اُٹھیں گے کہ یہ اِتنے دِن کہاں تھی، کس کے ساتھ تھی اور کس حال میں تھی۔ اچھے اور شریف خاندان کی لگتی ہے لیکن لوگ یہی دیکھیں گے کہ یہ لڑکی دو ہفتے گھر سے باہر کسی غیر مرد کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔ تُم بتاؤ اِس کی کیا زِندگی ہو گی یہاں سے جانے کے بعد؟" ضمیر خان نے اُسے سمجھاتے ہوئے آخر میں سوال کیا تو وہ سمجھ نہ پایا کہ کیا جواب دے۔

"تُم نے اُس سے شادی نہیں کی تو اب کر لو خان!" ضمیر خان کی اگلی بات پر اُس نے جھٹکا کھا کر اُن کو دیکھا۔

"میں کیسے اِس سے شادی کر سکتا ہوں بابا؟" حمدان نے حیرت و اچھنبے سے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟ وہ خُوب صورت نہیں ہے، معذور ہے اِس لیے؟" ضمیر خان نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"وہ معذور نہیں ہے بابا! اُس کی ٹانگ میں تھوڑا سا مسئلہ ہے بس!" حمدان نے تیزی سے کہا۔ وہ اِس وجہ سے تو اِنکار نہیں کر رہا تھا۔

"یہ مسئلہ بھی لوگوں کی نظروں میں کھٹکے گا جب اِس کی شادی کی بات چلے گی۔ لوگ اپنے لڑکے نہیں دیکھتے کہ شکل و صورت میں وہ کیسے ہیں مگر بہو اُن کو چاند جیسی چاہیے۔" ضمیر خان نے نخوت سے کہتے سر جھٹکا۔

"تاکہ اُن کے پوتے پوتیاں چاند جیسے ہوں مگر پوتے پوتیاں اپنے باپ پر چلے جاتے ہیں۔" حمدان نے ماحول کا تناو کم کرنے کے لیے ہنس کر کہا تو ضمیر خان نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورا پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیئے لیکن اُن کی آنکھیں نم تھیں۔

"کاش! میری مُسفِرہ بھی محفوظ ہاتھوں میں ہو۔" ضمیر خان نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا تو حمدان بے ساختہ اُن کے گلے لگا۔

"وہ اِن شااللہ جہاں بھی ہو گی ٹھیک ہو گی۔" حمدان نے اُنہیں تسلّی دی تو وہ یاسیت سے سر ہلا گئے۔

وہ مزید کوئی بات کرتے منیحہ وہاں آ گئی۔ اُس کے پاس ایک گٹھڑی سی تھی جِس میں اُس نے اپنے دو جوڑے باندھ لیے تھے۔ حمدان نے بغور اُسے دیکھا جِس نے دوپٹہ اب سر پر اوڑھ لیا تھا ورنہ حمدان کے سامنے وہ دوپٹہ کندھے پر لٹکائے رکھتی تھی سر پر اوڑھنے کا تردّد نہیں کرتی تھی یہ شاید اُس کے باپ کا احترام تھا۔ جو بھی تھا حمدان کو اچھا لگا تھا۔ وہ اپنے باپ کی بات ماننے والا تھا۔

"اِس وقت بوت رات او گیا اے! ام کل گھر چلے گا لیکن اِس سے پہلے ایک کام کرنا او گا۔" ضمیر خان نے اُن دونوں کو دیکھ کر کہا تو اُن دونوں نے سوالیہ نگاہوں سے اُن کو دیکھا۔

"جب تُمارا نِکاح ہوا ام میں سے کوئی یہاں نہیں تھا تو ام دوبارہ تُم لوگوں کا نِکاح پڑھوائے گا اُس کے بعد گھر چلے گا۔" ضمیر خان کی بات پر حمدان نے تو سر ہلا دیا مگر منیحہ اُچھل سی پڑی۔

"یہ کیا۔۔۔۔۔" اُس نے کچھ کہنا چاہا مگر حمدان نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔

"تُم ٹھیک کہتا اے پلار! کل ام دونوں نِکاح کر لے گا ابھی تُم بھی جا کر آرام کرو۔" حمدان نے ضمیر خان سے کہا تو وہ سر ہلاتے حمدان کے کمرے میں چلے گئے جب کہ منیحہ نے غُصّے سے حمدان کو گھورا۔

"یہ کیا بکواس کی ہے تُم نے؟ ہمارا نِکاح پہلے بھی نہیں ہوا تھا تو اب بھی نہیں ہو گا۔ مجھے میرے گھر واپس جانا ہے اگر تُم نہیں لے کر جا سکتے تو صاف بتا دو میں خُود چلی جاوں گی۔" منیحہ غُصّے سے بھڑک اُٹھی تھی۔

"تُم خفا کیوں ہوتا اے؟ کیا ام خُوب صورت نئیں اے؟ ایسا گبرو شوہر تُم کو کہاں سے ملے گا؟" حمدان نے اپنے خُوب صورت چہرے پر ہاتھ پھیر کر کہا تو منیحہ نے بغور اُسے دیکھا۔ نفاست سے بنی مُٹھی سے بھی کم داڑھی، سُرخ و سپید رنگت، اونچا لمبا قد، دِلکش نین نقش اور بے مِثال شرافت لیے وہ واقعی بے حد خُوب صورت تھا من سے بھی زیادہ!

"دیکھا! غور کرنے پر تُم کو امارا خُوب صورتی نظر آ گیا نا؟" حمدان نے اُس کی محویت پر چوٹ کی تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

"مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ مجھے ڈاکٹر بننا ہے اور اپنی زِندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ تُم واقعی میں بہت خُوب صورت ہو اور تُمہارے لیے تُمہاری جیسی ہی خُوب صورت بیوی ہونی چاہیے میری جیسی کم صورت اور لنگڑی نہیں۔" بولتے بولتے آخر میں منیحہ کے لہجے میں یاسیت نے ڈیرے ڈال لیے تو حمدان نے گہرا سانس بھر کر بغور اُسے دیکھا جو زیادہ خُوب صورت نہیں تھی مگر حیا والی تھی اور اُسے حیادار بیوی ہی چاہیے تھی۔

"تُم خُوب صورت نئیں اے تو کیا ہوا؟ ام خُوب صورت اے اور امارا خُوب صورتی ام دونوں کے لیے کافی اے اور رہا تُمارے لنگڑا ہونے کا بات تو آئندہ ایسا بات مت کرنا۔ ام سے شادی کرلو ام تُمارا اسہارا بن جائے گا جو کبھی تُم کو لڑکھڑانے نئیں دے گا۔" حمدان نے اُس کا ڈھلکتا دوپٹہ ٹھیک کر کے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تو منیحہ اُس کی آنکھوں میں کھو گئی جہاں اُمید کے دیئے روشن تھے اور ساتھ دینے کا عہد بھی!

"میں گھر والوں سے کیا کہوں گی؟ وہ تو پِھر یہی سمجھیں گے کہ میں نے بھاگ کر تُم سے شادی کی ہے اور پِھر میں تُم سے بڑی ہوں۔" منیحہ نے شش و پنج کا شکار ہوتے ہوئے کہا تو حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

"تُم امارے سامنے بہت چھوٹا لگتا اے! اور رہا تُمارے گھر والوں کا بات تو ام اُن کو سب بتا دے گا کیوں کہ تُم اکیلا واپس گیا تب بھی تُمارے لیے بہت مشکلات آنے والا اے!"

حمدان نے کہا تو منیحہ نے اُلجھ کر کچھ نا سمجھی سے اُسے دیکھا جِس پر حمدان نے وہی باتیں اُس کے سامنے دُہرا دیں جِن پر ضمیر خان نے روشنی ڈالی تھی.

منیحہ نے سب کچھ سُن کر گہرا سانس بھرا کہ وہ واقعی صحیح کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک اے ام تُم سے عقد کرے گا مگر امارا ایک شرط اے؟" منیحہ نے اُس کے لب و لہجے میں کہا۔

"وہ کیا؟" حمدان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ام اپنا ڈاکٹر کی پڑھائی پوری کرے گا اور اپنا کلینک کھولے گا اور وہاں پر کام کرے گا اور تُم ام پر شوہر ہونے کا کوئی رعب نہیں جمائے گا بولو تُم کو یہ سب قبول اے؟" منیحہ نے ابرو اُچکا کر سوال کیا۔

"ام کو قبول اے ہونے والا زوجہ!" حمدان نے خُوش دِلی سے کہا تو وہ مُسکراتی ہوئی اِطمینان بھرا سانس بھر گئی۔

زِندگی کیسے ہونے والی تھی وہ نہیں جانتی تھی مگر اُسے اللہ کے بعد حمدان خان پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اپنا کہا قول نِبھائے گا۔

ضلع ہنگو پہنچتے ہی سب سے پہلے امن ہسپتال آیا تھا۔ اُس نے اُن دونوں لڑکیوں سے کچھ بھی پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اِس پورے راستے اُن کی اُن لڑکیوں سے بات نہیں ہوئی تھی نہ اُنہوں نے خُود بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے اپنی اور حاطب کی مرہم پٹی کروائی، ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات لیں اور پھر ایک گھنٹے بعد حاطب کو لے کر واپس گاڑی میں آگیا۔ ڈاکٹر نے حاطب کو ایڈمٹ کرنے کا کہا تھا مگر وہ منع کر چُکا تھا۔ اپنے شہر پہنچ کر وہ حاطب کا مکمل ٹریٹمینٹ کروانے والا تھا جِس میں ایکسرے بھی شامل تھا کہ کہیں اُس کی کوئی پسلی وغیرہ نہ متاثر ہوئی ہو۔

پیچھے مُسفِرہ اور حسینہ چُپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ حسینہ تو ٹھیک تھی مگر مُسفِرہ کی حالت خراب تھی۔ وہ حسینہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹی ہوئی تھی اور بالکل چُپ تھی۔ حسینہ کو تو

اب بھی یقین نہ آ رہا تھا کہ اُس کے باپ نے کسی اِجنبی سے اُس کا نِکاح کر دیا تھا جِس کو وہ تو کیا اُس کے گھر والے بھی نہ جانتے تھے۔

اب تک اِن لڑکوں کا سلوک اُن کے ساتھ اچھا نہیں تھا تو بُرا بھی نہیں تھا۔ وہ تو یہ تک نہیں جانتی تھی کہ اِن میں سے اُس کا شوہر کون تھا کیوں کہ وہ اپنے شوہر کو نام سے تو جانتی تھی مگر شکل سے نہیں کیوں کہ اُسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اُس کا نِکاح اُس کے کمرے میں داخِل ہونے والے شخص سے کیا گیا ہے یا کسی اِور سے! شاید مُسفِرہ جانتی ہو مگر وہ مُسفِرہ سے ابھی ایسا کوئی سوال نہیں کرنا چاہتی تھی کیوں کہ وہ بے حد گُم صُم سی ہو گئی تھی۔

صائمہ خانم کو کمرے سے باہِر آنے ہی نہیں دیا گیا تھا۔ آٹھ سالہ عبیرہ ماں کے رونے پر زار و قطار روتی رہی تھی جب کہ حسینہ کے نِکاح کا سُن کر شاہدہ خاتون نے بھی بہت واویلا مچایا تھا مگر نذیر خان نے اُن کو طلاق کی دھمکی دے کر چُپ کروا لیا تھا۔ شاہدہ خاتون اُن عورتوں میں سے تھیں جو اپنی اولاد کا تو بُرا نہیں چاہتیں مگر دوسروں کی اولاد کا بے حد بُرا

چاہتی ہیں۔ شیر افگن خان نے اُنہیں رُخصت کرتے وقت ایک ہی بات کہی تھی کہ آج سے وہ اُن کے لیے مر گئیں۔ وہ سمجھیں گے کہ اُن کی مُسفِرہ اور حسینہ نام کی پوتیاں تھیں ہی نہیں۔

حسینہ کو لگا تھا کہ وہ شخص نہ جانے اُس کے ساتھ کیا سلوک کرے جِس کے ساتھ اُس کا زبردستی نِکاح کیا گیا تھا لیکن اب جب مُسفِرہ اُس کے ساتھ تھی تو وہ کچھ مُطمئن سی تھی کہ وہ تنہا نہیں تھی مگر مُسفِرہ کی حالت اُسے پریشان کر رہی تھی۔

گاڑی اب پھر سے فراٹے بھرنے لگی تھی۔ مُسفِرہ ہوش میں تھی لیکن کچھ بھی بول نہیں رہی تھی۔ چہرہ اب بھی ڈھکا ہوا تھا صِرف آنکھیں ہی تھیں جو نظر آ رہی تھی اور آنکھوں پر بھی نیل کے نِشان تھے۔ حاطبِ بھی اب کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

"سنو امارے شوہر!" حسینہ سے رہا نہ گیا تو اُس نے پُکار لیا۔ اُس کی پُکار پر گاڑی کو یک دم بریک لگا۔ حاطبِ اور ارمن نے بے ساختہ مڑ کر پیچھے دیکھا تو وہ لڑکی اُن دونوں کو گھور رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکے سے نیل تھے جو بے حد مدھم ہو رہے تھے۔

"تُم میں سے حاطب سیال کون اے؟" حسینہ نے بِنا ڈرے کڑک انداز میں پوچھا۔

"میں ہوں کوئی تکلیف؟" حاطب نے بِگڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"تکلیف ہونا تو چاہیے تُم کو! ام تُمارا بیوی اے مگر تُم کو کوئی پرواہ نئیں۔" حسینہ نے اُسے گھورا جو اِس وقت نیل وِ نیل چہرہ لیے اُس لڑکے سے بِالکل مُختلف لگ رہا تھا جو اُس کے کمرے کا تالا توڑ کر اندر گُھس آیا تھا۔

"زبردستی کی بیوی ہو تُم بھولو مت!" حاطب نے دانت کچکچا کر جتایا۔

امن البتہ واپس گاڑی سٹارٹ کر چُکا تھا۔ اُسے اِس گفتگو میں کوئی دِلچسپی نہیں تھی۔ مُسفِرہ بھی کچھ نہیں بولی تھی جیسے وہ یہاں ہو ہی نہ!

"تُم خُود ہی زبردستی امارے کمرے میں گُھسا تھا تو یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔" حسینہ نے بھی اُدھار نہیں رکھا تھا۔

"بُرے کاموں کا بُرا نتیجہ! مجھے پتا ہوتا کہ یہ ایک بھاگی ہوئی لڑکی کا کمرہ ہے تو کبھی زبردستی اُس کمرے میں نہ گھُستا۔" حاطب نے نفرت سے کہا تو حسینہ کے سر پر لگی تلووں پر بُجھی۔

"خبردار! جوام کو بھاگا ہوا لڑکی کہا تو! ام بھاگا نئیں تھا۔ ام تو اپنا بہن مُسفِرہ کا مدد کر رہا تھا کہ سب نے ام کو غلط سمجھ لیا۔" حسینہ نے اُسے تنبیہہ کی جِس پر وہ ہنکارا بھر کر سر جھٹک گیا مگر مزید کوئی بات نہیں کی جِس پر حسینہ کا چہرہ غُصّے سے سُرخ پڑنے لگا۔

"امارے شوہر کو تو امارا کوئی پرواہ نئیں ہے مگر تُم کو تو اپنی بیوی کا فکر ہونا چاہیے نالالہ؟" حسینہ نے اب کی بار امن کے سر کو دیکھ کر کہا۔

"کیوں؟ اِس بار کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے میری بیوی پر جو مجھے اِس کی فکر کرنی چاہیے؟" امن نے نخوت سے فرنٹ مرر سے مُسفِرہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو اب بھی باہِر دیکھ رہی تھی۔

"یہ جب آیا تھا تو اِسے پھولوں کے ہار نہیں پہنایا گیا تھا بلکہ اِس کو بھی بہت مار پڑا تھا ام سے بھی زیادہ! اِس کو بھی طبیب کو دِکھا دو نا ایک بار؟" حسینہ نے اُسے اِطلاع دیتے آخر میں اِلتجا کی تو امن کے ساتھ ساتھ حاطب بھی چونکا۔

"نوکر نہیں لگا میں اِس کا!" سر جھٹک کر کہتا امن حسینہ کو نااُمید کر گیا۔

"امن! کسی کلینک پر گاڑی روک!" حاطب نے دوٹوک انداز میں کہا تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی اثبات میں سر ہلا گیا جِس پر حسینہ نے اِطمینان بھرا سانس لیا۔

آدھے گھنٹے بعد امن نے ایک کلینک پر گاڑی روکی۔

"جاو! اُسے چیک کروالاو۔" امن نے حسینہ سے کہا۔

"ام زیادہ گھر سے باہر آتا جاتا نئیں اے۔ ام کو یہاں کے طور طریقوں کا نئیں پتا اور ویسے بھی اِس کا شوہر تُم اے ام نئیں تو تُم لے کر جاو نا اِس کو؟" حسینہ نے ماتھے پر بل ڈال کر کچھ جتاتے لہجے میں کہا تو وہ ناگوار سے تاثرات چہرے پر سجائے گاڑی سے اُترا۔

حسینہ نے مُسفرہ کو سمجھایا تو وہ بِنا کچھ کہے امن کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

امن اُسے ایک ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا۔ مُسفِرہ نے چادر چہرے سے ہٹائی تو ڈاکٹر مشکوک نِگاہوں سے امن کو دیکھنے لگا جِس پر وہ جھلا گیا۔

"بیوی ہے میری!" امن نے وضاحت کی کہ وہ یہاں کوئی اُلجھن نہیں چاہتا تھا۔

"بیوی ہے غُلام نہیں جو اِتنا مارا ہے تُم نے اِسے!" ڈاکٹر نے اُسے لتاڑا۔

"اِن کی غلطی نہیں ہے۔ میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔" مُسفِرہ نے تب سے لے کر اب تک کوئی بات کی تھی۔

"ڈاکٹر ہوں میں اچھے سے جانتا ہوں کہ کون سی چوٹ کس نوعیت کی ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے جتایا تو امن کا پارہ ہائی ہونے لگا۔ اُسے کیا پتا تھا کہ مُسفِرہ کے گھر والوں نے اُسے بھی اِتنا مارا پیٹا ہے۔ ابھی ہی اُس نے مُسفِرہ کو نیل و نیل چہرہ دیکھا تھا جِس پر وہ حیران رہ گیا تھا کہ اپنی بیٹی کے ساتھ اِس طرح کا سلوک وہ کیسے کر سکتے تھے؟

"خیر! یہاں بیٹھو میں زخموں کا معائنہ کر لیتا ہوں۔" ڈاکٹر نے اُس کے گال پر پڑے نیل پر اُنگلی پھیری تو امن کو بے حد عجیب سا محسوس ہوا۔ مُسفرِہ بھی جِھجھک کر پیچھے کو کِھسکی۔

اُس نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کا ہاتھ جھٹک اور لیڈی ڈاکٹر کو بُلانے کو کہا۔ وہ ڈاکٹر اُسے گھورتا اندر چلا گیا اور پھِر دو منٹ بعد ایک لیڈی ڈاکٹر آ کر مُسفرِہ کو اپنے کیبن میں لے گئی۔ امن کیبن کے باہِر کھڑا اب اُن کا اِنتظار کر رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد مُسفرِہ باہِر آئی تو اُس کے ہاتھ میں ایک پرچی تھی جِس پر ادویات لِکھی تھیں۔ مُسفرِہ اپنا بازو مسل رہی تھی یعنی کہ اُسے اِنجیکشن لگا تھا۔

فارمیسی سے میڈیسن لے کر وہ گاڑی کے پاس آ کر گاڑی میں بیٹھا اور مُسفرِہ کے بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

راستے سے اُنہوں نے کھانے کے لیے سینڈوچ اور جوس وغیرہ لے لیے تھے۔ پورا راستہ پھر اُن میں کوئی بات نہیں ہوئی اور پھر شام کے سات بجے وہ گھر پہنچے۔ امن اُن سب کو اپنے ذاتی گھر امن ہاوس لے آیا تھا کہ وہ گھر جا کر کیا بتاتا کہ وہ دونوں شادی کر آئے ہیں؟ وہ جلد از جلد مُسفِرہ سے چُھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ وہ اُسے بیوی کے طور پر قبول نہیں کر سکتا تھا کہ اب تو اُسے مُسفِرہ سے چِڑ سی ہونے لگی تھی جِس کی وجہ سے اُس کے ساتھ ساتھ حاطب کو بھی بہت کچھ برداشت کرنا پڑا تھا۔ البتہ حاطب کا اُسے پتا نہیں تھا کہ وہ حسینہ کے ساتھ جُڑے اِس زبردستی کے رِشتے کو نِبھائے گا یا نہیں۔

وہاں سے یہاں تک اُس نے کیسے ڈرائیونگ کی تھی یہ یا تو وہ جانتا تھا یا اُس کا خُدا! حاطب سے بھی وہ ڈرائیونگ کا نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس کی حالت امن سے بھی زیادہ خراب تھی۔

وہاں پہنچ کر اُس نے مُسفِرہ اور حسینہ کو اُسی کمرے میں ٹھہرا دیا تھا جِس میں مُسفِرہ ٹھہری تھی۔ یہاں پر کھانے پینے کا سامان موجود تھا تبھی اُس نے مزید کوئی سامان نہیں خریدا

تھا۔ اُنہیں وہاں چھوڑ کر اور کچھ ہدایات دے کر وہ حاطب کو لے کر سیال ہاوس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

وہ لوگ جِس وقت گھر پہنچے اُس وقت رات تھی اور سب ہی اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ کسی کو نہیں پتا تھا کہ وہ لوگ واپس آ گئے ہیں۔ گیٹ بھی چوکیدار نے ہی کھولا تھا۔ امن حاطب کو اُس کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور فریش ہونے کے بعد جلد ہی نیند کی گہری وادیوں میں اُتر گیا تھا کہ تھکاوٹ سے نہ صِرف اُس کا جِسم ٹوٹ رہا تھا بلکہ اب تو غنودگی بھی چھانے لگی تھی۔

جِس وقت وہ جاگا صُبح کے دس بج رہے تھے۔ فریش ہو کر اور کپڑے بدل کر وہ کمرے سے باہِر آیا تو سامنے ہی حاطب بھی اپنے کمرے سے نِکل کر نیچے ہی جا رہا تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑے تھے کہ دونوں کا چہرہ خُود پر بیتی داستان سُنا رہا تھا۔

"عجیب اِتفاق ہے نا کہ ہم دونوں کی شادی ایک ہی دِن، ایک ہی وقت میں ہوئی؟"
حاطب نے اُس لے ساتھ نیچے کی جانِب بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہمم! اِتفاق ہی ہے مگر اِس اِتفاق میں برکت ڈالنے کا کوئی اِرادہ نہیں ہے میرا!" امن نے سپاٹ لہجے میں کہا تو حاطب نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"تُم اُسے چھوڑ دو گے؟" حاطب کے سوال پر امن نے عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھا۔ یہ سوال کرنے کی کیا تُک تھی بھلا؟

"میں اُسے رکھوں گا بھی کیوں؟ تُم شاید بھول رہے ہو کہ یہ محبّت کی نہیں زبردستی کی شادی ہے۔ میری کی نیکی گلے پڑ گئی اور گلے میں پڑے اِس ڈھول کو میں بجانے کا اِرادہ نہیں رکھتا۔" امن نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تُم ابھی تک منیحہ کو نہیں بھولے اِس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔ کیا بہت محبّت کرتے ہو منیحہ سے؟" حاطب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"منیحہ سے محبّت؟" امن بے ڈھنگے مگر عجیب سے انداز میں ہنسا جس پر حاطب کو کچھ تعجب سا ہوا۔

"میری چھوڑو تُم بتاو؟ تُم نبھاو گے اِس زبردستی کے نِکاح کو؟" امن نے پوچھا تو حاطب سوچ میں پڑ گیا۔

"امم! سچ کہوں تو میں نے ابھی تک کچھ سوچا نہیں ہے۔" حاطب نے کندھے اُچکا کر کہا۔

"سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا تیرے والی بہت چالاک ہے۔" امن نے مشورہ دیا مگر اِس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتا سفینہ بیگم کی چیخ نے دونوں کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔

وہ اب نیچے لاونج میں پہنچ چُکے تھے جہاں عدن اور عُبید سیال کے علاوہ گھر کی تینوں لیڈیز موجود تھیں۔

"حاطب! امن! یہ کیا ہوا ہے؟" وہ بھاگ کر اُن کے قریب آتیں باری باری اُن کے چہروں کو چھو رہی تھیں اور بے چینی سے اِستفسار کر رہی تھیں۔

"یُوسف!" نسیمہ بیگم اور سعدیہ بیگم بھی اُن کے پاس چلی آئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا لیڈیز! آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ ہم دونوں بِالکل ٹھیک ہیں بس چھوٹا موٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" امن نے سب کو تسلّی دی۔

"ایکسیڈنٹ کیسے ہو گیا؟ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ ڈاکٹر کو دِکھایا کیا؟" سعدیہ بیگم نے پریشانی سے اِستفسار کیا۔

"بس ہو گیا اور ڈاکٹر کو بھی دِکھا دیا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اِس لیے آپ سب بھی ٹینشن نہ لیں۔" حاطب نے بھی اُن کو تسلّی دی۔

"مگر یہ ایکسیڈنٹ تو نہیں لگ رہا؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی نے پیٹا ہو تُم لوگوں کو!" سفینہ بیگم نے اچھنبے سے اُن کے زخموں کا معائنہ کرتے ہوئے کہا تو حاطب اور امن نے گہری سانس بھر کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہمیں کوئی کیوں پیٹے گا ہماری کون سی کسی سے کوئی دُشمنی ہے؟ بس قِسمت میں یہ چھوٹا سا ایکسیڈنٹ لکھا تھا۔ اب آپ لوگ پلیز ناشتہ دے دیں بہت بھوک لگی ہے۔" امن نے بے چارگی سے کہا تو سفینہ بیگم جلدی سے طلعت کو ناشتہ بنانے کے لیے کہنے لگیں۔ وہ لوگ اُن کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"میری منیحہ کا کچھ پتا چلا؟" کچھ دیر بعد سعدیہ بیگم نے اِستفسار کیا تو وہ بے بسی سے نفی میں سر ہلا گئے۔ سعدیہ بیگم مایوس سی ہو کر کمرے میں چلی گئیں تو سفینہ بیگم اُن کے پیچھے گئیں تاکہ وہ رو رو کر اپنی طبیعت خراب نہ کر لیں۔

امن اور حاطب کچھ دیر نسیمہ بیگم کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر ناشتہ آیا تو ناشتہ کر کے دوستوں سے مِلنے کا کہہ کر گھر سے باہِر آ گئے۔

وہ دونوں امن ہاوس جا رہے تھے مگر اِس سے پہلے اُنھوں نے جا کر اُن دونوں لڑکیوں کے لیے کچھ کپڑے خریدے تھے۔ ایک گھنٹے بعد وہ لوگ امن ہاوس پہنچے تو کچن سے کچھ پکنے کی خُوشبو آ رہی تھی۔

امن اور حاطب سِٹنگ ایریا میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

"آہ۔۔۔" وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے جب نسوانی چیخ پر بے ساختہ اُچھل پڑے۔

کچن کے دروازے پر حسینہ کھڑی اپنے دِل کے مُقام پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی اور اُس کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ وہ اُن کو یوں اچانک وہاں دیکھ کر ڈر گئی تھی جیسے اُن کی وہاں موجودگی کی توقع نہ کی ہو۔

"تُم جِن بھوت اے کیا؟ بتا کر نئیں آ سکتا تھا تُم؟" خود پر قابو پا کر وہ اُن پر چڑھ دوڑی۔

"میرا گھر ہے اور یہاں آنے کے لیے مجھے کسی کو پیشگی اِطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے سمجھی؟" امن نے غُصّے سے کہا تو غُصّے سے حسینہ کے نتھنے پھولنے لگے۔

البتہ حاطب حسینہ کو دیکھ رہا تھا جو اپنے کل والے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اور ہاتھ میں ٹرے تھی جِس سے آلو کے پراٹھوں کی خُوشبو آ رہی تھی۔

ٹرے میں دو مگ بھی تھے جِن سے بھاپ اُٹھ رہی تھی اور وہ یقیناً چائے سے بھرے ہوئے تھے۔

"تُم کیسا شوہر اے؟ تمارا بھائی تمارے سامنے تمارا زوجہ کو طعنہ مار راا اے اور تُم چُپ چاپ سُن راا اے؟" حسینہ نے توپوں کا رُخ حاطب کی طرف موڑ تو حاطب بوکھلا سا گیا لیکن پھِر جلد ہی اپنے اعصاب پر قابو پا کر من کو دیکھا جو جتاتی نظروں سے حاطب کو دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کہاں تھا نا میں نے کہ بہت چالاک لڑکی ہے؟

"وہ سچ ہی کہہ رہا ہے۔ یہ اِسی کا گھر ہے اور یہ کسی کو بتانے کا پابند نہیں ہے کہ اِسے کب یہاں آنا ہے اور کب نہیں۔" حاطب نے گلا کھنکار کر سنجیدگی سے کہا تو حسینہ کو چُپ لگ گئی۔

"تُم بے غیرت اے پھِر جِس نے اپنا زوجہ کو کسی غیر کے گھر میں رکھا ہوا اے!" اگلے ہی پل وہ بِنا لحاظ کیے رکھ کر طعنہ مارتی سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی جب کہ حاطب آنکھیں چھوٹی کیے سیڑھیوں کو دیکھنے لگا جہاں سے وہ اوپر گئی تھی۔

"توپ سے بھی تیز گولا باری کرتی ہے یہ لڑکی!" بڑبڑا کر وہ امن کی طرف متوجّہ ہوا جو طنزیہ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تو اب بتاو؟ رکھو گے اِسے ہمیشہ اپنی بیوی بنا کر؟" امن نے اِستفسار کیا۔

"طلاق بہت ناپسندیدہ عمل ہے امن! یہ جیسی بھی ہے اِسے خُدا نے میری زِندگی میں شامل کیا ہے۔ یہ نِکاح اگر میری یا اِس کی رضامندی سے نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ یہ نِکاح خُدا کی رضامندی سے ہوا ہے اور میں خُدا کے کیے فیصلے کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اِس کی وجہ سے میری جان جاتے جاتے رہ گئی جس پر مجھے بہت غُصّہ تھا۔ دِل نہیں چاہ رہا تھا کہ اِس کو دیکھوں لیکن کل رات میں نے اِس بارے میں بہت سوچا۔ خُدا نے اِس کی ذِمہ داری مجھے سونپی ہے۔ اِسے میرے نِکاح میں دیا ہے۔ اِس کے باپ کے بعد مجھے اِس کا ولی بنایا ہے اور میں خُدا کی دی اِس ذِمہ داری کو نبھانے سے اِنکار کر کے خُدا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ آج مجھے اِس سے چِڑ ہے، اِس پر غُصّہ ہے مگر اگر میں اِس کی خُوبیاں دیکھوں گا تو مجھے اِس سے محبّت بھی ہو جائے گی۔ آج نہیں تو کل مجھے کسی نہ کسی سے شادی کرنی ہی ہے تو اِسی

سے جُڑا رِشتہ کیوں نہ نِبھاؤں؟ حضور اکرم ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ اگر تُمہیں اپنی بیوی پسند نہیں ہے تو اُس کی خامیاں نہیں دیکھو بلکہ کوئی ایک خُوبی ڈھونڈ کر ہی اُس سے محبّت کر لو۔ کوئی ایک خُوبی تو مل ہی جائے گی تُمہیں! اور اگر میں اِسے نہیں اپناؤں گا، اِس کا محافظ نہیں بنوں گا تو وہ کہاں جائے گی؟ اِس کے باپ نے جِس طرح کسی اجنبی سے اِس کا نِکاح کر کے اِسے رُخصت کیا ہے تو کیا لگتا ہے کہ وہ اب اِس کو واپس قبول کرے گا؟" حاطب بولنے پر آیا تو بولتا ہی چلا گیا مگر امن اُس کی تقریر سے مُتاثر نہیں ہوا تھا۔

"یہ تُمہاری زِندگی ہے۔ تُمہیں جو بہتر لگے وہ کرو۔ میں تُمہاری زِندگی میں مداخلت نہیں کروں گا۔" امن نے کندھے اُچکا کر کہا۔

"تُم نے کیا سوچا ہے اپنی بیوی کے بارے میں؟" حاطب نے سوال کیا۔

"میں اُسے بیوی نہیں مانتا۔ میں اُس کے ساتھ بنا یہ زبردستی کا رِشتہ کبھی نہیں نِبھاؤں گا۔ اُسے کسی دارالامان چھوڑ دوں گا اگر کہے گی تو!" امن نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"دارالامان صرف کہنے کو حفاظتی سینٹر زہیں۔ پس پردہ کیا کچھ ہوتا ہے وہ سب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ رہائش اور حفاظت دینے کی آڑ میں لڑکیوں کا استعمال کیا جاتا ہے وہاں! وہاں رہنے والی کوئی لڑکی محفوظ نہیں اچھے سے جانتے ہو تُم اور وہ تُمہاری بیوی ہی نہیں بلکہ میری بیوی کی بہن یعنی میری سالی بھی ہے اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ کسی دارالامان میں جا کر ذلیل ہو۔" حاطب نے جتایا تو امن نے طنزیہ انداز میں اُسے دیکھا۔

"اِتنی ہی اپنی سالی کے لیے ہمدردی جاگ رہی ہے تو اپنے گھر میں رکھ لینا اُسے جب اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جاوٴ گے تو؟" امن نے بے نیازی سے کہا تو حاطب افسوس سے اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"میں اُسے سیال ہاوس لے کر جاوٴں گا اور سب کو سب کچھ سچ بھی بتا دوں گا۔ میں کسی سے کچھ بھی نہیں چھپانے والا امن!" حاطب نے سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

"تو پھِر صِرف اپنے بارے میں بتانا میرے بارے میں نہیں! میں مُسفِرہ کو کبھی بھی بیوی نہیں مانوں گا نہ اُسے اپناوٴں گا۔ تُم اُسے اپنی سالی کے طور پر متعارف کروا سکتے ہو میری

بیوی کے طور پر نہیں! اگر گھر بتادو گے اور وہ لوگ بھی زبردستی کریں گے تب بھی میں مُسفِرہ کو نہیں اپناوں گا۔" امن کسی ضدّی بچے کے سے انداز میں بولا تھا جس پر حاطب افسوس سے بس سر ہلا کر رہ گیا۔

"میں اپنی زوجہ کو یہ سامان دے کر آتا ہوں۔" حاطب نے موضوع کو بدلتے ہوئے کہا اور شاپنگ بیگز لے کر اوپر کی جانِب بڑھا۔

وہ دروازہ ناک کر کے اِجازت ملنے کا اِنتظار کرنے لگا کیوں کہ جانتا تھا کہ وہ دونوں لڑکیاں ایک ہی کمرے میں ہیں۔ دروازہ مُسفِرہ نے کھولا تھا اور سامنے کھڑے حاطب کو دیکھ کر وہ جلدی سے اُسے سلام کر گئی تھی۔ حاطب نے افسوس سے اُس کے نیل نیل چہرے کو دیکھا مگر کہا کچھ نہیں کہ تسلّی دینے سے وہ شرمندہ ہی ہوتی۔

"حسینہ باتھ روم میں ہے۔ آپ اُس سے ملنے آئے ہیں نا؟" مُسفِرہ نے اِطلاع دیتے اِستفسار کیا۔

"جی !" حاطب نے کہا تو وہ سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

"آپ اُس سے بات کرلیں۔" مُسفرہ یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تو حاطب شاپنگ بیگز تھامے اندر چلا آیا۔

"حسینہ !" اچھا نام ہے۔" تعریفی انداز میں کہتا وہ بیڈ پر بیٹھا جہاں اُسے زخموں پر لگائی جانے والی ایک ٹیوب ملی تھی۔ ابھی وہ اُس کا جائزہ لے ہی رہا تھا جب باتھ روم کا دروازہ کھلا اور حسیبہ دوپٹے سے ندارد وجود لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

اُس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا جب کہ گھنے بالوں کی لمبی سی چُٹیا کمر پر جھول رہی تھی۔ متناسب سا جسم اور خُوب صورت چہرہ لیے وہ حاطب کو مکمل اپنی طرف متوجہ کر گئی تھی۔ کچھ حق کا احساس تھا اور کچھ نکاح کے دو بولوں کی برکت کہ وہ حاطب خُود کو اُس کی طرف بڑھنے سے روک نہ سکا۔ اب جب اُس نے حسینہ کو بیوی کے طور پر اپنانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو وہ اُسے بھی اِس بات کا احساس دِلانا چاہتا تھا جب کہ حسینہ تو اُسے یُوں کمرے میں دیکھ کر گھبرا سی گئی تھی۔

"تُم کو شرم نئیں آتا کسی لڑکی کے کمرے میں یوں گُھستے ہوئے؟" حسینہ نے اُس کے پہلو سے نِکلنے کی کوشش کرتے اُسے لتاڑا مگر حاطب نے اُسے بازو سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور اپنے دونوں ہاتھ اُس کے دائیں بائیں رکھ لیے تاکہ وہ جا نہ سکے۔

"مجھے اپنی حق حلال کی بیوی کے کمرے میں بِنا اِجازت گُھستے ہوئے بِالکل بھی شرم نہیں آتی۔" حاطب نے بے حد سنجیدہ انداز میں کہتے ہوئے اُس کے چہرے پر پھونک ماری جہاں ایک آوارہ لٹ نِکل کر اُس کے گُلابی گال کو چوم رہی تھی۔اِس قُربت پر حسینہ کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹنے لگیں۔

"تُم کیا کرنے کی کوشش کر رااے؟" حسینہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"میں اپنی بیوی سے رومانس کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" حاطب نے جُھک کر اُس کے ماتھے کو لبوں سے چھوا تو حسینہ کا سانس اٹکا۔

نہ جانے کیسا دِلکش سا احساس تھا کہ حسینہ کے دِل میں اُتھل پُتھل ہونے لگی اور اُس کا چہرہ گُلال چھلکانے لگا۔ ایسی شرم وحیا، ایسا دِلکش احساس تو کبھی اُسے حمدان سے رِشتہ جُڑنے پر بھی نہیں ہوا تھا جو حاطب کی قُربت میں ہو رہا تھا اور ہوتا بھی کیوں نہ حاطب سے اُس کا جائز رِشتہ تھا۔

"تُم لالہ کے سامنے تو غیرت نئیں دِکھا سکا اور یہاں تُم کو رومانس سوجھ راا ے؟" اُس کا اِشارہ غالباً امن کی جانِب تھا جب اُس نے حسینہ کو طعنہ مارا تھا کہ یہ اُس کا گھر ہے جب کہ اپنے رومانٹک موڈ کا بیڑہ غرق ہونے پر وہ بدمزہ ہو کر پیچھے ہوا۔

"تُمھیں کل اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں وہاں جہاں میرے گھر والے رہتے ہیں۔ کل تیار رہنا میں لینے آوں گا۔" حاطب نے کہا تو وہ خُوشی سے سر ہلا گئی۔ جانتی تھی کہ اب حاطب ہی اُس کا سب کچھ تھا۔ باپ نے تو کسی بوجھ کی طرح اُسے سر سے اُتار پھینکا تھا تو واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"نِکاح جن بھی حالات میں ہوا ہو مگر اب تُم میری بیوی اور میں تُمہارا شوہر ہوں۔ مل کر کوشش کریں گے تو یہ رِشتہ بے حد آسانی سے اور سکون سے نبھے گا۔ تُم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟" حاطب نے نرمی سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔ وہ دو اجنبی تھے مگر نِکاح جیسا مقدّس رِشتہ کتنی جلدی اُن کے بیچ میں سے یہ اجنبیت اور جِھجھک ختم کر چُکا تھا شاید یہی اِس رِشتے کی خُوب صورتی تھی کہ بندھن دو اجنبیوں کو ایک دوسرے کا لِباس بنا دیتا ہے۔

"یہ کچھ کپڑے ہیں تُمہارے اور مُسفِرہ کے! اور اب میرے زخموں پر بھی مرہم لگا دو جو میرے سسُر جی نے مجھے دیئے ہیں۔" حاطب نے شاپنگ بیگز کی طرف اِشارہ کر کے اپنی شرٹ اُتار کر اچانک کہا تو وہ سٹپٹا سی گئی۔

"شرمانا مت یار! اب تُمہیں مجھے ساری عمر ایسے ہی دیکھنا ہے۔" حاطب نے اُس کے شرمانے پر چوٹ کی تو وہ جھینپ کر سر ہلاتی ٹیوب لے کر اُس کے پاس آئی جو بیڈ پر اُلٹا لیٹ چُکا تھا۔ اُس کی کمر پر جگہ جگہ نیل اور خراشوں کے نِشان تھے۔ وہ اپنے باپ کی بے حِسی پر کڑھتی حاطب کے زخموں پر مرہم رکھنے لگی۔

حاطب اُس سے اُس کے بارے میں چھوٹے موٹے سوال کرتا جارہا تھا جن کے وہ سہولت سے جواب دے رہی تھی۔ حاطب اُس کا دھیان بھٹکانے میں کامیاب رہا تھا۔

وہ منیحہ وڑائچ سے منیحہ حمدان خان بن چکی تھی۔ اُس نے صحیح فیصلہ کیا تھا یا غلط وہ نہیں جانتی تھی لیکن اپنے اِس فیصلے سے مطمئن ضرور تھی۔ کوئی اور اُس کی بات پر یقین کرے یا نہ کرے مگر اِتنا وہ جانتی تھی کہ اُس کی ماں اُس کا یقین کرے گی، ہر معاملے میں اُس کا ساتھ دے گی اور کبھی اُسے تنہا نہیں چھوڑے گی۔

آج صبح ہی اُن کا نِکاح ہوا تھا اور شام کو وہ لوگ حمدان خان کے گاؤں پہنچے تھے۔ حمدان نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دِنوں میں وہ اُسے اُس کے گھر لے جائے گا تبھی وہ کچھ مطمئن سی ہو گئی تھی۔ حمدان سے وہ پہلے کی طرح ہی بے تکلّف تھی مگر نِکاح کے بعد ابھی تک اُن کی آپس میں اِس رِشتے کے بارے میں کوئی تفصیلی بات نہیں ہوئی تھی۔ حمدان کے گھر پہنچتے ہی اُسے بے حد عجیب لگا تھا کیوں کہ وہاں واویلا مچا ہوا تھا۔

اُن لوگوں کے پہنچتے ہی حمدان کی ماں روتی بِلکتی آکر ضمیر خان کے گلے سے لگتی جھول گئی تھی۔ حمدان کی چھوٹی بہن عبیرہ بھی بُری طرح رو رہی تھی ہاں البتہ اُس کے تایا جان اور آغا جان بے زاری سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ نِگار زریاب کو سنبھال رہی تھی جو بار بار اُس کی گود سے اُترنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ حمدان کی تائی شاہدہ خاتون بھی ناک بھوں چڑھائے ایک طرف کھڑی تھیں۔ اُن کے ساتھ کھڑی روزینہ بھی بے حد اُداس تھی جب کہ اُن کو یوں دیکھ کر ضمیر خان اور حمدان تو بوکھلا کر ہی رہ گئے تھے۔

ضمیر خان تیزی سے صائمہ خانم کو اُٹھا کر اندر لے گئے تھے۔ روزینہ تیزی سے پانی لینے بھاگی۔ حمدان، عبیرہ اور منیحہ بھی تیزی سے اُن کے پیچھے گئے جب کہ شاہدہ خاتون نفرت سے مُنہ موڑتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نذیر خان نے زریاب خان کو لیا اور باہر نِکل گئے جب کہ آغا جان نے بھی اپنے کمرے کی جانِب وہ دم بڑھا دیئے۔ اُن کے جاتے ہی زرنگار بھی صائمہ خانم کے کمرے میں چلی آئیں۔ کسی نے بھی منیحہ کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون تھی شاید اُنہیں اُس میں کوئی دِلچسپی نہیں تھی۔

"مورے کو ہوا کیا اے؟ آنکھیں بھی بے حد سوجھ گیا اے؟" حمدان نے اُردو میں پوچھا تھا تاکہ منیحہ کو بھی سمجھ آسکے ورنہ وہ اُلوؤں کی طرح ایک ایک کا مُنہ تکتی رہتی۔ جواباً زرنگار نے کل جو کچھ ہوا وہ سب کچھ اُن کے گوش گزار دیا جسے سُن کر نہ صرف حمدان بلکہ ضمیر خان بھی سکتے میں رہ گئے۔ اُن کی بیٹی واپس آگئی تھی وہ بھی صحیح سلامت مگر اُن کے اپنے گھر والے اُس کے دُشمن بن گئے اور کسی اجنبی کے ساتھ اُسے رُخصت بھی کر دیا۔ وہ جو اُسے ڈھونڈنے میں دن رات ایک کر رہے تھے ایک بار پھر اُسے کھو چُکے تھے۔ اگر وہ جھوٹی اور گُنہگار ہوتی تو کبھی بھی واپس نہ آتی لیکن وہ سچّی تھی تبھی تو واپس آئی تھی۔ امن نے نذیر خان کو سب کچھ بتایا تھا کہ اُسے مُسفرہ کہاں سے اور کیسے ملی مگر اُنھوں نے یقین نہ کیا اور وہ سب کچھ جو اُنہیں امن سے پتا چلا تھا وہ سب کچھ وہ نگار کو بھی بتا چُکے تھے اور نگار نے بھی بنا کچھ چُھپائے ضمیر خان کو حرف حرف بتا دیا تھا جس پر اُن کا بس نہ چلا کہ وہ سب کو جان سے مار دیں جنھوں نے اُن کی بیٹی کے ساتھ جانوروں والا سلوک کیا تھا۔ نگار نے اُن کو یہ بھی بتا دیا کہ حسینہ کا بھی نکاح اُسی لڑکے کے ساتھ آئے

لڑکے سے کر کے اُسے بھی رُخصت کر دیا گیا تھا اور یہ کہ وہ دونوں جہاں بھی تھیں ایک ساتھ تھیں۔

"اب ام اُسے کہاں ڈھونڈے گا؟ اگر ام یہاں اوتا تو اُس کے ساتھ کبھی ایسا کچھ نہ اوتا!" ضمیر خان بے بسی سے بولے۔

روزینہ پانی لے کر آئی تو اُنہیں نے وہ پانی صائمہ خانم کے مُنہ پر چِھڑکا جِس پر وہ ہوش میں آئیں مگر ہوش میں آتے ہی پِھر سے رو رو کر اُنہیں سب کچھ بتانے لگیں۔ ضمیر خان نے اُن کو تسلّی دی کہ وہ اچھا لڑکا ہو گا جِس نے اُن کی بیٹی کی اِتنی مدد کی۔ وہ اُسے کبھی کوئی تکلیف نہیں دے گا۔

کچھ پل بعد جب صائمہ خانم کی حالت سنبھلی تو اُنہوں نے منیحہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ حمدان کا بیوی اے !"ضمیر خان نے بتایا تو سب کے مُنہ کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔یقیناً سب اُس کے یُوں اچانک نِکاح پر حیران تھے۔

"امارا دوست اے شہر میں !اُس کا دو دِن پہلے اِنتقال او گیا تھا۔اِس بچّی کے گھر والے دور کے کسی شہر میں رہتے ہیں یہاں نئیں اور امارا دوست اِس کو اکیلا چھوڑنا نئیں چاہتا تھا تبھی ہسپتال میں ای اِس کا نِکاح حمدان سے کر دیا۔"ضمیر خان نے فرضی کہانی سُنائی تو وہ سب افسوس سے اُسے دیکھنے لگے۔

"جاو! بھاوج کو حمدان کے کمرے میں چھوڑ آو۔"ضمیر خان نے روزینہ سے کہا تو وہ منیحہ کو حمدان کے کمرے میں چھوڑنے چلی گئی۔

یہ سادہ سا کمرہ تھا جِس میں بڑے سے پلنگ کے اوپر گدّا بِچھا ہوا تھا۔کمرے میں ایک الماری تھی اور ایک ٹیبل جِس کے پاس ایک کُرسی رکھی ہوئی تھی۔اِس کے علاوہ کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا باتھ روم بھی نہیں۔

روزینہ اُسے چھوڑ کر چلی گئی تو وہ بِستر پر لیٹ کر سُستانے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد حمدان واپس آیا تو بے حد تھکا تھکا اور اُداس سا تھا۔

"مُسفِرہ تُمھاری بہن ہے؟" وہ منیحہ کے پاس آکر ذرا فاصلے پر بیٹھا تو منیحہ نے پوچھا۔

"ہمم! ام سے چھوٹا اے۔" حمدان نے بتایا تو وہ افسوس سے اُسے دیکھنے لگی۔

"مُسفِرہ کو ڈھونڈنے ہی تُم شہر گئے تھے؟" منیحہ نے ایک اور سوال کیا تو وہ سر ہلا گیا۔

"تُم فکر مت کرو وہ جہاں ہو گی ٹھیک ہی ہو گی۔ تُم نے کہا تھا نا کہ نیکیاں پلٹ آتی ہیں؟ تُم نے میری مدد کر کے میرے ساتھ نیکی کی تو دیکھو تُمھاری نیکی تُم تک پلٹ آئی کہ خُدا نے کسی کو ذریعہ بنا دیا جِس نے تُمھاری بہن کی حِفاظت کی اور جب اُس لڑکے نے پہلے تُمھاری بہن کی حِفاظت کی تھی بِنا کوئی رِشتہ ہوتے ہوئے بھی تو اب تو وہ اُس کے نام سے جُڑ چُکی ہے۔ اب تو وہ اُس کی حِفاظت اور بھی اچھے طریقے سے کرے گا کیوں کہ اب وہ اُس کی عزّت، اُس کی بیوی ہے۔" منیحہ نے اُسے تسلّی دی تو وہ محض ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

منیحہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ مزید کیا کہے تو چُپ کر گئی۔ کمرے میں چھائی چُپی پر حمدان نے اُسے دیکھا جو اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"تُم کو بھوک لگا اوگا؟ ام تُمارے واسطے کچھ کھانے کو لائے؟" حمدان نے یاد آنے پر پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے اِبھی بھوک نہیں ہے۔" منیحہ نے منع کر دیا۔

"تُم خُوش اے؟ کہیں تُم پر بھی امارا فیصلہ مسلّط تو نئیں او گیا؟" حمدان نے سنجید گی سے پوچھا۔

"نہیں! تُم سے نِکاح کا فیصلہ میں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ مجھے اِس پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔" منیحہ نے کہا تو وہ اِطمینان بھرا سانس بھر گیا۔

"توام کو بیوی والا سُکھ بھی دے گا تُم؟" حمدان نے آگے کو ہو کر اُس پر جُھکتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے پوچھا تو وہ سٹپٹا کر پیچھے کو ہوئی تو کُہنیوں پر بیلنس نہ رکھ پائی اور پیچھے کو لیٹ گئی۔ حمدان کے چہرے سنجیدگی مگر آنکھوں میں شرارت تھی۔

"کیا مطلب ہے اِس بات کا؟" منیحہ نے بوکھلا کر پوچھا۔اُن میں اِتنی بے تکلّفی تو نہیں تھی کہ وہ یُوں اُس سے ایسی رومانٹک باتیں کرتا تبھی وہ کچھ نروس ہو رہی تھی۔

"مطلب یہی کہ تُم ام کو باپ بنا دے تا نا؟" حمدان نے پہلے دے بھی زیادہ کُھلی ڈُھلی بات کی تو شرم و حیرت سے منیحہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"میرے ڈاکٹر بننے سے پہلے ایسا کچھ نہیں ہو گا اور جب تک میں اپنی والدہ سے مِل کر اُن کو سب بتا کر راضی نہیں کر لیتی تب تک تو میرے پاس آنے کی سوچنا بھی مت!" منیحہ نے سنجیدگی سے کہا تو حمدان کچھ پل اُسے غور سے دیکھتا رہا اور پھِر جُھک کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا جِس پر وہ آنکھیں میچ گئی۔

"ٹھیک اے جیسا تُمارا مرضی!" حمدان نے بھی سنجیدگی سے کہا اور پھر کروٹ بدل کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

وہ زبردستی کا قائل نہیں تھا نہ ہی ایسا کچھ کر کے منیحہ کو بدگُمان کرنا چاہتا تھا۔ وہ مرد تھا اور مرد بہت جلد اپنی بیویوں پر حق جتانے لگ جاتے ہیں چاہے شادی ارینج ہو یا لو! وہ اُس کی بیوی تھی جِس پر وہ مکمل حق رکھتا تھا۔ اُس کے پاس جانے، اُس سے اپنا حق مانگنے میں حمدان کو کوئی جِھجھک یا کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن اُس کے منع کرنے پر وہ باز بھی آ چُکا تھا کیوں کہ وہ زبردستی اِس رِشتے کو نہیں چلانا چاہتا تھا۔ وہ اُس کو وقت دینا چاہتا تھا تاکہ وہ دِل سے اِس رِشتے کو نبھائے۔

امن نے یُونیورسٹی دوبارہ جوائن کر لی تھی۔ اپنی چُھٹیوں کی وجہ اُس نے اپنا ایکسیڈنٹ بتایا تھا۔ آج بھی وہ یُونیورسٹی گیا ہوا تھا جب کہ حاطب یُونیورسٹی سے واپسی پر حسینہ کو لے کر سیال ہاوس چلا آیا تھا۔ مُسفِرہ کو وہ اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ وہاں امن کے گھر میں ہی

تھی۔ لاونج میں کوئی نہیں تھا اور اِس وقت دو پہر کے دو بج رہے تھے۔ کچن سے کھانا بننے کی خُوشبو آرہی تھی۔ وہ حسینہ کو لے کر سب سے پہلے نسیمہ بیگم کے کمرے میں جانا چاہتا تھا مگر سیڑھیوں سے نیچے آتے عدن کو دیکھ کر رُک گیا جس کا مُنہ حیرت کی زیادتی سے کھلا ہوا تھا۔

"یہ حسین دوشیزہ کون ہے؟" عدن نے اُن کے پاس آکر اُن کے گرد ایک چکّر لگا کر اُن کے سامنے آکر رُکتے ہوئے پوچھا۔ شکل و صورت سے وہ اُسے پٹھانی ہی لگ رہی تھی۔

"تُمھاری بھابھی!" حاطب نے بِنا تمہید باندھے جواب دیا۔

"امن بھیا نے شادی کرلی؟" عدن کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"یہ میری بیوی ہے بے وقوف!" حاطب نے اُسے لتاڑا۔

""آپ نے شادی کرلی مگر کیوں؟ مجھے اِنوائٹ بھی نہیں کیا؟" عدن اُس کی بات سُن کر مزید شاکڈ ہوا۔

"اپنی نوٹنکی بعد میں دِکھانا۔ میں دادو سے مل کر آتا ہوں۔" حاطب نے اُسے لتاڑا اور حسینہ کا ہاتھ تھام کر نسیمہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھا۔

"آپ نے گھر سے بھاگ کر شادی کرلی اِس کے لیے ہم میں سے کوئی آپ کو معاف نہیں کرے گا۔ آپ کی اِس گھر میں اب کوئی جگہ نہیں۔ آپ نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔" عدن نے اُن کے پیچھے آتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا تو حسینہ پریشانی سے حاطب کو دیکھنے لگی۔ حاطب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس کو تسلّی دی اور نسیمہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوا جہاں سفینہ بیگم اور سعدیہ بیگم پہلے سے موجود تھیں۔

وہ بھی حاطب کے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

"یہ آپ کی بہو ہے دادو جان!" حاطب نے بِنا لگی لپٹی کہا تو وہ سب بھی حیران رہ گئے۔ حاطب نے کسی کے کچھ بھی پوچھنے سے پہلے بتا دیا کہ کیسے وہ مُسفِرہ کو چھوڑنے امن کے ساتھ اُس کے گھر گیا اور کیسے اُس کا حسینہ کے ساتھ نِکاح ہوا۔ اُس نے مُسفِرہ اور امن کے نِکاح کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کیوں کہ جو وہ کر چُکا تھا اُسے یقین تھا شام تک مُسفِرہ

نہ صِرف یہاں ہوگی بلکہ سب کو پتا بھی چل جائے گا کہ امن اور مُسفرِہ کا بھی نِکاح ہو چُکا ہے۔

وہ سب اب حسینہ کو پیار کرتی اپنائیت کا احساس دِلا رہی تھیں تا کہ وہ خُود کو کمفرٹیبل محسوس کرے۔

"اب وہ بچی کہاں ہے حاطبِ؟" نسیمہ بیگم نے پوچھا۔

"اُسے بھی ہم ساتھ ہی لے آئے تھے۔ ابھی وہ نہیں آسکتی تھی مگر شام تک آجائے گی۔" حاطبِ نے کہا تو وہ سب سر ہلا گئیں۔

حاطبِ کی شادی اُنہوں نے ایسی تو نہیں سوچی تھی مگر خُدا کو شاید یہی سب منظور تھا اور وہ خُدا کی رضا میں راضی تھیں۔

"کیا یار! آپ نے مجھے نِکاح کے چھوارے بھی نہیں کھلائے؟" عدن نے لطیف سا شِکوہ کیا۔

"وہ ہم نے بھی نہیں کھائے۔ اُس وقت ہم جو کھا رہے تھے وہ تُمھیں کھلا دیتے تو مہینہ بھر تُم نے بِستر سے نہیں ہِلنا تھا۔" حاطب نے شرارت سے کہا تو حسینہ شرمندہ سی ہو گئی کہ یہ حال اُن کا اُس کے باپ نے ہی تو کیا تھا۔

حسینہ سب کا رویہ دیکھ کر خُوش تھی اور بہت خُوش تھی. حمدان سے شادی نہ ہونے کا افسوس تبھی زائل ہو گیا تھا جب حمدان نے اُس پر یقین نہیں کیا تھا اور اُس سے شادی سے اِنکار کیا تھا۔ حاطب نے ہی اُسے سمجھایا تھا کہ مُسفرِہ شام کے وقت گھر میں آئے گی تب تک وہ اُس کے حوالے سے خاموش رہے تبھی وہ چُپ تھی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد حاطب عدن کے ساتھ کہیں باہر نِکل گیا تھا جب کہ حسینہ شام تک حاطب کے کمرے میں آرام کرتی رہی۔ پانچ بجے کے قریب وہ نیچے آئی تو نیچے شور سا برپا تھا۔ مُسفرِہ ایک طرف سہمی سی کھڑی تھی جب کہ سامنے ہی امن اور عبید سیال آمنے سامنے تھے۔ حاطب اور عدن بھی وہیں پر موجود تھے۔

اُنہوں نے سب کو بتا دیا تھا کہ امن نِکاح کر چُکا ہے۔ جہاں سب امن کے نِکاح کا سُن کر حاطب کو حیرت سے دیکھنے لگے تھے وہیں امن نے بھی غُصّے سے حاطب کو دیکھا۔ عبید سیال آج امن ہاوس گئے تھے۔ اُن کے پاس چابی تھی جِس سے وہ آسانی سے اندر چلے گئے تھے اور اُن کو وہاں بھیجنے والا حاطب ہی تھا ورنہ پہلے کبھی وہ وہاں نہیں گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ عبید سیال کو مُسفِرہ کے بارے میں پتا چلا تو وہ امن کو ایسا کچھ نہیں کرنے دیں گے جو کرنے کا وہ اِرادہ رکھتا تھا۔

حسینہ کو دیکھ کر عبید سیال چونکے تو نسیمہ بیگم نے اُنہیں سب کچھ بتا دیا جِس پر وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئے۔

"جو ہوا جیسے بھی ہوا اچھا تھا یا بُرا اب یہ دونوں بچیاں اِس گھر کی بہوئیں ہیں۔ اِن کو اِن کا حق ضرور ملے گا۔" عبید سیال نے حُکم دیا۔

"میں اِسے اپنی بیوی نہیں مانتا۔ مجھے نفرت ہے اِس سے۔" امن نے چیخ کر کہا تو لاونج میں سناٹا چھا گیا جب کہ مُسفِرہ کا سر جُھک سا گیا۔ حسینہ نے بھی غُصّے سے امن کو دیکھا۔

"امن! بھولو مت! تُم نے نِکاح کیا ہے مُسفِرہ سے۔" عبید سیال نے چیخ کر کہا۔

"زبردستی کا نِکاح تھا وہ! نہیں چاہیے مجھے زبردستی کی بیوی! نہیں مانتا میں اِس شادی کو!" امن نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"ایسا کیوں کر رہے ہو بیٹا! یہ رِشتہ اللہ نے جوڑا ہے۔ اِس سے اِنکار کر کے اللہ کی ناراضگی مت مول لو۔" سفینہ بیگم نے اُسے سمجھانا چاہا۔ ذِلّت کے احساس سے مُسفِرہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"مجھے اِس لڑکی سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر آپ نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں اِسے آپ سب کے سامنے طلاق دے دوں گا۔" امن نے درشت انداز میں کہا تو سب ہکّا بکّا رہ گئے۔

"تُم جذباتی ہو رہے ہو بیٹا! اچھے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ اگر تُمہیں وقت چاہیے تو بتاؤ؟" سعدیہ بیگم نے کہا تو امن نے ایک نظر سب کو دیکھا۔

"ہاں! مجھے وقت چاہیے۔" امن نے سنجیدہ سے انداز میں کہا۔

"کتنا وقت؟" عبید سیال نے اُسے بغور دیکھ کر پوچھا۔

"مجھے یو کے جانا ہے۔ میں وہاں جا کر اپنا ایم بی بی ایس کمپلیٹ کروں گا۔" امن نے فیصلہ کیا تو سب دنگ رہ گئے۔ وہ بہت زیادہ وقت مانگ رہا تھا۔

"اُس کے بعد تُم ہاؤس جاب یہاں آکر کرو گے اور پھِر مُسفِرہ کی تُمہارے ساتھ باقاعدہ رُخصتی ہو گی۔" عبید سیال نے اپنی شرط رکھی تو وہ چاروناچار سر ہلا گیا۔ وہ ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والا تھا۔

پانچ سالوں میں جب وہ اُس سے بالکل لاپرواہ ہو جائے گا تو وہ لڑکی خُود ہی اُس سے طلاق کی ڈیمانڈ کر دے گی اور یُوں اُس کا اِس لڑکی سے پیچھا چھوٹ جائے گا جِس کے بعد وہ اِطمینان سے یہاں واپس آسکے گا۔ وہ یہ سوچ کر دِل ہی دِل میں خُوش تھا۔

"ٹھیک ہے پھر ہم حاطب اور امن کا ریسیپشن کر لیتے ہیں۔ حاطب تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" عبید سیال نے حاطب سے پوچھا جب کہ امن نے پہلو بدلا۔

"نہیں تایا جان! مجھے کوئی اعتراض نہیں" حاطب نے کہا تو وہ سر ہلا گئے۔ حاطب نے سعدیہ بیگم کو دیکھا جو بے حد افسردہ تھیں۔

"آپ فکر مت کریں پھوپھو! اِن شاءاللہ منیحہ جلد مل جائے گی۔" حاطب نے اُن کو تسلّی دی تو وہ پھیکا سا مُسکرا دیں۔ اپنی وجہ سے وہ دوسروں کی خوشی ماند نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"سعدیہ! ہمیں بھی منیحہ کی بہت فکر ہے مگر تُم جانتی ہو کہ اگر ہم نے ریسیپشن نہ رکھا اور اِن دونوں کے نِکاح کی خبر کسی اور طریقے سے باہر نِکلی تو لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ سچ کیا ہے مگر لوگوں کے مُنہ ہم بند نہیں کر سکیں گے لیکن پھر بھی اگر تُم کہتی ہو تو ہم منیحہ کے مِلنے کے بعد اِن کا ولیمہ رکھ لیتے ہیں؟" عُبید سیال نے سعدیہ بیگم کو دیکھ کر نرمی سے کہا۔

"نہیں بھائی صاحب! اِس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری منیحہ جہاں ہو گی اِن شاءاللہ بالکل ٹھیک ہو گی اور مجھے اللہ پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ جلد منیحہ کو میرے پاس واپس بھیج دے گا۔ آپ لوگ مُطمئن ہو کر ریسیپشن کی ڈیٹ فائنل کر لیں۔" سعدیہ بیگم نے سنجید گی سے کہا تو وہ سر ہلا گئے۔

"آپ لوگ صِرف حاطب کا ریسیپشن رکھیں۔ جب میں واپس آوں گا تو میرا ریسیپشن تب رکھیے گا مُسفِرہ کی کون سی رُخصتی ہو رہی ہے۔" امن نے دوٹوک انداز میں کہا تو عُبید سیال نے گہرا سانس بھر کر اُسے دیکھا جو اُن کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے تُمہاری مرضی! اولاد جب جوان ہو جائے تو کہاں ماں باپ کی سُنتی ہے؟؟" عبید سیال نے امن کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا مگر اُس نے محض کندھے اُچکا دیئے۔

کوئی کیا سوچ رہا تھا اُسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عُبید سیال اُسے ایموشنل بلیک میل کر رہے ہیں تبھی اُس نے کوئی ردعمل نہیں دیا تھا۔

مُسفرِہ کو سعدیہ بیگم اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئی تھیں تاکہ اُس کا دِل بہل جائے ورنہ امن نے تو اُس کی عزّت نفس کو روندنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

باقی سب بیٹھے اب حسینہ اور حاطب کے ریسیپشن کی باتیں کرنے لگے تھے۔ حاطب نے ایک نظر حسینہ کو دیکھا جو کِھلی کِھلی سی ہر بات میں بڑھ چڑھ کر حِصّہ لے رہی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا کہ اُسے حسینہ سے محبّت ہونے لگی ہے۔ منیحہ کے ساتھ اُس کی صِرف پسندیدگی تھی مگر اب جو وہ حسینہ کے لیے محسوس کرنے لگا تھا وہ اُس نے کبھی منیحہ کے لیے محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ حسینہ سے حادثاتی طور پر مِلا تھا اور وہ ایک حادثہ اُسے حسینہ سے جوڑ گیا تھا۔ اُس ایک حادثے نے اُس کی زِندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ ایک حادثہ کیا ہوا تھا اُسے تو محبّت ہو گئی تھی۔ وہ محبّت جو اُسے کبھی منیحہ سے نہیں تھی۔ حاطب کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر مُسکرا کر وہ اور عدن اُٹھ کر باہر نِکل گئے تھے کہ خواتین کی باتوں میں وہ کیا حِصّہ لیتے جب کہ امن اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا۔

ریسیپشن کی تاریخ پورے ایک مہینے بعد کی رکھی گئی تھی۔ امن نے ابھی سے اپنی مائیگریشن کے لیے اپلائی کرنے کا سوچ لیا تھا تاکہ ایک مہینے کے اندر اندر وہ یہاں سے یُو کے شِفٹ ہو جائے۔

منیحہ سو کر اُٹھی تو باہِر کافی واویلا مچا ہوا تھا۔ پہلے پہل تو اُسے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں ہے مگر جب اُس کے دِماغ نے لاشعور سے شعور تک کا سفر طے کیا تو یاد آیا کہ اب اُس کی زِندگی بدل چُکی تھی اور یہ یاد آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھی۔ حمدان کمرے میں نہیں تھا۔ اُس نے وقت دیکھا تو دِن کے دس بج رہے تھے۔ سسرال میں پہلے ہی دِن وہ لیٹ اُٹھی تھی۔ نہ جانے سب اُس کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے اور یہ شور کیسا تھا؟

وہ یہی سب سوچتی ہوئی دوپٹہ اچھے سے خُود پر اوڑھ کر اور پاوں میں چپل جوتا پہن کر باہِر نِکل آئی۔ برآمدے سے ہو کر وہ صحن میں آئی تو سامنے کا منظر اُسے شدید حیرت مبتلا کر گیا تھا۔

سامنے ہی سب پھیل کر کھڑے تھے جب کہ صحن کے درمیان میں زمین پر شاہدہ خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جن کے گلے سے لگ کر ایک لڑکی زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ چُپ چاپ چلتی ہوئی آئی اور حمدان کے ایک طرف کھڑی ہو گئی جس کا چہرہ غُصّے و طیش سے بے حد سُرخ ہو اپڑا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ لڑکی کون ہے اور کیا ہوا ہے نہ ہی اِس وقت حمدان سے کچھ بھی پوچھ سکتی تھی تبھی اُس نے چُپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"وہ مجھے مارتا بھی ہے اماں! وہ مجھے بہت طعنے مارتا ہے کہ میں ایسے خاندان سے ہوں جہاں کی لڑکیاں بھاگ جاتی ہیں۔ میری ساس اور نندوں نے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ وہ لوگ مجھے بات بات پر طعنے مارتے ہیں، نوکرانی کی طرح مُجھ سے سارا دِن کام کراتے ہیں پھِر بھی کہتے ہیں کہ میں سارا دِن مفت کی روٹیاں توڑتی ہوں۔ میرا شوہر میرا کوئی خیال نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ اُس نے مجھے خرید لیا ہے ولور دے کر! اُس نے مجھے لاوارث سمجھ لیا ہے۔" وہ مرینہ تھی جو پشتو زبان میں بولتی ہوئی اپنی ماں کو اپنے غم سُنا رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہی تھی منیحہ کو رتی برابر سمجھ نہیں آئی تھی مگر وہ کافی کمزور لگ رہی تھی۔ اُس

کے سر پر پٹی بندھی تھی جب کہ چہرے پر کہیں کہیں نیل تھے اور ہاتھ بھی کہیں کہیں سے جلا ہوا تھا۔

اُس نے بغور دیکھا اُس کی بات سُن کر سب کے چیروں پر غُصّہ چھا گیا تھا۔

"ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ لوگ؟ ہم نے بھی ولور دیا ہے مگر کبھی اپنے گھر کی عورتوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا۔ ولور تو سکیورٹی کے لیے لیا جاتا ہے اِس لیے نہیں کہ لڑکی کو لاوارث سمجھ لیا جائے اور اُس کے ساتھ جیسا چاہیے ظالمانہ سلوک کیا جائے؟" ضمیر خان دھاڑ اُٹھے تھے۔ آغا جان اور نذیر خان سے اُن کی بول چال بِالکل بند تھی لیکن مرینہ اُن کی بیٹی جیسی تھی اُس سے مُنہ نہیں موڑ سکتے تھے۔

"وہ ہمیں ابھی جانتے نہیں ہیں۔ آج ہی بُلا کر نہ اُن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تو میرا نام شیر افگن خان نہیں۔ میری پوتی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی ہمّت بھی کیسے کی اُنہوں نے؟" شیر افگن خان نے بے حد گرج کر کہا۔

"کسی کے کیے کی سزا میری بیٹی کو مل رہی ہے۔ پہلے اُس مُسفِرہ کی وجہ سے حسینہ کی جان عذاب میں آئی اور اب مرینہ کو یہ سب جھیلنا پڑ رہا ہے بیڑہ غرق ہو اُس مُسفِرہ کا!" شاہدہ خاتون نے مُسفِرہ کو کوستے ہوئے اپنی بھڑاس نِکالی تو صائمہ خانم نے نفرت سے اُنہیں دیکھا۔ نذیر خان البتہ بِالکل چُپ تھے جیسے بات اُن کی اولاد کی ہو ہی نہ رہی ہو یا وہ بیٹیوں سے بِالکل ہی بے غرض ہو گئے تھے۔

"یہ سب میرا کیا دھرا ہے مورے! یہ سب میری اپنی وجہ سے ہو رہا ہے۔ مُسفِرہ کا اِس میں کوئی قصور نہیں۔" مرینہ نے بِلکتے ہوئے کہا تو سب نے چونک کر اُسے دیکھا۔ منیحہ البتہ چُپ تماشائی بنی کھڑی تھی کیوں کہ اُن کی زُبان وہ نہیں جانتی تھی۔

"کیا مطلب؟" نِگار نے اچھنبے سے پوچھا۔

یہ مکافاتِ عمل ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ میں نے مُسفِرہ کے ساتھ بُرا کیا تھا تو آج میرے ساتھ بھی بُرا ہو رہا ہے۔ میں نے مُسفِرہ کے لیے جو گھڑا کھودا تھا اُس میں خُود ہی

گر گئی ہوں۔" مرینہ نے کہا تو سب پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ نذیر خان بھی دنگ تھے کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے؟

"کیا کیا تھا تُم نے؟" نذیر خان کو اپنی آواز کھائی سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔

"میں نے مُسفِرہ کو بدنام کرنے کے لیے ایک لڑکے کو بُلوایا تھا تاکہ اُس کی شادی ٹوٹ جائے اور وہ بدنام ہو جائے لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ وہ اپنے ساتھ کسی آدمی کو لائے گا جو مُسفِرہ کو اغواہ کر کے لے جائے گا۔ حسینہ بھی بے قصور تھی وہ تو بس مُسفِرہ کو بچانے گئی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ میرے سسرال والے مجھے اِس بات کے طعنے ماریں گے کہ میری بہنیں بھاگ گئیں تو میں بھی بدکردار ہوں۔" مرینہ بُری طرح بِلکتی ساری سچّائی بتا گئی تو شاہدہ خاتون کی اُس پر گرفت ڈھیلی پڑی جب کہ باقی سب بھی جیسے ڈھے سے گئے۔

"تُم ناگن ہو مرینہ! تُم نے تو اپنی سگی بہن کو نہ بخشا مُسفِرہ تو پِھر تُمھاری چچازاد تھی۔ میں نے تُم سے شادی سے اِنکار کیا تھا میری بہن کا اِس میں کیا قصور تھا؟" حمدان نے نفرت سے کہا تو سب ایک بار پِھر چونکے۔ آج سب پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

"میری بیٹی نے تُمہارا کیا بِگاڑا تھا مرینہ!" صائمہ خانم نے بے بسی سے کہا مگر مرینہ روتی رہی۔

نذیر خان بے ساختہ ضمیر خان کے قدموں میں گر گئے۔

"مجھے معاف کر دو ضمیر! میں نے سب کچھ جانے بِنا مُسفِرہ کے ساتھ بہت غلط کیا۔" نذیر خان نے اُن کے پیر پکڑ کر معافی مانگی۔

"جِس دِن میری بیٹی صحیح سلامت مل گئی اُس دِن معاف کر دوں گا میں آپ کو لالہ!" بے حِسی سے کہہ کر وہ گھر سے باہِر نِکل گئے۔

سب لوگ بوجھل دِل اور بوجھل قدم لیے وہاں سے چلے گئے جب کہ شاہدہ خاتون مرینہ کو گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے گئیں اور پِھر تھوڑی دیر بعد ہی کمرے سے مرینہ کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

شاہدہ خاتون اُسے مارتے ہوئے بس ایک ہی بات کہہ رہی تھی کہ حسینہ کا کیا قصور تھا؟ تُم پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی؟

مرینہ چُپ چاپ بِنا مزاحمت مار کھاتی جا رہی تھی۔ منیحہ کی حیرت کو دیکھ کر حمدان نے اُسے سب کچھ بتا دیا تھا جِس پر وہ بھی بے حد حیران و پریشان ہو گئی تھی۔

یہاں آ کر اُسے عجیب و غریب چیزیں ہی دیکھنے کو مل رہی تھیں۔ اُسے مُسفِرہ اور حسینہ دونوں کے ساتھ ساتھ اُن دو لڑکوں کے لیے بھی افسوس ہونے لگا جِن کو نذیر خان نے بے حد پٹوایا تھا اور پھِر زبردستی اُن کا نِکاح مُسفِرہ اور حسینہ سے کر دیا تھا۔ یہ سب بھی اُسے حمدان نے بتایا تھا مگر اُن لڑکوں کے ناموں سے وہ ناواقف تھی۔

وقت جیسے پر لگا کر اُڑ گیا تھا۔ حسینہ اور حاطب کے ریسیپشن کی ساری تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ ایک مہینہ یُوں گزر تھا جیسے بس پلک ہی جھپکائی ہو۔ اِس ایک مہینے میں امن نے

مُسفِرہ کا مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا۔ وہ اُسے بُلانا تو دور کی بات دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ مُسفِرہ اُس کی لاتعلقی پر خُود بھی اُس سے لاتعلق ہو گئی تھی لیکن اُس کے دِل پر کیا بیتتی تھی یہ وہ اور اُس کا خُدا ہی جانتا تھا۔

گھر والے امن کی بے حِسی پر کڑھ کر رہ جاتے تھے مگر کچھ کر نہیں پا رہے تھے کہ وہ اتھرا گھوڑا تھا جو کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ باقی سب مُسفِرہ کی بے حد عزّت کرتے اور اُس سے بے حد پیار کرنے لگے تھے۔ عدن تو آتے جاتے مُسفِرہ آپی کی تعریفوں کے پُل باندھتا اور اُس سے نت نئی چیزیں پکوا کر کھاتا رہتا تھا تاکہ مُسفِرہ کا ذہن بٹا رہے حسینہ اور مُسفِرہ ایک ہی کمرے میں رہ رہی تھیں کیوں کہ سفینہ بیگم نے ریسیپشن تک حسینہ کو حاطب سے الگ رہنے کا فیصلہ سُنایا تھا جِس پر حاطب نے بہت واویلا مچایا تھا مگر اُس کی حالت سے حِظ اُٹھاتے سب نے ہی اُس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

آج حاطب اور حسینہ کا ریسیپشن تھا۔ حسینہ نے پیچ کلر کی گھیر دار پھولی پھولی میکسی پہنی ہوئی تھی اور حاطب نے سیاہ رنگ کا پینٹ کوٹ! برائیڈل میک اپ اور جیولری میں حسینہ پریوں کو بھی مات دے رہی تھی۔ حاطب اُسے پا کر خُوش تھا بے حد خُوش!

ریسیپشن کا اِنتظام میرج ہال میں کیا گیا تھا۔ حسینہ اور حاطب ایک ساتھ چاند سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔ مُسفرِہ نے لال رنگ کی میکسی پہنی تھی۔ نفاست سے کیے میک اپ، نازک سی جیولری اور سوگوار سے حُسن پر دھیمی سی مُسکراہٹ لیے وہ نظر لگ جانے کی حد تک خُوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ اکیلی ہی گھر میں رہ گئی تھی کیوں کہ باقی سب گاڑیوں میں بیٹھ کر میرج ہال میں جا چُکے تھے۔ اُس کے علاوہ گھر میں امن تھا۔ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ سب نے جان بوجھ کر اُسے اکیلا چھوڑا تھا تاکہ امن اُسے لا سکے اور اُسے امن کے ساتھ اکیلے کچھ وقت گزارنے کا موقع مِل سکے۔

کل امن یو کے جانے والا تھا پھر چار پانچ سال بعد ہی واپس آنے والا تھا۔ چھٹیوں میں آتا یا نہیں اِس بات کی کوئی گارنٹی نہیں تھی۔

عدن نے مُسفِرہ کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ امن کے کمرے میں جائے اور اُسے کہے کہ وہ اُسے ساتھ لے کر جائے کیوں کہ گھر میں اور کوئی نہیں جو اُسے ساتھ لے کر جا سکے۔ وہ تیار تھی تبھی جِھجھکتی ہوئی امن کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اُس نے دروازے پر دستک دی مگر جواب نہ آیا تو دروازہ کھول کر اندر داخِل ہو گئی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ کوریڈور سے آتی روشنی نے اندر تھوڑا سا اُجالا کیا تو وہ سوئچ بورڈ ڈھونڈنے لگی۔ تبھی باتھ روم کا دروازہ کُھلنے کی آواز آئی تو وہ پیچھے کو پلٹی مگر پلٹتے ہی کسیِ سے ٹکرائی۔ اِس سے پہلے کہ وہ گرتی کسیِ نے اُسے کمر سے تھام کر سہارا دیتے گرنے سے بچایا۔ اُسے اپنے چہرے پر گرم سانسیں سی پڑتی محسوس ہوئیں تو اُس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگی۔ اُس کے کلون کی مہک سے وہ صاف اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ امن سیال تھا اُس کا نکح!

اچانک کمرے کی لائٹ روشن ہو گئی تو مُسفِرہ نے آنکھوں میں روشنی پڑتے ہی تیزی سے آنکھیں میچیں جب کہ اُسے تھامے کھڑے شرٹ لیس امن نے سانس روک کر اُسے

دیکھا۔ نفاست سے کیا گیا میک اپ، گُلابی ہوتے گال، بالوں کا خُوب صورت سا ہیئر سٹائل، گالوں پر جھولتی دو لٹیں، مانگ میں لگا ٹیکا، اُس کے باریک لبوں پر سجی بلڈ ریڈ کلر کی لپسٹک اور میچی آنکھیں لیے وہ پوری کی پوری امن سیال کو اپنی طرف متوجّہ کر گئی تھی۔

امن نے بے خودی کے عالم میں اُس کے گالوں کو چھوتی لٹوں کو پیچھے ہٹایا تو اُس کی اُنگلیاں مُسفرہ کے گال سے مس ہوئیں۔ مُسفرِہ نے اِس نرم گرم سے لمس پر ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولی تو خُود پر جُھکے امن کو دیکھ کر ایک دم اُسے جھٹک کر پیچھے ہوئی جِس پر امن پر چھایا بے خُودی کا عالم ٹوٹا اور اُس نے ناگواری سے مُسفرِہ کو دیکھا۔

"میرے کمرے میں آنے کی ہمّت کیسے ہوئی تُمہاری؟" امن نے درشت انداز میں پوچھا تو مُسفرِہ نے اُسے شرٹ لیس دیکھ کر تیزی سے نظروں کا زاویہ بدلا۔

"وہ۔۔۔۔گھر میں کوئی نہیں ہے۔سب چلے گئے ہیں۔کیا تُم مجھے لے جاوگے میرج ہال میں ؟"مُسفِرہ نے اُس کے لہجے سے گھبرا کر جواب دیا مگر اب بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"تُمہارا نوکر لگا ہوں میں کہ جو تُم کہو گی وہی کروں گا میں ؟"امن کا انداز طنزیہ تھا۔

"معاف کرنا۔مجھے مورے نے کہا تھا کہ تُمہارے ساتھ آجاوں۔میں عدن سے کہتی ہوں کہ وہ مجھے لے جائے آکر!"وہ معذرت کرتی باہر جانے لگی۔

"بلاوجہ اُسے تنگ مت کرو۔لے جاوں گا میں تُمہیں!"امن نے احسان جتانے والے انداز میں کہا تو وہ سر ہلا کر شُکریہ کہتی باہِر جانے لگی۔

"اور آئندہ یُوں بن سنور کر مجھے رِجھانے کی کوشش مت کرنا۔اِتنا دِل پھینک نہیں ہوں کہ تُم پر دِل آجائے میرا!"امن نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ اذیّت سے مُسکراتی ہوئی اُس کی جانب مڑی۔

"بدکردار میں بھی نہیں ہوں جو ایسے مرد کو رِجھانے کی کوشش کروں جِس نے میری عزّتِ نفس کو روند کر رکھ دیا۔اِس خُوش فہمی سے باہر نِکل آو کہ یہ تیاری میں نے تُمھیں رِجھانے کے لیے کی ہے۔آج میری بہن کا ولیمہ ہے اور یہ خاص تیاری میں نے اُس کی خُوشی میں شریک ہونے کے لیے کی ہے۔میری عزّتِ نفس پر تُم جیسے سو مرد بھی قُربان!" سنجیدہ مگر تلخ لہجے میں بولتی وہ وہاں رُکی نہیں بلکہ کمرے سے باہر نِکل گئ جب کہ وہ غُصّے سے اب اپنی تیاری مکمل کرنے لگا تھا۔

وہ مُسفِرہ کو میرج ہال لے آیا تھا لیکن پورا راستہ اُن دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی یُوں جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔

وہ سفینہ بیگم اور سعدیہ بیگم کے ساتھ ساتھ تھی جو اُس کا تعارُف حسینہ کی دوست کی حیثیت سے کروارہی تھیں۔ فنکنشن رات گیارہ بجے تک چلا تھا۔حسینہ اور حاطب کا سپیشل قِسم کا فوٹو شوٹ ہوا تھا جِس سے حسینہ بے حد خُوش نظر آرہی تھی۔مُسفِرہ نے اُس

کو خُوش دیکھ کر اُس کی دائمی خُوشیوں کی دُعا کی تھی۔ عدن تو پورے میرج ہال میں گھومتا پِھر رہا تھا۔ وہ بے حد خُوش تھا کیوں کہ یہ اُس گھر کی پہلی شادی تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے وہ لوگ گھر پہنچے تھے۔ مُسفِرہ حسینہ کو حاطب کے کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ حاطب اور عدن سے اُس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی جو اُسے بہن کی طرح ہی ٹریٹ کر رہے تھے۔ سب کا رویہ اور سلوک اُس کے ساتھ اِتنا اچھا تھا کہ امن کے بارے میں اُسے کچھ بھی سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا نہ ہی وہ اُس کے بارے میں سوچ کر اپنا دِل بُرا کرنا چاہتی تھی۔ کل وہ جا رہا تھا اور پِھر چار سال بعد لوٹتا۔ ایک سال تو اُس کی پڑھائی کا یہاں ہی مکمل ہو چُکا تھا۔ چار سال بعد آ کر وہ اُسے اپناتا یا ٹُھکرا دیتا مُسفِرہ نہیں جانتی تھی۔

وہ کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہی اور پِھر اپنے کمرے میں چلی گئی تا کہ سو سکے کیوں کہ وہ بہت تھک گئی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو پورا کمرہ روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ بیڈ پر گُلاب کے پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی اور اِن پھولوں کی مہک میں حسینہ بھی بیڈ کے وسط میں براجمان ایک کھلا ہوا پھول ہی لگ رہی تھی۔ کمرے میں جگہ جگہ دیے جل رہے تھے جب کہ پورے کمرے میں گُلاب اور موتیے کے پھولوں کی مہک نے بسیرا کیا ہوا تھا جو حاطب کے اعصاب پر بے حد خُوشگوار اثر ڈال گئی تھی۔

اُس نے گہرا سانس بھر کر اِس مہک کو اندر کھینچا اور پھر اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے کوٹ اُتارتا ہوا حسینہ کے سامنے جا بیٹھا جو شرمائی لجائی سی بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ حاطب کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا اور پھر بے ساختہ سر نیچے کر کے ہنس دیا۔ وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔ حسینہ اُس سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی تبھی اُس نے خُود ہی اُسے حمدان سے شادی، پھر شادی میں ہونے والے ہنگامے اور پھر سب کی غلط فہمی کے بارے میں بتا دیا تھا جس پر حاطب نے اِس سب کو اُس کا ماضی کہہ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ حسینہ بھی مُطمئن ہو گئی تھی۔

"بہت خُوب صورت لگ رہی ہو۔" حاطب نے اُس کا مہندی سے سجا ہاتھ تھام کر اُس کی تعریف کی۔

"تُم بھی بہت خُوب صورت لگ راا ے!" حسینہ نے بھی جواباً اُس کی تعریف کی۔

"آپ کا بہت شُکریہ میڈم!" ہنس کر کہتے اُس نے سر کو خم کیا اور پھر جیب سے ایک ڈِبی نِکالی جِس میں ایک خُوب صورت سی انگوٹھی تھی جِس کے وسط میں چار ننھے ننھے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

"کیسی لگی؟" حاطب نے وہ انگوٹھی اُس کی اُنگلی میں پہنا کر پوچھا۔

"بُرا مت ماننا ہاں! مگر یہ پہلا تُحفہ ای تُم نے ام کو نقلی دیا اے۔ اِتنا غریب تو نئیں اے تُم کہ ایک سونے کا انگوٹھی نہ ام کو پہنا سکو؟ لے دے کے یہ نگوں والا انگوٹھی پہنا دیا!" حسینہ نے افسوس سے ہاتھ سامنے کر کے دیکھتے ہوئے کہا تو حاطب نے گہرا سانس بھر کر نفی میں سر ہلا کر اُسے دیکھا۔

اُن کے ہاں مہنگا تحُفہ شاید سونا ہی ہوتا تھا جب کہ حاطب نے سونے سے بھی مہنگا تحُفہ اُسے دیا تھا۔

"یہ نگ نہیں ہیرے ہیں محترمہ! سونے سے بھی مہنگے ہوتے ہیں۔ سونے کی انگوٹھی پسند ہے تو وہ بھی دِلا دوں گا مگر اِسے کبھی اُتار نا مت!" حاطب نے کہا تو اُس نے بے حد بے یقینی سے اُسے دیکھا۔

"یہ اصلی ہیرے ہیں؟" حسینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں! اب مُنہ بند کرو اور اِدھر آؤ۔" حاطب نے کہا تو وہ کچھ آگے کو ہوئی۔ حاطب نے نرمی سے اُسے تھام کر اُس کا ماتھا چوما اور پیچھے ہوا۔

"ہم ابھی بہت چھوٹے ہیں اِس رِشتے کو نِبھانے کے لیے! ہمیں اِتنی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی مُجھ سے کوئی غلطی ہو جائے یا کبھی تُم سے ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں سے ایک دوسرے کا دِل دُکھ جائے مگر یاد رکھنا۔ ہمارے مسائل، ہماری

ناراضگیاں صِرف ہمارے بیچ ہی رہنی چاہئیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لِباس ہوتے ہیں۔ اگر تُمھیں میری کوئی بات بُری لگے تو محفل میں ٹوکنے کی بجائے کمرے میں آ کر بات کرنا اور اگر مجھے تُمھاری کوئی بات بُری لگے گی تو میں بھی سب کے سمنے تُم سے باز پرس نہیں کرو گا بلکہ الگ ہو کر یا کمرے میں آ کر پوچھوں گا۔ تُم سمجھ رہی ہو نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں ؟" حاطب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو حسینہ کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب اُس کا باپ کسی کے بھی سامنے اُس کی ماں کو باتیں سُنا دیتا تھا ذلیل کر کے رکھ دیتا تھا۔

ہر مرد ایک جیسا نہیں ہوتا اُسے سمجھ آ گیا تھا۔ اُس نے بھی تو کِتنی دُعائیں کی تھیں کہ اُسے ایسا شوہر نہ ملے جو سب کے سامنے اُسے لعن طعن کرے، اُس میں نُقص نِکالے یا سب کے سامنے اُسے ذلیل کرے۔ اُس کی دُعا قبول ہو گئی تھی۔ اُس کا شوہر اُس کے باپ جیسا نہیں تھا۔ ہر باپ آئیڈیل نہی ہوتا۔ کچھ باپ ایسے بھی ہوتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں

مگر خُود کو صحیح اور حق بجانب سمجھتے ہیں جب کہ کچھ حق بجانب ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کے آئیڈیل باپ ہوتے ہیں اور آئیڈیل باپ بننا آسان کام نہیں ہوتا۔

"تُم بہت اچھا اے! ام تمُارا بات سمجھ گیا اے اور ام ایسا ای کرے گا مگر تم ہمیشہ ایسا ای رہنا کبھی بھی بدلنا نئیں۔" حسینہ نے اُس کے قریب ہو کر اُس کے کندھے سے لگ کر کہا تو وہ مُسکرایا۔

"میں تُمھیں کیسا لگتا ہوں؟" حاطب نے پوچھا۔

"تہ ماتہ دٹولی دنیانہ گران ی۔ ماتہ ستا سرہ بے حد او بے حسابہ محبت شوے دے (تُم مجھے ساری دُنیا سے زیادہ اچھے لگتے ہو۔ مجھے تُم سے بے حد، بے حساب محبّت ہو گئی ہے۔)"

حسینہ نے شرارتی انداز میں پشتو میں کہا تو حاطب نے اُسے اپنے سامنے کر کے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"میری زبان میں بات کرو یہ ایلین والی زبان مجھے سمجھ میں نہیں آتی۔" حاطب نے ماتھے پر بل ڈالے کہا۔

"تو تُم امارا زبان سیکھ لو تمارا ای فائدہ او گا۔" حسینہ نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"کیا کہا ہے سیدھی طرح بتاو ورنہ تُمہاری خیر نہیں۔" حاطب نے کہہ کر اُسے خُود میں قید کیا۔

"ام نئیں بتائے گا تُم خود بوجھو۔" حسینہ نے اُسے چِڑایا تو حاطب نے ابرو اُچکا کر اُسے دیکھا۔ اگلے ہی پل وہ حسینہ کو بُری طرح گُدگُدی کر رہا تھا اور پورا کمرہ حسینہ کی ہنسی سے گونج رہا تھا۔

"اب بھی بتاو گی کہ نہیں!" وہ اُسے گُدگُداتے ہوئے بولا۔

"ام بتاتا اے۔ بتاتا اے!" ہنسی سے حسینہ کا بُرا حال تھا کہ نہ صِرف سانس اٹک رہا تھا بلکہ آنکھوں سے پانی بہنے لگ گیا تھا۔

"بتاؤ پھر؟" حاطب نے اُسے چھوڑ کر کہا تو وہ تیزی سے میسکی سنبھالتی بیڈ سے اُتری۔

"ام نے کہا تھا کہ۔۔۔۔ام نئیں بتائے گا۔" وہ اُسے زبان چڑا کر کہتی باتھ روم میں گُھس گئی تو حاطب نے باتھ روم کے بند دروازے کو گھورا مگر پھر دلکشی سے ہنس دیا۔

اُس کی زندگی حسینہ کے ساتھ بے حد حسین ہونے والی تھی اِس بات کا اُسے یقین ہو چلا تھا۔ کبھی کبھی کچھ حادثے بے حد خُوشگوار ہوتے ہیں جو آپ کی پوری زِندگی کو خُوشیوں سے بھر دیتے ہیں۔ اُس کی زِندگی کا ایک حادثہ اُس کی نہ صِرف زِندگی کو بدل گیا تھا بلکہ وہ حادثہ اُسے محبّت بھی سونپ گیا تھا اور اب اُسے وہ حادثہ بُرا نہیں لگتا تھا۔

آج امن یُو کے جا رہا تھا۔ اُسے چھوڑنے سب جا چُکے تھے سِوائے مُسفِرہ اور سعدیہ بیگم کے! مُسفِرہ جانا نہیں چاہتی تھی جب کہ سعدیہ بیگم کی طبیعت خراب تھی اور مُسفِرہ اُنہی کا خیال رکھنے کا کہہ کر گھر رُک گئی تھی۔

اُن سب کے جانے کے بعد اُس نے سعدیہ بیگم کے لیے خُود پرہیزی کھانا بنایا اور پھر اُن کے کمرے میں آ گئی۔ ابھی وہ اُن سے باتیں کر رہی تھی جب اچانک ایک لڑکی اندر داخِل ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتی سعدیہ بیگم کی جانِب بڑھی۔ مُسفِرہ نے غور کیا کہ وہ ہلکا سا لنگڑا بھی رہی تھی۔ سعدیہ بیگم کی آنکھیں بند تھیں تبھی اُنہوں نے نوارد کو نہیں دیکھا تھا۔

"ماما!" اُس لڑکی نے بھیگی سی آواز میں کہا تو جہاں سعدیہ بیگم نے تیزی سے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا وہیں مُسفِرہ حیران رہ گئی۔ تو یہ تھی منیحہ؟ سعدیہ بیگم کی بیٹی اور امن کی سابقہ منگیتر جو امن سے شادی چھوڑ کر چلی گئی تھی؟ سعدیہ بیگم کی زُبانی اُنہوں نے منیحہ کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا اور اُسے لگتا تھا کہ امن اب بھی منیحہ کو بے حد چاہتا ہے تبھی اُسے قبول نہیں کر پایا۔

سعدیہ بیگم اب منیحہ کو جا بجا چومتی ہوئی رو رہی تھیں۔

"کہاں چلی گئی تھی مجھے چھوڑ کر؟ ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا تمہیں؟" سعدیہ بیگم اُس کو خُود میں بھینچے سوال کر رہی تھیں۔

"یہ سوال آپ کو امن سے کرنا چاہیے تھا ماما کہ اگر اُسے مُجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو میری عزّت کو کیوں خطرے میں ڈالا؟" منیحہ نے کہا تو مُسفِرہ اور سعدیہ بیگم نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ امن نے کیا کیا؟ شادی تُم خُود چھوڑ کر گئی تھی منیحہ؟ سی سی ٹی وی فوٹیج میں صاف نظر آرہا تھا کہ تُم خُود کسی گاڑی میں بیٹھ کر پارلر سے چلی گئی۔" سعدیہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرے لیے آپ کی خُوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا ماما! آپ کے لیے میں امن نامی کڑوا گھونٹ بھرنے کو بھی تیار ہو گئی تھی مگر امن تیار نہی تھا تبھی اُس سے مُجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے میری عزت ہی خطرے میں ڈال دی۔" منیحہ کی بات سُن کر وہ دونوں ہی دنگ رہ گئی تھیں جب کہ منیحہ مُسفِرہ کی موجودگی کو سِرے سے فراموش کر گئی تھی۔

"تُم مجھے کھل کر بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟" سعدیہ بیگم نے سنجیدگی سے اِستفسار کیا۔

"عدن مجھے پارلر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں ابھی پارلر میں داخِل ہوئی ہی تھی کہ امن کا فون آیا کہ میری اپائنٹمنٹ کسی اور پارلر کی ہے۔ عدن چلا گیا ہے مگر اُس نے گاڑی بھیج دی ہے تو میں اُس میں بیٹھ کر دوسرے پارلر جاؤں۔ امن جیسا بھی تھا میرا کزن تھا اور مجھے اُس پر بھروسہ بھی تھا تبھی میں اُس کی بات مان کر اُس گاڑی میں بیٹھ گئی مگر وہاں اُس گاڑی میں پہلے سے دو لوگ موجود تھے جِن میں سے ایک نے میرے مُنہ پر نجانے کیا رکھا کہ میں بے ہوش ہو گئی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں کسی پرانے سے گھر میں تھی۔ وہ لوگ مجھے بیچنے کی بات کر رہے تھے اور امن اِس سب میں شامل ہے اِس بات کا علم مجھے اُن کی گفتگو سُننے کے بعد ہوا جب اُن میں سے ایک نے کہا کہ امن نے اِسے اغواہ کرنے کا کہا تھا مگر کہہ دیں گے کہ وہ بھاگ گئی۔ اِسے بیچ کر ہمیں اچھی خاصی رقم مل جائے گی۔ امن نے مجھے دو اجنبی مردوں سے اغواہ کروایا یہ سوچے بِنا کہ میں ایک لڑکی ہوں جِس کی عزّت وہ خطرے میں ڈال رہا ہے۔ میں وہاں سے کسی طرح اُن کو دھوکہ دے کر بھاگی

مگر وہ مجھے یہاں سے بہت دور لے گئے تھے۔ وہاں میں نے فقیروں کی طرح فٹ پاتھ پر کچھ وقت گزارا اور کیسے ڈر ڈر کر گزارا میں اور میرا اللہ ہی جانتے ہیں۔ میرے پاس واپس آنے تک کا کرایہ نہیں تھا لیکن پھر وہاں مجھے ایک لڑکا مِلا جس نے نہ صرف مجھے پناہ دی بلکہ وعدہ بھی کیا کہ وہ مجھے واپس میرے گھر پہنچا دے گا مگر اُسے شہر میں کوئی کام تھا وہ کام ہونے کے بعد! میں کچھ دِن اُس کے گھر رہی مگر پھر اُس کے بابا نے مجھے دیکھ لیا اور میرا اُس سے نِکاح کروا دیا کہ میں واپس بھی آوں گی تو لوگ مُجھ پر سو تہمتیں لگائیں گے۔ کہیں گے کہ لڑکی اِتنے دِن کسی غیر مرد کے ساتھ رہ کر آئی ہے۔ وہ لڑکا اپنی مرضی سے مُجھ سے نِکاح کرنا چاہتا تھا تو میں بھی راضی ہو گئی کیوں کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ امن کی طرح میں کسی اور پر بوجھ بنوں یا کسی اور کو بوجھ لگوں۔ وہ لڑکا اور اُس کے گھر والے سبھی بہت اچھے ہیں ماما! میں نے یہ ایک مہینہ اُنہی کے گھر پر گزارا ہے اور میں وہاں بہت خُوش تھی۔ میں یہاں آپ کے لیے واپس آئی ہوں ماما کیوں کہ میں آپ کے بِنا کچھ نہیں ہوں اور آپ کے بغیر اپنی زِندگی شروع نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' منیحہ نے سب کچھ بتایا تو وہ

دونوں حیرت کا بُت بنی سب سُنتی رہیں اور سُن تو باقی سب نے بھی لیا تھا جو کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔

"امن کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں منیحہ بیٹا" عبید سیال کی آواز سُن کر اُس نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ باقی سب بھی بے حد شاکڈ تھے۔

"نہیں ماموں! اِس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ سے کوئی گلِہ نہیں۔ میرا مُجرم تو امن ہے۔" منیحہ نے اُن کے ہاتھ کھول کر آنکھوں سے لگا کر کہا۔

"اور وہ مُجرم سزا پانے سے پہلے ہی یُوکے بھاگ گیا ہے۔" حاطب کو اب منیحہ کی گُم شُدگی پر امن کی بے قراری اور بے چینی سمجھ میں آرہی تھی۔ یعنی وہ بے چینی منیحہ کی محبّت میں نہیں یقیناً پچھتاوے میں تھی۔ اُس نے صِرف شادی روکنے کے لیے اُسے اغواہ کروایا تھا مگر وہ اغواکار اُسے بھی دھوکہ دے گئے تھے۔

"یہ کون ہے؟" سب سے مِلنے کے بعد منیحہ نے حاطب کے پہلو میں کھڑی بے حد حسین سی حسینہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"یہ حسینہ ہے حاطب کی بیوی!" سفینہ بیگم نے بتایا تو اُس نے خُوشگوار حیرت سے حاطب کو دیکھا جِس پر وہ سادگی سے مُسکرایا۔

"میری ایک نند کا نام بھی حسینہ ہے۔" منیحہ نے خُوش دِلی سے بتایا۔ وہ حاطب کے لیے دِل سے خُوش تھی۔

"اور یہ مُسفرہ ہے امن کی بیوی!" سعدیہ بیگم نے مُسفِرہ کا تعارُف کروایا تو وہ اب کی بار بے حد حیرت سے اُس کی طرف متوجّہ ہوئی۔ اُس پر تو اُس نے غور ہی نہیں کیا تھا یعنی امن نے بھی شادی کرلی تھی۔

"اِتفاق ہی ہے میری دوسری نند کا نام بھی مُسفِرہ ہی ہے۔" وہ ہنس کر بولی تو باقی سب مُسکرادیئے کیوں کہ وہ بھی اِس کو ایک اِتفاق ہی سمجھ رہے تھے۔ منیحہ نے مُسفِرہ اور حسینہ

کو دیکھا نہیں تھا نہ حمدان نے اُسے اُن کی کوئی تصویر دِکھائی تھی۔ اُس نے اُن کے بس نام ہی سُنے ہوئے تھے۔

"تُم آئی کس کے ساتھ ہو منیحہ؟" نسیمہ بیگم نے منیحہ سے پوچھا۔

"اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔ اُنہیں یہاں کوئی کام بھی تھا تو وہ مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ شام کو آئیں گے اب!" منیحہ نے بتایا۔

"ویسے لالی! حاطب اور امن بھیا کی شادی بڑے فِلمی انداز میں ہوئی ہے آئیں آپ کو کہانی سُناؤں۔" عدن نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا۔

"بعد میں! ابھی مجھے ماما کے پاس رہنا ہے۔" منیحہ نے کہا تو عدن اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا جِس پر باقی سب ہنس دیئے۔

باقی سب باہِر چل دیئے تو منیحہ سعدیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی اور اُن سے باتیں کرنے لگی۔

شام کو وہ سب لوگ کھانا کھانے کی تیاری کر رہے تھے جب طلعت حمدان خان کو لیے اندر آئی۔ وہ کچھ جِھجھکتا ہوا اندر آ رہا تھا جب کہ طلعت کی تو باچھیں کُھلی ہوئی تھیں منیحہ کا اِتنا خُوب صورت اور ہینڈ سم شوہر دیکھ کر۔۔۔

"السلامُ علیکُم!" حمدان نے ادب سے سب کو سلام کیا تو سب باری باری اُس سے مِلنے لگے جب کہ حسینہ اور مُسفِرہ کچن میں تھیں۔

"آجاو کھانا لگ گیا ہو گا۔" سب حمدان کو لیے ڈائینگ روم میں آ گئے۔ وہ اِس گھر کا اِکلوتا داماد تھا تو سب اُسے اچھا خاصا پروٹوکول دے رہے تھے۔

حمدان اُن سے چھوٹی موٹی باتیں کر رہا تھا۔ عدن مسلسل اُس سے باتیں کر رہا تھا کیوں کہ اُسے حمدان کا لہجہ بے حد اٹریکٹ کر رہا تھا۔

"لالہ!" مُسفِرہ کی چیختی ہوئی آواز پر سب اُس کی طرف متوجّہ ہوئے جب کہ حمدان کو لگا اُس کے کانوں اور آنکھوں کو دھوکا ہوا ہو۔ جِسے وہ جگہ جگہ ڈھونڈ رہا تھا وہ اُس کے

سسرال میں تھی اگر اُسے پہلے پتا ہوتا تو وہ پہلے ہی منیحہ کو یہاں لے آتا۔ وہ تو نِکاح نامے پر موجود امن کے آئی ڈی کارڈ سے مُسفِرہ اور امن کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مُسفِرہ!" وہ تیزی سے اُس کی جانِب بڑھتا اُسے خود سے لگا گیا۔ اب وہ اور مُسفِرہ دونوں آبدیدہ ہوتے رو رہے تھے۔ سبھی حیرت کا شکار تھے کہ اُن کا داماد اُن کی بہوؤں کا بھائی نِکل آیا تھا۔ منیحہ نے یہ منظر دیکھ کر گہرا سانس بھرا یعنی کہ اُن کا اُس کی نندوں کا ہم نام ہونا محض اِتفاق نہیں تھا بلکہ وہ ہی اُس کی نندیں تھیں۔

"لالہ!" حسینہ بھی وہاں آگئی تھی اور حمدان کو دیکھ کر حیران تھی۔ وہ جِھجھکتی ہوئی آگے بڑھی تو حمدان نے معافی مانگتی نِگاہوں سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ حاطب البتہ نارمل تھا۔ اُسے پتا تھا کہ اُس کی بیوی اُس سے وفادار ہے۔ حمدان کا نام سُن کر اور مُسفِرہ اُس کی بہن ہے جان کر ہی اُسے پتا چل گیا تھا کہ وہی حسینہ کا سابقہ منگیتر تھا۔

تھوڑی دیر بعد مُسفِرہ اُن سب کو سب کچھ بتا رہی تھی کہ کیسے اُسے ایک آدمی نے اُس کے گھر سے اغواہ کر کے اِس شہر میں لا کر بیچا اور کیسے امن نے اُسے بچایا اور پھِر کیسے اُس کے تایا نے اُس کا اور امن کا زبردستی نِکاح کروایا۔

ساری بات سُن کر حمدان نے اُن سب کا بہت شُکریہ ادا کیا جنہوں نے مُسفِرہ اور حسینہ کو بیٹیوں جیسی عزّت دی تھی۔ وہ امن سے ملنا چاہتا تھا جس نے اُس کی بہن کی عزّت بچا کر اُسے اپنا نام دیا تھا لیکن امن یو کے چلا گیا ہے یہ جان کر وہ چُپ کر گیا تھا مگر مُسفِرہ کے لیے خُوش تھا کہ اُس کی بہن کو ایک اچھا ہمسفر مِلا تھا۔ منیحہ نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ امن کی وجہ سے اُس کے ساتھ وہ سب ہوا اور اب وہ اِس بات کو کبھی اُس کے سامنے نہیں دہرانے والی تھی اور جانتی تھی کہ اور کوئی بھی حمدان کو کبھی کچھ نہیں بتائے گا۔

امن وہ اِنسان تھا جو اُس سے بِلاوجہ نفرت کرتا تھا اُس کی نظر میں امن کی نفرت بے وجہ ہی تھی اور یہ نفرت شروع ہوئی تھی تب سے جب وہ یتیم ہو کر سیال ہاوس آ گئی تھی۔

منیحہ بے حد ذہین تھی پڑھائی کے علاوہ ہر معاملے میں! عبید سیال اور سفینہ بیگم اُس پر بے حد توجہ دیتے تھے تاکہ اُسے باپ کی کمی کا احساس نہ ہو۔

وہ اُس کے ساتھ وقت گزارتے، اُس کے ساتھ کھیلتے، اُسے خُود پڑھاتے جب کہ امن کو وہ اِتنا ٹائم نہیں دے پا رہے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ امن سے دور ہو رہے تھے اور گھر بھر کے لاڈلے بچے امن سے یہ سب برداشت نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے؟ وہ سب کے لاڈ دیکھنے کا عادی تھا۔ سب سے نخرے اُٹھوانے کا عادی تھا، اُس کی جگہ کوئی اور لے رہا تھا تو وہ کیسے برداشت کرتا بلکہ کوئی بھی بچّہ ایسا کچھ برداشت نہیں کرتا۔

امن منیحہ سے چِڑنے لگا تھا اور اِس بات کا احساس کسی کو نہیں تھا۔ کبھی وہ جان بوجھ کر منیحہ کی نوٹ بکس پھاڑ دیتا، کبھی اُس کی کتابیں خراب کر دیتا، کبھی اُس کے سکول کے لیے بنائے گئے پراجیکٹس تو کبھی اُس کے کمرے کا نقشہ بِگاڑ کر رکھ دیتا۔ منیحہ روز عبید سیال سے شکایتیں کرتی اور امن سیال کو روز ڈانٹ پڑتی۔ منیحہ کے لیے امن کی یہ چِڑ بھیانک

نفرت کا رُخ اختیار کر گئی تھی۔ سب نے باری باری امن کو سمجھایا تھا کہ وہ اُس کی کزن ہے تو وہ اُس سے خُود کو کمپیر نہ کرے مگر وہ یہ سب نہیں سمجھتا تھا۔

زیادہ معاملہ تب خراب ہوا جب اِنٹر میڈیٹ کا رِزلٹ آیا۔ امن کے نمبرز منیحہ سے کم تھے۔ وہ میڈیکل میں اپنی پسندیدہ یُونیورسٹی جانا چاہتا تھا مگر اُس کے نمبر اُس یونیورسٹی کے میرٹ سے کم تھے مگر اُس نے ضد پکڑنا شروع کر دی کہ وہ اُسی یُونیورسٹی میں جائے گا اور یہ ضد وہ منیحہ کی وجہ سے کر رہا تھا کیوں کہ منیحہ کا اُسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا تھا اور یہ چیز امن سے برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ منیحہ اُس سے آگے نِکلی تو نِکلی کیسے؟ اُس کی ضد پر عبید سیال نے پہلی بار اُس پر ہاتھ اُٹھا دیا کیوں کہ وہ کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھا لیکن عبید سیال کی یہ حرکت منیحہ کو مہنگی پڑ گئی تھی۔ غُصّے میں آ کر امن نے منیحہ کو دودری منزک سے نیچے دھکا دے دیا تھا۔

اُسے جلد ہی ہسپتال لے جایا گیا جِس کے باعث اُس کی جان بچ گئی۔ منیحہ کو بے حد چوٹیں آئی تھیں جو وقت کے ساتھ ٹھیک ہو گئیں مگر اِس حادثے کے بعد وہ کبھی پہلے کی

طرح نہیں چل پائی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اُس کی ٹانگ کی ہڈی میں کوئی نُقص آیا ہے جِس کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ پر زیادہ بوجھ نہیں ڈال سکے گی اور نہ کبھی پہلے کی طرح چل پائے گی۔

یہ سب امن کی وجہ سے ہوا تھا جِسے منیحہ کے نُقصان کا اندازہ تک نہیں تھا بلکہ اُس کی منیحہ سے نفرت ہنوز تھی اور یہ چِڑ اور نفرت منیحہ کے غائب ہونے کے بعد ختم ہوئی تھی اور اُس کی جگہ پچھتاووں نے لے لی تھی۔ اُس نے اُس کا صِرف اغواہ کروایا تھا وہ بھی شادی روکنے کے لیے۔ اُسے نہیں پتا تھا کہ وہ غُنڈے اُسے دھوکہ دیں گے۔

امن نے فون پر ہی منیحہ سے معافی مانگی تھی جِس پر منیحہ نے اُسے معاف کرنے کی ایک ہی شرط رکھی تھی کہ وہ مُسفِرہ کو اپنا لے جِس پر وہ خاموش ہو گیا تھا اور اُن کے بیچ پِھر کبھی اِس ٹاپک پر بات نہیں ہوئی تھی۔

پانچ سال بعد:

اِن پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ منیحہ نے اپنی پڑھائی جاری رکھی تھی اور اُس کے لیے ہی حمدان اپنے والدین اور بہن عبیرہ کے ساتھ منیحہ کے شہر میں ہی شِفٹ ہو چُکا تھا۔ اُس نے شہر میں ہی کام سیٹ کر لیا تھا۔ اُس نے یا اُس کے گھر والوں نے منیحہ کی پڑھائی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ اُس کا ساتھ دیا تھا۔ ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد آج کل وہ شہر کے ہی ایک نامور ہسپتال میں جاب کر رہی تھی۔ منیحہ اور حمدان کے دو بچے تھے تین سالہ علی اور ایک سالہ آئینور! حمدان اور منیحہ کی فیملی مکمل ہو چکی تھی اور وہ ایک ساتھ بہت خُوش تھے۔

روزینہ اُن کے ساتھ ہی رہتی تھی اور اُسے ضمیر خان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ نذیر خان کا تھا۔ اُن کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ روزینہ بھی پڑھے۔ روزینہ بھی میڈیکل کی طالب علم تھی جب کہ تیرہ سالہ عبیرہ بھی سکول میں پڑھ رہی تھی۔ عدن اکثر اُن کے گھر آتا جاتا رہتا تھا اور صِرف عدن ہی نہیں باقی سب بھی مگر عدن روزینہ کو پسند کرتا تھا یہ بات صِرف مُسفِرہ اور منیحہ جانتی تھیں۔

حسینہ اور حاطب بھی اپنی زِندگی میں بے حد خُوش تھے۔ حسینہ اور حاطب کے بھی دو بیٹے تھے۔ چار سالہ زارون اور دو سالہ زاویار! حسینہ نے حاطب کے کہنے کے باوجود پڑھائی جاری نہیں کی تھی بلکہ اپنا سارا وقت گھر، شوہر اور بچوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حاطب کے ساتھ اُس کی زِندگی بے حد پُر سکون انداز میں گزر رہی تھی۔

وہ اکثر اپنے مائیکے جایا کرتی تھی جہاں اُسے پہلے سے بڑھ کر پیار اور عزّت مِلا کرتی تھی جِس پر وہ اللہ کی بے حد شُکر گزار تھی۔ ہاں مگر مرینہ کے لیے اُسے افسوس ہوتا تھا کیوں کہ اُس کے سسرال والے اب بھی نہیں سُدھرے تھے۔ آغا جان اور نذیر کئی دفعہ ہر طریقے سے اُن سے بات کر چُکے تھے مگر کچھ دِن سکون رہتا اور پھِر مرینہ روتی دھوتی مائیکے آ کر بیٹھ جاتی۔

پہلے پہل وہ مار کھا لیا کرتی، باتیں سُن لیتی مگر آہستہ آہستہ اُس نے بھی زبان درازی شروع کر دی تھی جِس پر اُس کے شوہر کو مزید غُصّہ آتا اور وہ اپنا سارا غُصّہ اُس پر اُتار دیتا۔

مرینہ کے تین بچّے تھے۔اُن کی وجہ سے وہ اپنے شوہر سے علیحدہ بھی نہیں ہونا چاہتی تھی اور سمجھوتہ کرنے پر مجبور تھی۔

سب اپنی اپنی زِندگیوں میں آگے بڑھ گئے تھے مگر مُسفِرہ کی زِندگی وہیں ٹھہری ہوئی تھی۔پانچ سال پہلے حمدان نے اُسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہا تھا مگر سفینہ بیگم اور عُبید سیال نے صاف منع کر دیا کہ وہ اُن کی بہو اور اُن کے گھر کی عزّت ہے۔اب یہی اُس کا گھر ہے۔وہ اپنے مائیکے جائے سو بار یا ہزار بار مگر صِرف مہمان بن کر،اُس کا اصل گھر سیال ہاوس ہے۔مُسفِرہ نے اُن کا مان رکھتے حمدان کے ساتھ واپس جانے سے منع کر دیا تھا مگر وہ اپنے مائیکے جاتی رہتی تھی۔

اِن پانچ سالوں میں اُس کا امن سے کبھی رابطہ نہیں ہوا تھا نہ اُس نے خُود کبھی امن سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔وہ گھر پر فون کرتا،سب سے بات کرتا،اپنی تصویریں بھیجتا مگر کبھی مُسفِرہ سے بات نہ کی نہ ہی کبھی اُس سے بات کرانے کو کہا۔کبھی کبھی سفینہ

بیگم یا کوئی اور اُسے بُلا کر فون تھما دیتا مگر اُس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فون کٹ جاتا جِس پر وہ چُپ چاپ کریڈل رکھ دیتی۔

اُسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اِس رِشتے کا انجام کیا ہو گا۔ اُس نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے سفینہ بیگم کے کہنے پر فیشن ڈیزائننگ کی ڈِگری لی تھی اور پڑھائی مکمل ہونے کے بعد عُبید سیال نے اُسے اُس کا ذاتی بوتیک بنا دیا تھا۔ وہ کپڑے خُود ڈیزائن کرتی مگر کپڑے سلائی کرنے کے لیے اُس نے آگے باقاعدہ کاریگر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اب زیادہ تر اپنے کام میں ہی مصروف رہتی تھی جِس پر وہ شُکر بھی کرتی تھی ورنہ سوچ سوچ کر اُس کا کئی بار نروس بریک ڈاون ہو گیا ہوتا۔

آج بھی وہ بوتیک سے واپس آکر کچھ دیر زارون اور زاویار سے کھیلتی رہی اور پھِر رات کا کچھ وقت نسیمہ بیگم کے پاس گزار کر اور کھانا کھا کر سونے کے لیے کمرے میں چلی گئی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اچانک اُس کی آنکھ کُھلی۔ اُسے کسی کے قدموں کی

چاپ سُنائی دی تھی۔ پہلے پہل اُس کا دِل گھبرایا مگر پِھر ہمّت کرتی وہ اُٹھی اور کمرے سے باہِر نِکلی۔ اُس کا کمرہ اوپر والے پورشن میں تھا۔ وہ کمرے سے باہِر آکر کوریڈور میں چلنے لگی جب اُسے پِلرس کے قریب ایک سایہ سا نظر آیا۔

وہ سایہ کسی مرد کا تھا جسے دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیوں کہ سایہ سامنے بن رہا تھا تو یقیناوہ شخص اُس کے پیچھے ہو گا۔ اِس بات کا احساس ہوتے ہی اُس کا مُنہ ایک زوردار چیخ مارنے کے لیے کھلا لیکن وہ شخص اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ چُکا تھا اِتنی سختی سے کہ اُس کو اپنا دم گُھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اُس نے اپنے آپ کو چُھڑوانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ جب کچھ نہ سوجھا تو اُس نے رکھ کر ایک زوردار کُہنی اُس شخص کے پیٹ میں ماری جِس پر اُس کی گرِفت مُسفِرہ کے مُنہ پر ڈھیلی ہوئی۔

اُس نے تیزی سے خُود کو چُھڑوایا اور سامنے والے کمرے میں بھاگی جو اُس کے نامدار شوہر امن سیال کا تھا۔ وہ شخص بھی اُس کے پیچھے بھاگا تھا اور اِس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتی اُس شخص نے دروازے کے بیچ اپنا پاؤں پھنسایا کہ وہ اب بے حد زور لگانے کے باوجود

دروازہ بند نہیں کر پا رہی تھی۔ ہلکے بھورے رنگ کا سوٹ پہنے، لمبے بِکھرے بال اور پھولی پھولی سانسیں لیے وہ گھبرائی ہوئی بھی کافی خُوب صورت لگ رہی تھی۔

اُس شخص نے ہاتھ کا اِستعمال کرتے دروازے کو جھٹکا تو وہ چیختی ہوئی پیچھے جا گری۔ وہ شخص اندر داخِل ہوا جِس نے سیاہ رنگ کی پینٹ کے اوپر سیاہ ہوڈی پہنی ہوئی تھی۔ چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا جِس کی وجہ سے وہ اُس کی شکل دیکھنے سے قاصِر تھی۔ وہ اب کمرے میں داخِل ہو کر کمرہ لاک کر چُکا تھا۔ مُسفِرہ مزید خوف زدہ ہوتی نفی میں سر ہلاتی تیزی سے اُٹھی اور اُس کے وریب سے ہو کر باہِر بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ ایک بار پِھر اُس شخص کی گرِفت میں آ چُکی تھی۔

"چھوڑو مجھے ذلیل اِنسان!" اُس نے اُس شخص کے مُنہ سے ماسک نوچتے ہوئے کہا تو اُس نے مُسفِرہ کو بیڈ پر دھکا دیا جِس پر وہ اوندھے مُنہ بیڈ پر جا گری۔ ایک سیکنڈ کے اندر وہ سیدھی ہو چُکی تھی مگر سیدھے ہوتے ہی اُسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ سامنے کوئی اور نہیں امن سیال کھڑا تھا جِس کا ماسک ایک طرف سے ٹوٹ کر لٹک رہا تھا۔

وہ مُطمئن انداز میں ماسک اُتار کر چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور مُسفرِہ کے بیڈ سے اُترنے سے پہلے ہی بیڈ پر ایک گھٹنا رکھ کر اُس پر جُھکا۔

"کیسی ہو مسزِ؟" امن نے ایک گہری نِگاہ اُس کے وجود پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میں جیسی بھی ہوں تُم سے مطلب؟" وہ تلخ انداز میں کہتی ہوئی اُٹھنے لگی جب امن نے اُس کے کندھوں پر زور ڈالتے اُسے واپس لیٹے پر مجبور کیا۔

"تُمھارے سارے مطلب مُجھ سے ہی ہیں۔ بھول گئیں کہ بیوی ہو تُم میری؟" امن نے جیسے اُس یاد دِلانا چاہا۔

"شاید تُم بھول گئے ہو۔ تُم میرے زبردستی کے شوہر اور میں تُمھاری زبردستی کی بیوی!" مُسفرِہ نے طنزیہ انداز میں کہا تو امن نے پہلو بدلا۔

"جیسے بھی ہوں۔ ہیں تو میاں بیوی نا؟" امن نے گویا ناک سے مکھی اُڑائی ورنہ اُس کا طنز امن کو بہت چُبھا تھا۔

"چلیں پِھر زیادہ دیر نہیں رہیں گے۔"مُسفِرہ نے بھی ناک سے مکھّی اُڑائی۔

امن نے غور کیا کہ وہ پہلے سے بے حد خُوب صورت ہونے کے ساتھ بے حد نڈر اور پُر اعتماد بھی ہو گئی تھی اور اُس کی یہ تبدیلی ڈاکٹر امن سیال کو اچھی لگی تھی۔

"اور ایسا کس نے کہا؟"امن سوالیہ ہوا۔

"مُسفِرہ خان نے!"وہ بے نیازی سے بولی۔آج اُس کی قُربت پر وہ گبھرا نہیں رہی تھی۔

"مُسفِرہ امن سیال!تُم میری بیوی ہو اور میری ہی رہو گی۔چاہے زبردستی کی ہی سہی مگر ہو تو بیوی ہی!امن سیال اپنی چیزیں کبھی نہیں چھوڑتا تو تُم تو پِھر جیتی جاگتی اِنسان ہو۔"

امن نے اُس کے چہرے پر پھونک مار کر کہا تو اُس نے غُصّے سے چہرہ دائیں طرف موڑ لیا۔

"ویسے پہلے سے بہت خُوب صورت ہو گئی ہو۔کیا میری یاد میں؟"امن نے شرارتی انداز میں پوچھا۔

"ہاں! ہر وقت یہ سوچتی رہتی تھی کہ کب تُم آو گے اور کب مجھے طلاق دو گے۔"مُسفِرہ نے دوبدو کہا۔

"شٹ اپ مُسفِرہ!"امن دھاڑا تو وہ خوف سے اُچھل پڑی۔

"آئندہ یہ بکواس کرتے ہوئے سو بار سوچنا ورنہ امن سیال سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔" امن نے درشتگی سے کہا۔ مُسفِرہ نے تیزی سے اپنے خوف پر قابو پایا۔

"میری نظر میں امن سیال سے بُرا کوئی ہے بھی نہیں۔"مُسفِرہ نے کہا تو امن نے گہرا سانس بھر کر اُسے دیکھا جو پہلے سے بہت تیز ہو گئی تھی۔

"زبان چلانے والی عورتیں شوہروں کو سخت ناپسند ہوتی ہیں محترمہ!"امن نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مجھے اپنے نام نہاد شوہر سے اچھی عورت ہونے کا سرٹیفیکیٹ چاہیے بھی نہیں ہے محترم! اور کیا شوہر شوہر لگا رکھی ہے؟ شوہر کو زبان چلانے والی بیوی ناپسند ہے، شوہر کو

اپنے حق کے لیے بولنے والی بیوی ناپسند ہے۔ شوہر کو صحیح اور غلط میں فرق کرنے والی بیوی ناپسند ہے تو شوہر کو پسند کیا ہے؟ دب کر رہنے والی، اپنی عزّت نفس کو شوہر کے قدموں تلے روندنے والی، شوہر کی ہر غلط بات اور شوہر کی دی ہر ذِلّت کو قبول کرنے والی بیوی؟ معاف کیجیے گا محترم مگر میں اُن بیویوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی سیلف ریسپیکٹ پر کمپر ومائز کر لیتی ہیں۔" مُسفِرہ ناک پھولا کر بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی اور امن کی بولتی چُپ کروا گئی۔

"ہر بار عورت ہی کیوں اپنی انا کو مرد کے آگے جُھکائے؟ ہر بار عورت ہی کیوں کمپر ومائز کرے؟ عورت ہی کیوں مرد کا ہر بُرا رویہ برداشت کرے؟ عورت ہی کیوں مرد کے بدل جانے کا اِنتظار کرے؟ عورت بے وقوف ہے اِس لیے؟" مُسفِرہ سراپا سوال تھی اور وہ لاجواب!

وہ صحیح ہی تو کہہ رہی تھی ہمارے معاشرے میں

یہی سب تو عام ہے کہ مرد چاہے جتنی مرضی محبّت کا دعوے دار ہو وہ عورت کا اپنے سامنے بولنا برداشت نہیں کرتا چاہے عورت صحیح ہو اور مرد غلط! وہ اپنی انا کو عورت کے آگے جھکانا نہیں چاہتا تبھی دھڑلے سے اپنے غلط عمل کو بھی صحیح ثابت کرنے کے لیے ہزاروں دلیلیں دے دیتا ہے۔ ہر بار عورت ہی تو سمجھوتہ کرتی ہے اور جو سمجھوتہ نہیں کرتی اور اپنے حق کے لیے ڈٹ جاتی ہے اُسے بدکردار، مُنہ پھٹ اور بدلحاظ کہا جاتا ہے۔

"تُم ہو کیا امن سیال؟ اپنے الفاظ بھول گئے جب تُم نے کہا تھا کہ میں نے تُمہیں رِجھانے کے لیے خود کو سنوارا؟ بھول گئے کہ سب کے سامنے تُم مجھے زبردستی کی بیوی کہتے تھے اور سب کے سامنے مجھے طلاق دینے کی بات کی تھی تُم نے؟ بھول گئے اپنی بات کہ اِتنے دِل پھینک نہیں ہو جو تُمہارا مُجھ پر دِل آجائے؟ اِس سب کو میں کیا سمجھوں کہ تُم دِل پھینک ہو؟ اب کیا ہو گیا امن سیال؟ میں اب بھی وہی مُسفِرہ خان ہوں جِس سے تُمہارا زبردستی نِکاح ہوا تھا۔ تُم بھول گئے ہو گے مگر میں اپنی ذِلّت نہیں بھولی اور نہ کبھی بھول

سکتی ہوں۔" مُسفرِہ نے تلخ لہجے میں اُسے سب یاد دِلانے کی کوشش کی تو امن گہرا سانس بھر کر پیچھے ہٹا۔

"میں کوئی روبوٹ یا کِھلونا نہیں ہوں امن سیال! میں جیتی جاگتی اِنسان ہوں اور ہر اِنسان کی طرح میرے بھی کوئی جذبات ہیں۔ میں آپ کی منشا کے مطابق جیوں ایسا ہرگز نہیں ہونے والا کہ جب آپ کہیں میں آپ کی زِندگی سے نِکل جاوں اور جب آپ کہیں میں آپ کی زِندگی میں داخِل ہو جاوں۔ نِکاح کے بندھن میں بندھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سامنے والا آپ کا غُلام بن گیا ہے۔" مُسفرِہ نے ایک بار پِھر سرد انداز میں کہا۔

امن کے پاس اُس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اُس نے ایک نِگاہ مُسفرِہ پر ڈالی اور پِھر کوئی بات کیے بِنا باتھ روم میں گُھس گیا جب کہ مُسفرِہ کے کب سے رُکے ہوئے آنسو گالوں پر پھسلنے لگے جِنہیں اُس نے بے دردی سے صاف کیا اور پِھر امن کے کمرے سے باہِر نِکل گئی۔ اِن پانچ سالوں میں اُس نے امن کی لا پرواہی اور بے نیازی پر جِتنی اذیّت برداشت کی تھی یہ وہ ہی جانتی تھی۔

رِشتہ چاہے زبردستی کا ہی تھا یا حادثاتی طور پر بنا تھا لیکن تھا تو وہ اُس کا شوہر ہی اور ہر لڑکی کی طرح اُس کے بھی کچھ خواب تھے، کچھ خُواہشیں تھیں کہ وہ بھی اپنے شوہر کے سنگ ایک حسین زِندگی جیے جیسے حسینہ جی رہی تھی یا جیسے منیحہ جی رہی تھی۔اِن گزرے چند سالوں میں اُس نے امن کو جتنا سوچا تھا شاید ہی کسی کو سوچا ہو اور اُسے حق بھی تھا امن کو سوچنے کا۔ وہ اُس کے بارے میں سوچنے سے خُود کو روک نہیں پاتی تھی کیوں کہ اُسے اپنے شوہر سے محبّت ہو گئی تھی لیکن وہ اُس کی طرف پیش قدمی کر کے خُود کو مزید بے مول نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی محبّت کی توہین نہیں چاہتی تھی نہ ہی پکے ہوئے پھل کی طرح امن کی جھولی میں گرنا چاہتی تھی۔

وہ اپنی قدر چاہتی تھی اور یہ تبھی ممکن تھا جب امن خُود اُس کی طرف قدم بڑھاتا۔ وہ کبھی پہل نہیں کرنے والی تھی کیوں کہ اُس نے سوچ لیا تھا کہ اگر امن سیال واپس آکر اُسے طلاق دینے کا فیصلہ بھی کرے گا تو وہ قبول کر لے گی مگر خُود کو بے مول کر کے اُس کے آگے گڑگڑائے گی نہیں۔

اُسے امن پر غُصّہ تھا اور پچھلے چند مہینوں سے یہ غُصّہ کسک بننے لگی تھی۔ امن کو دیکھ کر اُسے خُوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک کسک سی دِل میں اُٹھی تھی کہ اُس نے اُن کی زِندگی کے پانچ سال برباد کر دیئے تھے۔ امن کے انداز سے اُسے اِتنا تو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اِس رِشتے کو نِبھانا چاہتا تھا مگر وہ اِتنی جلدی اُسے معاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

امن سیال پورے پانچ سال واپس لوٹا تھا۔ اُس نے وہیں اپنی ہاؤس جاب بھی مکمل کر لی تھی اب یہاں اُسے ایک ٹیسٹ کلیئر کرنا تھا جِس کے بعد اُس کی یُوکے کی ڈِگری ویلڈ ہو جاتی۔ اِن پانچ سالوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں تھا جب اُس نے مُسفِرہ امن سیال کو نہ سوچا ہو۔ پہلے دو سال اُس نے مکمل فوکس اپنی پڑھائی پر رکھا تھا کہ اُس کے پاس کسی کے بارے میں بھی سوچنے کا وقت نہیں ہوتا تھا لیکن پِھر وہ مُسفِرہ کے بارے میں سوچنے لگا تھا اور وجہ تھی منیحہ حمدان خان!

اُس نے منیحہ سے اپنے کیے کی معافی مانگ لی تھی مگر وہ اِسی شرط پر اُسے معاف کرنے کو راضی تھی جب وہ مُسفِرہ کو اپنا لیتا۔

وہ اپنے اِس فیصلے پر قائم تھا کہ وہ پاکستان واپس آکر مُسفِرہ کو طلاق دے دے گا مگر منیحہ حمدان خان نے اُس کے اِس فیصلے کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ اُسے مُسفِرہ کی تصویریں اور ویڈیوز سینڈ کرتی تھی روز بِلا ناغہ ! کبھی گھر میں کھانا بناتے ہوئے، کبھی دادی کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے ہوئے، کبھی لان میں پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتے اور نئے پودے لگاتے ہوئے، کبھی سب کے ساتھ لڈو کھیلتے ہوئے، کبھی ہنستے ہوئے غرض وہ اُسے ہر طرح کی تصویریں اور ویڈیوز سینڈ کرتی تھی۔

وہ گزرتے وقت کے ساتھ خُوب صورت ہو رہی تھی۔ پہلے پہل وہ اُس سے ہوئی پہلی مُلاقات کو سوچتا پِھر اُس کے بعد جو کچھ ہوا اُس کے بارے میں بے اِختیار سوچتا چلا جاتا پِھر سر جھٹک دیتا مگر وہ خُود کو اُس کے بارے میں سوچنے سے روک نہیں پاتا تھا۔ اُس کا فون مُسفِرہ کی تصویروں اور ویڈیوز سے بھرا پڑا تھا اور اُس کا دِل مُسفِرہ کی محبّت سے ! وہ جِس

لڑکی کو اپنانے سے اِنکاری تھا آج اُسی کی محبّت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اُسے پتا تھا کہ پانچ سال پہلے اُس نے مُسفرِہ کو ذلیل کیا تھا مگر اب وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا اور اُس کو منا کر اُسے اپنی زِندگی میں مکمل طریقے سے شامل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے پہل وہ اِس جذبے کو جھٹلاتا تھا اور اُسے لگتا تھا کہ بس وقتی کشش ہے جو اُس کا حُسن دیکھ کر اُسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے اِسی لیے اُس نے مُسفرِہ کو پانچ سالوں میں مکمل نظرانداز کیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اُس کے لیے آگے بھی یہی جذبات رکھتا ہے یا نہیں اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ اُسے سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ واقعی اپنی بیوی سے محبّت کرنے لگا تھا۔

وہ اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور اُس کے دِل میں مُسفرِہ کی محبّت پہلے سے شدید ہوئی تھی تبھی اُس نے واپس آکر مُسفرِہ کے ساتھ زِندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

رات کو مُسفرِہ کی باتوں سے اُسے پتا لگا تھا کہ وہ اُس سے کِتنی بدظن ہو چُکی ہے اور یہ چیز امن کو اچھی نہیں لگی تھی۔ اگلی صُبح اُٹھ کر اُس نے سب کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا۔ سب اُس کی واپسی سے بے حد خُوش تھے اور بہت پُرجوش بھی کہ اب اُس کی اور مُسفرِہ کی

شادی ہو گی مگر اُس نے یا گھر والوں نے مُسفِرہ کے سامنے اِس طرح کی کوئی بات نہ کی۔ امن نے سب کے سامنے مُسفِرہ کو بالکل اگنور کر دیا تھا جس پر مُسفِرہ بے دِل ہوئی تھی یعنی وہ محض باتیں ہی تھیں۔

وہ اُسے چھوڑنے والا تھا اپنانے والا نہیں اور وہ بے وقوف سوچ بیٹھی تھی کہ وہ اُسے اِتنی آسانی سے معاف نہیں کرے گی۔ امن بھلا اُس کو کیوں اپنائے گا؟ خُوداذیّتی سے سوچتے اُس نے خُود کو اپنے بوتیک میں مزید مصروف کر لیا تھا۔

تین چار دِن گزر چُکے تھے اور اِن تین چار دِنوں میں امن نے اُسے اِگنور کیا ہی کیا تھا مگر گھر والوں کے بھی وہ جیسے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ جو اُس سے محبّت جتاتے نہ تھکتے تھے اُس کے پل پل کی خبر رکھتے تھے اب اُسے بِالکل فراموش کر چُکے تھے جِس پر وہ دِل گرِفتہ ہوتی اپنے مائیکے آ گئی تھی۔

اُسے یہاں آئے دو دِن ہوئے تھے جب تیسرے دِن منیحہ اُس کے پاس شاپنگ بیگ پکڑے آئی اور اُس کی دوست کی شادی ہے کہہ کر اُسے اپنے ساتھ پارلر لے گئی۔ خُود

بھی اور روزینہ کو بھی اُس نے وہیں سے تیار کروایا تھا۔ بچے گھر والوں کے پاس تھے۔
شام چھ بجے وہ لوگ پارلر سے نِکل کر میرج ہال پہنچی تھیں۔ وہ کیسی لگ رہی تھی نہیں جانتی تھی کیوں کہ منیحہ نے اُسے آئینہ بھی نہیں دیکھنے دیا تھا۔

وہ اُسے میرج ہال کے اینٹرس ڈور پر اکیلا چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔

یک دم لائٹس بند ہو گئیں تو وہ گھبرائی مگر اُسی پل اُسے احساس ہوا کہ کوئی اُس کے دائیں جانِب آکر کھڑا ہوا ہے۔ اِس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اُس نے مُسفِرہ کا بازو تھاما اور اپنے بازو میں حمائل کر لیا۔ تبھی سپاٹ لائٹ آن ہوئی تو وہ ششدر رہ گئی۔

سامنے خُوب صورتی سے سجا میرج ہال تھا اور دائیں بائیں کچھ لڑکیاں پھولوں کی تھالیاں تھامے کھڑی تھیں۔ اُس نے بغل میں دیکھا تو اُس کے پہلو میں امن سیال کھڑا تھا جِس نے سیاہ رنگ کا پینٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ نفاست سے تراشی گئی داڑھی اور خُوب صورتی سے سجے بالوں سمیت وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔

امن نے مُسفرِہ کو دیکھا تو بے ساختہ دِلکشی سے مُسکرایا۔پستہ کلر کا لہنگا پہنے وہ برائیڈل میک اپ میں نظر لگ جانے کی حد تک خُوب صورت لگ رہی تھی۔

"گھٹیا شخص کی تعریف پر پورا اُترتے ہو تُم!"مُسفرِہ نے بظاہر مُسکراتے مگر دِل ہی دِل میں امن کو کوستے ہوئے کہا۔وہ پشتو میں بولی تھی کہ امن کو کون سا سمجھ آنی تھی۔

"کوئی بات نہیں میں تُمہارے دِل میں جلد ہی اپنی تعریف کے معنی بدل دوں گا پھِر میں تُم کو گھٹیا نہیں لگوں گا۔"امن نے شستہ پشتو میں جوسب دیا تو مُسفرِہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اُس نے اِسی طرح امن کو دیکھا تو یہ منظر کیمرے کی آنکھ نے قید کر لیا۔

"تُمہیں پشتو آتی ہے؟"مُسفرِہ نے حیرت سے پوچھا۔

"محبّت بہت کُچھ سِکھا دیتی ہے پشتو کیا چیز ہے؟"امن نے رومانوی انداز میں کہتے ہوئے اُس کا رُخ سامنے کیا تو وہ لاجواب ہوتی سامنے دیکھنے لگی۔

سبھی بے حد خُوش تھے اور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے یعنی یہ سب کی ملی بھگت تھی کہ اُسے بتائے بغیر اُس کی رُخصتی رکھ دی گئی تھی۔ منیحہ حسینہ اور روزینہ سب اُسے چھیڑ رہی تھیں۔ مُسفرِہ کے تایا تائی، زرنگار، زریاب خان اور آغا جان اور اُس کے اپنے گھر والے سب ہی آئے تھے۔ نذیر خان نے امن اور حاطب کے ساتھ ساتھ مُسفرِہ اور حسینہ سے بھی معافی مانگی تھی اور اُنہوں نے دِل سے اُنہیں معاف کر دیا تھا۔

وہ سب سے مِلتی خُوش دِلی کا مظاہرہ کرتی ہوئی امن کے ساتھ جا کر سٹیج پر براجمان ہو گئی تھی۔

اصل جھٹکا تو اُسے تب لگا جب روزینہ اور عدن کا نِکاح پڑھایا جانے لگا یعنی یک نہ شُد دو شُد! روزینہ کی رُخصتی اُس کی میڈیکل کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد رکھی گئی تھی۔ نذیر خان اور باقی سب کی خُوشی بتا رہی تھی کہ سب کی رضامندی اِس میں شامل تھی۔ اُس کا ولور نہیں لیا گیا تھا۔ نذیر خان اور آغا جان نے عہد کیا تھا کہ وہ اِس قبیح رسم کو خاندان سے بالکل ختم کر دیں گے۔

نِکاح کے بعد دونوں کپلز کا فوٹو شوٹ ہونے لگا۔ حاطب اور حمدان بھی اپنے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ فوٹو شوٹ کروا رہے تھے۔ ہر طرف چہل پہل اور خُوشی کا سماں تھا۔

فوٹو شوٹ کے بعد اچانک امن اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہوا اور مائیک تھام کر سب کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" امن کی بات پر سب اُس کی طرف متوجّہ ہوئے۔

"میں اپنی بیوی مُسفِرہ امن سیال کے عِشق میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اِتنی شدّت سے کہ مجھے اپنا آپ بھولنے لگا ہے۔ مُجھ میں، میں رہا ہی نہیں ہوں۔ میں آج مُسفِرہ ان سیال سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اُس کی آنکھوں میں آنسو لانے کا باعث نہیں بنوں گا۔ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ تُمہیں مُجھ سے کبھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر مُصیبت کو تُم سے دور رکھنے کی کوشش کروں گا اور تُمہاری اُمید اور بھروسہ کبھی نہیں توڑوں گا۔ امن سیال کی زِندگی میں مُسفِرہ سے پہلے نہ کوئی لڑکی تھی اور نہ اُس کی موجودگی میں اور نہ ہی اُس کے

بعد کوئی ہو گی سِوائے ہماری بیٹی کے !" امن دِلکش اور مُتاثر کن انداز میں بولتا مُسفِرہ کو مسمرائز کر گیا تھا۔

وہ سب کچھ بھول گئی تھی یاد تھا تو امن کی باتیں اور اُس کا لہجہ جو کہہ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

"حادثاتی طور پر بننے والا یہ رِشتہ میرے لیے بہت معنی رکھتا ہے کیوں کہ میں تُم سے بے حد محبّت کرنے لگا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ماضی میں میں نے تُمہارا بہت دِل دُکھایا ہے، تُم سے لاپرواہی برتی ہے مگر میں اُس سب کے لیے تُم سے معافی مانگتا ہوں۔ دیر سے ہی سہی مگر مجھے احساس ہو گیا ہے کہ مجھے صِرف تُم چاہیے ہو۔ مجھے میر ہر غلطی اور ہر اُس دِل آزاری کے لیے معاف کر دو جو میں نے تُمہاری کی۔" امن اُس کے سامنے آ کر بیٹھتا اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ گیا تو وہ شاکڈ رہ گئی۔

اُس نے اپنے گھر والوں کے سامنے اُسے بے عزّت کیا تھا مگر معافی مجمع بھر کے سامنے مانگ رہا تھا۔ وہ اُسے عزت دے رہا تھا۔ یک دم اُس کا دِل پگھلا اور اُس نے امن کے ہاتھ کھولتے ہوئے اُسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔

"مجھے آپ سے کوئی شِکوہ نہیں۔" مُسفِرہ نے نرم لہجے مگر بھیگی آواز میں کہا تو امن مُسکراتا ہوا اُس کے قریب ہوتا اُس کے ماتھے کو چھو گیا۔ مُسفِرہ مزید انا دِکھا کر امن کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

اچانک پورا تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔ سب اُن کے لیے بے حد خُوش تھے اور ہوتے بھی کیوں نہ؟ پانچ سال بعد وہ ایک ہو گئے تھے۔ اُنہیں ایک ہونا ہی تھا کیوں کہ یہ رِشتہ ایک حادثہ ہی سہی مگر اِس رِشتے کو خُدا نے جوڑا تھا اور اِس رِشتے میں محبّت کی مِٹھاس بھر دی تھی۔

مُسفِرہ اور امن سیال جانتے تھے کہ آنے والا وقت اِن کے لیے بے حد خُوشیاں لے کر آنے والا ہے کیوں کہ اُن دونوں کو ایک دوسرے سے محبّت تھی اور محبّت بھرا رِشتہ کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔

ختم شُد!